سہ ماہی

# انوارِ مخدوم

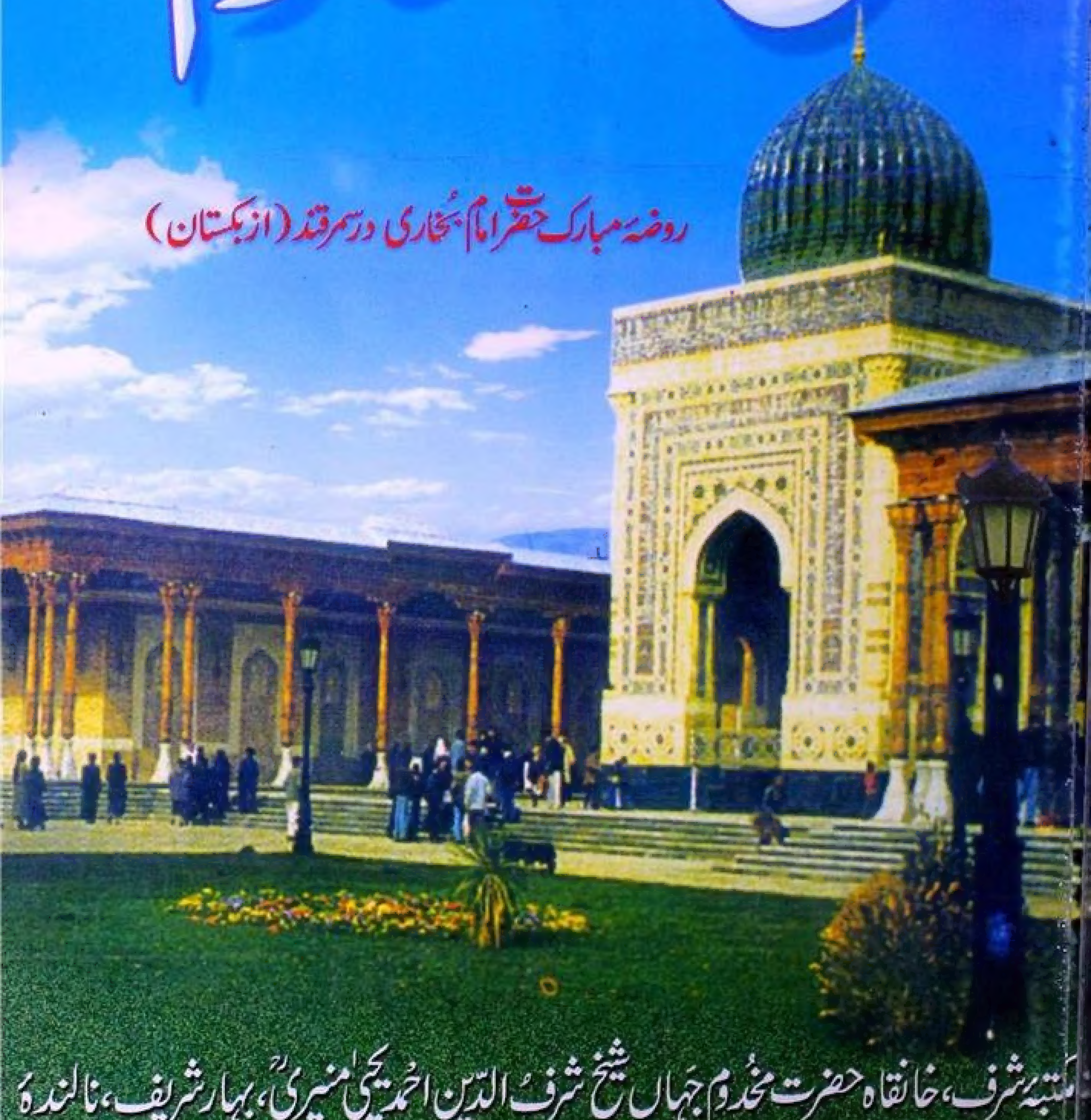

روضہ مبارک حضرت امام بخاری در سمرقند (ازبکستان)

مکتبہ شرف، خانقاہ حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیریؒ، بہار شریف، نالندہ

ROYAL

PLASTIC INDUSTRIES

61, Topsia Road, Kolkata-39

EVA-INJECT (TURBO)

ALL THE BEST
TO MAKHDOOM JAHAN'S GHULAM

From:

Syed Ajmal Husain

28A, Elliot Road, Kolkata - 700016.

# سہ ماہی

# انوارِ مخدوم

6

بہار شریف

سرپرست

جنابِ حضور سید شاہ محمد سیف الدین فردوسی مدظلہ

زیب سجادہ خانقاہ معظم حضرت مخدوم جہاں رحمۃ اللہ علیہ، بہار شریف

مدیر

محمد شفیع الرحمٰن شفیع

| | | |
|---|---|---|
| یہ شمارہ | : | Rs. 100 روپے |
| (ڈاک سے) | : | روپے |
| سالانہ | : | |
| ڈاک سے | | Rs. 100 |

**بیرون ملک ہوائی ڈاک**

| | | |
|---|---|---|
| یہ شمارہ | : | 10ڈالر/7پاؤنڈ |
| سالانہ | : | 25ڈالر/20پاؤنڈ |


ترسیل زر و مراسلت

محمد ممشاد فردوسی

مینجنگ اڈیٹر، سہ ماہی مخدوم

مکتبۂ شرف، خانقاہ معظم بہار شریف-803101،

نالندہ، بہار (بھارت)

فون:226863; 91-6112-223465

فون مجلس ادارت:2638235; 91-612-2640786



مکتبۂ شرف، خانقاہ معظم بہار شریف، نالندہ

## مجلس مشاورت

❁ پروفیسر سید منال شاہ القادری، سجادہ نشیں، دائرہ شریف قادریہ، کولکاتہ وصدر شعبۂ عربی و فارسی، کولکاتہ یونیورسٹی، کولکاتہ ❁ جسٹس سید شاہ نیر حسین، پٹنہ ہائی کورٹ وسجادہ نشیں خانقاہ حضرت محمد پیر دمڑیا، پٹنہ ❁ پروفیسر علاء الدین احمد فردوسی (سابق وائس چانسلر، ہمدرد یونیورسٹی، دہلی)، پٹنہ ❁ پروفیسر سہیل احمد خاں، چیرمین بہار ریاستی اقلیتی کمیشن، ❁ جناب فضا الرحمٰن فضا، جدہ، سعودی عرب، ❁ جناب حامد شعیبی، انگلینڈ ❁ جناب سید شہاب الدین، ایڈوکیٹ، نیو کریم گنج، گیا ❁ جناب سید اکبر الحسینی، سجادہ نشیں، درگاہ حضرت شاہ خاموش، حیدرآباد ❁ جناب شاہ صہیب عثمانی، (خانقاہ مجیبیہ فردوسیہ، سملہ) جھریا، جھارکھنڈ ❁ جناب شاہ احمد علی عثمانی، خانقاہ شرف، ذاکر نگر، جمشید پور، جھارکھنڈ ❁ ڈاکٹر (فادر) پال جیکسن ایس۔ جے، سینٹ زیویرز، گاندھی میدان مارگ، پٹنہ ❁ جناب جمال احمد فردوسی، مہتمم جامعۃ الشرف، خانقاہ معظم، بہار شریف ❁ جناب محمد شمس الضحیٰ فردوسی، کولکاتہ ❁ جناب زاہد حسین فردوسی، کولکاتا ❁ مولانا فیروز عالم بخت القادری، امام نوری مسجد، دھاراوی، ممبئی ❁ جناب فیروز احمد صاحب، وکٹر آرٹ پریس، کولکاتا ❁ جناب سید ہلال احمد فردوسی، دہلی۔

## مجلس ادارت

حضرت سید شاہ شمیم الدین احمد منعمی

ڈاکٹر سید شاہ علی ارشد شرفی

احمد بدر

ڈاکٹر محمود عالم

ڈاکٹر سید شاہد اقبال

زرقہ شہاب

کمپوزنگ اور تزئین: جناب سید شہاب احمد، ایروگراف کمپیوٹر، آریہ کمار روڈ، پٹنہ-4، فون نمبر: 3317926

میجنگ اڈیٹر، پرنٹر، پبلشر محمد مشاد فردوسی نے سرس (انڈیا) پرائیویٹ لمیٹڈ، اگزبیشن روڈ، پٹنہ-1، سے چھپوا کر دفتر انوارِ مخدوم، مکتبۂ شرف، خانقاہ حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیریؒ، بہار شریف، نالندہ سے شائع کیا۔

# خوانِ پر نعمت


| | | |
|---|---|---|
| اداریہ | : | 4 |
| مدیر کے قلم سے | : | 7 |
| امراض ظاہر و باطن | : حضرت شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیریؒ | 14 |
| اللہ احد اللہ احد | : محمد شفیع الرحمٰن شفیع | 17 |
| نعت شریف | : پروفیسر محمد محفوظ الرحمٰن اختر | 18 |
| قرآن فہمی کی ایک جھلک | : حضرت سید شاہ محمد سیف الدین فردوسی | 19 |
| نعت شریف | : جناب التفات امجدی | 32 |
| ترجمۂ تفسیر زاھدی | : حضرت سید شاہ شمیم الدین احمد منعمی | 33 |
| انوار حدیث | : حضرت سید شاہ شمیم الدین احمد منعمی | 37 |
| ترجمۂ مخ المعانی | : حضرت سید شاہ شمیم الدین احمد منعمی | 38 |
| اسلامی تصوف کا مقصد منہاج | : پروفیسر نثار احمد فاروقی | 42 |
| حضرت مخدوم جہاں اور عشق الٰہی | : حضرت سید شاہ محمد سیف الدین فردوسی | 58 |
| منقبت | : حضرت سید شاہ ایوب ابدالی نیر اسلام پوریؒ | 73 |
| حیات ثبات | : حضرت سید شاہ نجم الدین احمد نجم فردوسی | 74 |
| استغاثہ | : ڈاکٹر محسن رضا رضوی | 83 |
| نذر مخدوم جہاں | : محمد شفیع الرحمٰن شفیع | 84 |
| خدمت مخدوم سے اُوڈنڈ و بہار، بہار شریف ہوا | : جناب آفتاب حسن شمس | 85 |
| ہندوستان میں اسلام کی مقبولیت کے اسباب | : مسٹر بسواجیت سین/ جناب احمد بدر | 91 |
| معدن الاسرار: تجزیہ و ترجمہ | : حضرت سید شاہ شمیم الدین احمد منعمی | 97 |
| سلسلۂ مخدومانِ پیر دمڑیا | : جسٹس سید شاہ نیر حسین | 117 |
| بنگال کے صوفیاے کرام | : ڈاکٹر شاہد اقبال | 124 |
| نعت پاک | : ڈاکٹر زین رامش | 134 |
| اسلام پور کی تاریخی حیثیت | : ڈاکٹر محمد احسان اللہ | 134 |
| آنکھوں سے دل تک: سفر نامۂ حج | : حضرت سید شاہ شمیم الدین احمد منعمی | 143 |
| سائنس ہماری ضرورت ہے | : محمد شفیع الرحمٰن شفیع | 147 |
| نئی کتابیں | : مسندِ فقر و ارشاد، کن فیکن، صحیفۂ حمد کا، شکیل الرحمٰن اور مولانا روم کی جمالیات | 154 |
| مکتوبات | : شفیع مشہدی، شرف الدین فردوسی، پروفیسر راحت حسین، پروفیسر فاروق احمد صدیقی، سید فیاض الرحمٰن شارق | 159 |
| خانقاہ مخدوم جہاںؒ کی تعلیمی و روحانی سرگرمیاں | : جمال احمد فردوسی | 165 |


انوارِ مخدوم میں شائع شدہ خیالات سے ادارے کا اتفاق ضروری نہیں ہے

تحریر سے ہم محروم ہو جائیں گے بلکہ تقدیر کو بدلنے والی تدبیر کے کھو بیٹھنے کا خوف ہے اسی لیے انوارِ مخدوم نے اس مقصد کے لیے کمر ہمت باندھ لی ہے۔ دنیائے تفسیر کی عظیم دولت تفسیر زاھدی کو بڑی محنت اور عرق ریزی کے ساتھ ہم پہلی بار اردو قالب میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کررہے ہیں۔ حضرت مخدوم جہاں کی تالیفات وملفوظات اور ان سے متعلق نگارشات پر ہماری خصوصی توجہ ہے۔ چنانچہ مولود شرفی، جو اردو میں حضرت مخدوم جہاں پر پہلی تالیف تھی ہم نے مکمل چھاپ دی۔ حیات ثبات جو عرصے سے اشاعت کی محتاج تھی ہم نے یہ سعادت بھی حاصل کر لی اور اس شمارے میں اس کی بقیہ جلد اول کی اشاعت کا بھی آغاز کر دیا گیا ہے۔ حضرت مخدوم جہاں کے نادر ملفوظ مخ المعانی کا اردو ترجمہ پہلی بار انوارِ مخدوم آپ کی خدمت میں لے کر برابر حاضر ہو رہا ہے۔ ہماری کوشش ہے کہ بالخصوص حضرت مخدوم جہاں اور بالعموم ہر سلسلے اور مشرب کے مشائخ صوفیہ کی علمی نگارشات کو جلد از جلد اردو دنیا میں متعارف اور متداول کرا دیا جائے۔ چنانچہ اس شمارے سے ہم سلسلہ شطاریہ کی نادر روزگار تصنیف معدن الاسرار کا پہلی بار تعارف اور ترجمہ بھی پیش کر رہے ہیں جو یقیناً ہمارے قارئین کے لیے نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوگا۔ ہمارے آئندہ پروگرام میں کچھ ایسی کتابوں کا ترجمہ پیش کرنا ہے جو عرصے سے نایاب ہیں اور بے حد مفید ہیں۔ انشاء اللہ المولیٰ تعالیٰ۔ اگر آپ بھی ایسی کسی کتاب کے مالک ہیں یا آپ نے ایسی کوئی کوشش کی ہے لیکن اس کی طباعت میں کسی قدر دقت محسوس کر رہے ہیں تو انوارِ مخدوم کے صفحات اس کی طباعت کے لیے حاضر ہیں۔

ہماری مجلس ادارت کے رکن رکین حضرت مولانا علی ارشد صاحب شرفی ان دنوں اپنی دونوں آنکھوں میں موتیابند کی وجہ کر علمی شغل میں دقتیں محسوس کر رہے ہیں۔ علاج ومعالجے کے مرحلے سے گذرتے ہوئے آخر کار آپریشن کی منزل طے کرنی پڑی۔ دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ ان کی بصارت وبصیرت دونوں میں برکت عطا فرمائے تاکہ ادارہ انوارِ مخدوم کو ان کے فعال ہونے سے تقویت ملے! آمین!

گذشتہ شمارے میں علم پر گفتگو کی گئی تھی۔ علم نافع وہ دولت ہے جس کے آگے ساری دولت ہیچ ہے۔ علم کے بغیر تسبیح وتقدیس کے دعوے بھی ناقابل قبول ہیں۔ علم کے ساتھ کی گئی عبادت اور عادتاً ورسماً کی گئی عبادت میں آسمان زمین کا فرق ہے۔ علم اپنے استعمال کے ذریعہ نافع بنتا ہے یا ضار۔ علم حضرت آدم علیہ السلام کو مسجود ملائک بناتا ہے اور علم عزازیل کو شیطان اور مردود بنا دیتا ہے۔ علم حضرت نوح علیہ السلام کو کشتی پر سوار کراتا ہے اور علم کشتی کی بساط پر ہنسنے کا شعور بھی بخشتا ہے۔ علم باب العلم بناتا ہے اور علم ابوجہل بناتا ہے۔ علم کائنات کے ذرے ذرے میں اس کے خالق کو پہنچاننے کے لیے بصیرت بخشتا ہے اور علم خدا کا منکر بناتا ہے۔ علم آبِ حیات تک پہنچاتا ہے اور علم ہیروشما کو جہنم بناتا ہے۔ علم نسخۂ حیات لکھتا ہے اور علم کسی سے کسی کا ربط حیات توڑ ڈالتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو بھی علم بخشا، فرشتوں کو بھی زیور علم سے آراستہ کیا اور حضرت آدم کو بھی اعزاز علم سے نوازا۔ ابلیس نے اس علم کے ذریعہ اللہ کی نافرمانی کا راستہ چنا، فرشتوں نے اپنی دولت علم کا سجدہ شکر بجالانے کے بجائے، اظہار علم کا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# اپنی بات

انوارِ مخدوم کا چھٹا شمارہ آپ کے پیش نظر ہے۔ ہم نے کوشش کی ہے کہ اس بار بھی ایک ایسا خوان آپ کی خدمت میں پیش کریں جو گونا گوں نعمات سے پر ہو۔ انوارِ مخدوم کی اشاعت اگر تاجرانہ اور پیشہ ورانہ نقطۂ نگاہ سے ہوتی تو اس کا منظر عام پر لانا بڑا آسان اور سہل ہو جاتا لیکن آپ بخوبی واقف ہیں کہ انوارِ مخدوم کی اشاعت چند عظیم مقاصد کو نشانہ بنا کر کی جارہی ہے۔ ہم ہر حال میں اپنے مقاصد کے پابند اور محافظ ہیں، اس لیے ہر شمارے میں ہماری یہ کوشش ہوتی ہے کہ جلد بازی میں مقصد فوت نہ ہو جائے اور دیر آید درست آید کے قاعدے سے ایک صحت مند، بامقصد، پروقار، معلوماتی اور یادگار مجلہ آپ تک پہنچے۔

اردو میں رسائل وجرائد کی کمی نہیں۔ علم وادب، تحقیق وتدقیق کے ساتھ ساتھ دینی واخلاقی ترجمان بھی کچھ کم نہیں لیکن اپنے افکار وخیالات کو پیش کرنے کی ایسی کوشش جس کے نتیجے میں دوسروں کے افکار وخیلات کی تنقیص اور تذلیل سے پرہیز نہ کیا جائے تو لاشعوری طور پر نفرت، عداوت، بغض وعناد، افتراق وانتشار، دوری وبدگمانی اور نت نئے مسائل جنم لیں گے۔ آج ہماری ملت زوال کے اس آزمودہ نسخے کا عملی نمونہ پیش کرنے کی کوشش کررہی ہے۔ انوارِ مخدوم حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری (م 782ھ) کی خانقاہ عالم پناہ کا ترجمان ہے۔ جن کے علم وعرفان اور شخصیت وخدمت پر ہرکس وناکس کا اتفاق ہے۔ یہاں سے ایسی گفتگو ہونی چاہیے اور ایسا عنوان منتخب کیا جانا چاہیے جس پر سبھی کا اتفاق ہو۔ آج نفاق کا عنوان عام ہو چکا ہے۔ ایسا سمجھا جاتا ہے کہ اتفاق کے نکتے کم ہیں۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اتفاق واتحاد کے مواقع اور موضوعات بے شمار ہیں جبکہ اختلاف وافتراق کے نکتے بے حد کم، موسمی، مشروط اور محدود ہیں۔ دعا فرمایئے کہ انوارِ مخدوم اتفاق واتحاد کی صبح روشن لے کر گھر گھر پہنچیں اور نفرت وعداوت کی ظلمت چھٹ جائے! اللہ ولی الذین امنوا یخرجھم من الظلمت الی النور۔

مشائخ صوفیہ نے اسلام کے فکری واخلاقی سرمائے کو اپنی گراں قدر تالیفات سے ہمیشہ سینچا ہے۔ قوۃ القلوب، احیاء العلوم، کشف المحجوب، مثنوی مولانا روم، عوارف المعارف، گلستان و بوستان سعدی، مکتوبات مخدوم جہاں، فوائد الفواد، حجۃ اللہ البالغہ وغیرہ۔ یہ وہ چند نام ہیں جنہیں ساری دنیا فکر اسلامی کا Classics مانتی ہے۔

حضرات مشائخ صوفیہ نے یہ سلسلہ ہمیشہ اور ہر زبان میں جاری رکھا ہے۔ امتداد زمانہ سے جہاں بڑے بڑے شہر کھنڈرات میں تبدیل ہو جاتے ہیں وہیں قانون قدرت کے تحت زبانیں بھی معروف سے مجہول بنتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ صوفیائے کرام کا بہت بڑا اعلیٰ سرمایہ نئے قالب اور نئی ترجمانی کے بغیر ضائع ہو رہا ہے۔ اس زیاں سے نہ صرف یہ کہ کسی کی

راستہ منتخب کیا اور اس طرح ان دونوں نے اپنے علم کو نافع بنانے کے بجائے ضار بنا لیا جب کہ حضرت آدم علیہ السلام نے زلت کے باوجود اپنے علم سے فائدہ اٹھایا اور توبہ و استغفار اور عاجزی و انکساری کا راستہ منتخب کیا اور اپنے علم سے نفع اندوز ہوئے۔

ایک شخص جو بڑا دانشمند مشہور ہے اس کے انگ انگ سے اس کے علم کا اظہار ہوتا ہے لیکن وہ ہوس کا بندہ اپنی ساری دانائی، لوگوں کے سنسار کو اجاڑ کر اپنی جنت سنوارنے پر صرف کرتا ہے تو ایسا شخص اپنے علم کے غلط استعمال کی وجہ کر جاہل تو کیا آدمی کہلانے کے لائق بھی نہیں۔ وہ جانور ہے بلکہ اس سے بھی گیا گذرا۔ **ان من العلم جھلاً** (ابوداؤد)
لیکن ایک شخص شب و روز دوسروں کی تاریکی کو دور کرنے کے لیے کوشاں ہے۔ وہ دوسروں کے گھر کی دیوالی کو اپنی شب برأت مانتا ہے۔ وہ کسی کی شام غریباں کو صبح عید میں بدلنے کے لیے مچلتا رہتا ہے تو یقین جانیے وہ عالم بھی ہے باعمل بھی ہے۔ **قلیل من التوفیق خیر من کثیر العلم** (مسند الفردوس)۔

جب جب علم کا استعمال غلط ہوا ہے تب تب یہ دنیا جہنم بنی ہے۔ علم کے غلط استعمال سے بڑا زہر قاتل کوئی دوسرا نہیں۔ ہزاروں لوگ اپنے علم سے سینچ کر جس گلزار ہستی کو برسوں میں آباد و شاداب کرتے ہیں وہ کسی ایک کی عالمانہ نادانی سے چشم زدن میں جہنم نظیر بن جاتا ہے۔

قحبہ گردی، بردہ فروشی، جوا [illegible] عریانیت، بے حیائی، فحاشی، نشیلی اشیا، شراب، اسلحے، جوہری اسلحے، کیمیاوی اسلحے کو بنانے، چلانے اور پھیلانے میں دولت علم کا معمولی خرچ ہے؟ دنیا کے بہترین دماغ شب و روز دنیا کے امن کو درہم برہم کرنے کے فراق میں ہیں۔ ان کا بس چلے تو سب کے جسموں کے کپڑے اتار لیں، منھ سے نوالے چھین لیں، عصمت و عفت کو تار تار کر دیں۔ انسانوں کے لیے غلامی کی نئی تقدیر لکھیں اور ماضی کے فرعون و نمرود، شداد و یزید کے سارے رکارڈ توڑ دیں۔

دوسری طرف اہل علم نافع کا یہ حال ہے کہ ان کے اندر زمین کی سی تواضع پائی جاتی ہے، بہتے دریا جیسا لطف عام پایا جاتا ہے اور سورج کی کرنوں کی طرح فیاضی پائی جاتی ہے۔ ان کا وجود گھنے درخت کی مانند چھاؤں بخشتا ہے۔ دوسروں کی فکر ان کے جسم کو گھلاتی ہے اور دوسروں کی بھوک کا احساس ان کے لقمے کو بے مزہ کر دیتا ہے ؎

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیرؔ ۞ سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

انہیں کا وجود دنیا میں اخلاق الٰہی کا مظہر ہوتا ہے۔ انہیں کے صدقے خوشحالی آتی ہے۔ ان کے وجود کی برکت سے بلائیں ٹلتی ہیں اور ان کا رخ زیبا دیکھ کر بادل رزق و ثمرات پیدا کرنے والا پانی برساتے ہیں۔ ایسے علم والے امر ہو جاتے ہیں ؏ **الناس موتی واهل العلم احیاء**۔

اسلام علم نافع ہے۔ اس کی ساری تعلیمات دوسروں کو نفع پہنچانے کے گرد گردش کرتی ہیں۔ **اللّٰھم انی اسئلک علما نافعا و نعوذ باللّٰہ من علم لاینفع**۔

شمیم منعمی

مدیر کے قلم سے

# دین و دنیا کی تفریق گمراہ کن

# کوئی لازم جدا کب ہے ملزوم سے!

علم کی باتیں پچھلے شمارے میں کی گئی تھیں۔ تعلیم پر ہر طرف سے زور دیا جاتا رہا ہے۔ اس پر سب سے زیادہ توجہ اسلام کے نظام میں ہے۔ ایک ایک فرد کو اس قدر تعلیم حاصل کرنی چاہیے کہ وہ اپنے فرائض اور واجبات سے پوری طرح واقف رہے۔ وہ اپنے لیے فائدے کی چیزیں حاصل کر سکے اور نقصانات سے اپنے آپ کو بچا سکے۔ انسان کی فطرت میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے ایسی بنیادی خوبیاں رکھ دی ہیں کہ وہ اپنے ماحول سے بہت سی باتیں خود بخود دیکھ لیتا ہے۔ زندگی میں روزانہ پیش آنے والی ضرورتوں کا اسے پورا اندازہ ہو جاتا ہے اور اپنی صلاحیت کے مطابق وہ اپنی کوشش سے ان ضرورتوں کو پوری کرنے کی تدبیریں کر لیتا ہے۔ یہ بنیادی علم اسے بغیر محنت کے حاصل ہو جاتا ہے۔ فرد فرد سے مل کر خاندان اور پھر سماج بنتا ہے۔ ہر شخص ایک خاندان سے دوسرے خاندان میں شامل ہوتا ہے اور ایک سماج سے دوسرے سماج میں جاتا ہے، جہاں وہ آسانی سے گھل مل جاتا ہے اور اس طرح کئی خاندانوں اور کئی سماجوں میں اسے زندگی گزارنے کے طریقے خود بخود آ جاتے ہیں۔ یہ صلاحیت پروردگار عالم کی طرف سے خاص نعمت کی شکل میں ہر انسان میں پائی جاتی ہے۔ وہ غیر مانوس اور اجنبی لوگوں میں بھی تھوڑی ابتدائی دشواریوں کے بعد ان کا ہم زبان، ہم نوالہ وہم پیالہ بن جاتا ہے۔ یہ صلاحیت ہر جاندار میں موجود ہے اور اس کی بنیاد پر زندہ رہنے کا طریقہ سب کے لیے عام ہے۔ اسی وجہ سے انسان کو سماجی جانور کہا جاتا ہے۔

سماجی جانور کی سطح انسان کے شایان شان نہیں ہے۔ اس کے لیے اوپر آنا ضروری ہو جاتا ہے اور اوپر کی سطح میں آ کر وہ حیوان ناطق (گفتگو کرنے والا جانور) بنتا ہے۔ نطق اور گویائی کی فطری صلاحیت تو حیوان مطلق میں بھی موجود ہے۔ اس سے نکلتے ہی سماجی جانور ہونے میں اسے اپنے سماج میں حیاتی ضرورتوں کے لیے گویائی کی سخت ضرورت ہوتی ہے، مگر اس صلاحیت کے استعمال میں اچھے برے کی تمیز درکار ہوتی ہے۔ ہر بات بولنے کی نہیں ہوتی ہے۔ ہر کام کرنے کا نہیں ہوتا ہے۔ کسی شخص سے وہ بات نہیں کہی جا سکتی جو بری ہے۔ کسی شخص کے سامنے وہ کام نہیں کیا جا سکتا ہے جو برا ہے۔ صرف اس بات اور کام کی اجازت ہوتی ہے جو اس سماج میں جائز اور سراہنے کے قابل ہو۔

جب جائز اور ناجائز، اچھا اور بُرا، بہتر اور بدتر، مناسب اور غیر مناسب، قانونی اور غیر قانونی، مذہبی اور غیر مذہبی جیسی درجہ بندی کا مرحلہ آتا ہے تو انسان کے ساتھ شرافت، تہذیب، تمدن، اعلیٰ ظرفی اور حسن اخلاق سے جڑی وہ تمام باتیں سامنے آتی ہیں جن کا تعلق اخلاقیات سے ہوتا ہے۔ ان میں سماج اور جغرافیائی علاقوں کی بنیاد پر، قوموں اور رائج کی روایات کے اعتبار سے اور ان کے مذہبی اور روحانی اساسات کے حساب سے ایک دوسرے میں تفاوت، تضاد اور بہت بڑا فرق ہوسکتا ہے۔ ہر سماج میں اپنے اپنے اعتبار سے مہذب اور شریف انسان کا تصور ہوتا ہے۔ ناجائز، برے، بدتر، غیر مناسب، غیر قانونی یا غیر مذہبی کام کرنے والوں کو کسی نہ کسی گناہ یا جرم کا مرتکب سمجھا جاتا ہے اور اسے، جہاں تک گنجائش ہو، سزا دی جاتی ہے یا مردود قرار دیدیا جاتا ہے۔ یہی وہ سطح ہے جہاں حیوان ناطق کی سطح سے بلند ہوکر اچھا کام کرنے والا انسان حیوان مہذب یا بغیر کسی صفت کے انسان یا آدمی کا مرتبہ حاصل کرتا ہے۔ خراب اور برے کام کرنے والوں کو وحشی، جنگلی، غیر مہذب یا مجرم قرار دیا جاتا ہے۔

انسان اسلام میں اشرف المخلوقات ہے۔ یہاں اشرف وافضل بننے میں سبقت لے جانے کی تعلیم دی جاتی ہے۔ تمام فلسفوں میں انسانی تہذیب وتمدن قائم کرنے کا مقصد پرسکون ماحول میں آزادانہ زندگی گزارنے کا موقع حاصل کرنا ہے۔ ہر سطح پر اپنی غرض پہلے ہے اور اپنے مفاد کی حفاظت کے لیے طرح طرح کے طور طریقوں کو لازم قرار دیا جاتا ہے۔ اپنے مفاد کے خلاف جانے والے اصول توڑے جاتے ہیں اور اپنی غرض کے مطابق دوسرے اصول اچھائی کے نام سے لائے جاتے ہیں۔ اسلام میں دوسروں کی غرض پہلے ہے اور اس کی حفاظت میں اپنے مفاد کو قربان کرنے کی تلقین ہے۔ خیر امت کے لیے ناس (عام لوگوں) کی فلاح کا خیال بنیادی اصول ہے۔ حقوق وفرائض کا تصور ہر فلسفے میں ہے۔ اپنی غرض کے لیے انسان حقوق کا مطالبہ تو کرتا ہے مگر فرائض سے بچنے کی تدبیریں ڈھونڈتا ہے۔ اس طرح وہ خود غرض انسان اپنے آپ کو قوم پر ترجیح دیتا ہے، مگر اسلام میں دوسروں کے حقوق کی حفاظت پہلے ہے، اس لیے یہاں بے غرض اور بے لوث فرائض پر زیادہ زور ہے۔

اشرف المخلوقات بننے اور بنانے، دونوں طرح کی ذمہ داریاں مسلمان پر عائد ہوتی ہیں۔ اسلام میں حقوق و فرائض کے ساتھ غیر قانونی کاموں کے لیے جرم وسزا کا نظام بھی بہت واضح اور غیر پیچیدہ ہے۔ یہ نظام حیات زندگی دینے والے کی طرف سے ہے جو بالکل اٹل ہے۔ مجرم سے ہمدردی جرم میں تعاون ہے۔ سزائے موت ختم کرنے کی وکالت سماج کی موت کا سامان فراہم کرنا ہے۔ جرائم سے پاک سماج کے لیے جرم کی سزا میں کسی طرح کی تخفیف جرائم کو باقی رکھنے اور سماج کو جرائم کا شکار بنائے رکھنے کے برابر ہے۔

انسان کی زندگی کبھی نہ ختم ہونے والا سلسلہ ہے۔ اَلَستُ بِربِکم ؟ کے جواب میں بلیٰ کہنے کے روزِ ازل سے میدان حشر میں حساب وکتاب کے بعد ہمیشہ کے لیے جنت وجہنم یا جہنم کی سزا کے بعد پاک ہوکر جنت میں قائم رہنے

کا نام انسانی زندگی ہے۔ اس طرح (1) شکم مادر میں آنے سے پہلے (2) شکم مادر (3) یہ دنیا (4) قبر (5) یوم دین اور (6) قیامت کے بعد، انسانی زندگی کے موٹے طور پر یہی چھ ادوار ہیں۔ ان میں سب سے اہم دو ہیں جن کو دنیا اور آخرت کہتے ہیں۔ قرآن شریف میں ربنا آتنا فی الدنیا حسنة و فی الآخرة حسنة کی دعا سے واضح ہے کہ دنیا اور آخرت دونوں میں حسنہ کی طلب ہر مسلمان کو ہونی چاہیے۔ حدیث شریف میں الدنیا مزرعة الآخرة سے بالکل صاف ہے کہ دنیا لازم ہے اور آخرت ملزوم ہے۔ دنیا کے ہر عمل کا بدلہ آخرت میں ملے گا۔

یہ بہت بڑی غلط فہمی ہے کہ دنیا اور آخرت آپس میں متضاد الفاظ ہیں۔ دنیا جیسی ہوگی آخرت ویسی ملے گی۔ ترک دنیا کسی بھی طرح درست کیسے ہوسکتا ہے! دنیا ہی تو ہے جہاں انسان اللہ تعالیٰ کا خلیفہ بنا کر بھیجا گیا ہے۔ تارک دنیا سے اس خلافت کا قیام کس طرح ممکن ہوگا؟ انبیا اور خاتم الانبیا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا سلسلہ صرف اس لیے چلا کہ انسانوں کو دنیا میں زندگی گزارنے کے طریقے سکھائے جائیں۔ خلفاے راشدین اور اصحاب رسول ﷺ رضی اللہ عنهم و رضوا عنه کے بلند ترین منزل پر اسی دنیا میں اپنی پاکیزہ ترین زندگی گزارنے کے نتیجے میں فائز ہوئے۔ اولیاے اللہ، صدیقین، صلحاے امت اور تمام ائمہ تفسیر، حدیث اور فقہ نے اسی دنیا میں قرآن و حدیث کی روشنی میں زندگی کے تمام اطوار بجھائے اور عملی نمونے پیش کیے۔ پھر یہ بات کہاں سے آگئی کہ دنیا کو ترک کردو اور آخرت کی فکر کرو۔ اگر کسی طرح اس قول کو توجہ کے لائق سمجھا بھی جائے تو صرف اس کی یہ تاویل کی جاسکتی ہے کہ ایسے اعمال کو ترک کردو جو آخرت میں اچھے انجام تک نہ لے جائیں۔ یہ بھی دنیا میں رہ کر اور دنیا کو عمل کی جگہ بنا کر ہی ممکن ہے۔ اب رہی یہ بات کہ دنیا مومن کے لیے جیل ہے تو اس کا مفہوم یہ ہے کہ جیل میں جس طرح اپنی مرضی نہیں چلتی اسی طرح، اگرچہ انسان کو آزادی ہے، مومن کو دنیا میں اپنی مرضی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق اپنی آزادروی کو چھوڑ کر اپنی زندگی گزارنی چاہیے تاکہ وہ اپنی مرضی کے مطابق آخرت میں زندگی گزارنے کا مستحق بن سکے ؎

آخرت آخری مرحلہ زیست کا ❁ اس سے پہلے ہے دنیا کی حاجت ہمیں

یہ اس سے بھی بدترین غلط فہمی ہے کہ دین اور دنیا دو متضاد الفاظ ہیں۔ دین کا اصل مظہر تو دنیا ہی ہے۔ دین پر عمل کے لیے نہ تو کوئی جگہ دنیا سے پہلے تھی اور نہ دنیا کے بعد ہے۔ تقریروں اور تحریروں میں بھی یہ بات عام طور پر سامنے آتی ہے کہ یہ کام دنیاوی ہے اور وہ کام دینی ہے۔ یہاں تک کہ تعلیم کو بھی لوگوں نے دینی تعلیم اور دنیاوی تعلیم کی مکروہ اصطلاحوں میں مقید کر رکھا ہے۔ ایک معتبر عالم و فقیہ نے مجھ سے ایک روز فون پر فرمایا: اپنے جامعہ کے لیے میں انگریزی میں ایک سائین بورڈ روڈ پر لگوانا چاہتا ہوں جس میں اسلامی اور عصری علوم کا مرکز مذکور ہو۔ اس فقرے کی انگریزی کیا ہوگی؟ میں نے ادب سے پوچھا: کیا عصری علوم غیر اسلامی ہیں؟ انہوں نے فرمایا: ہرگز نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو میں اپنے جامعہ میں اس کی اجازت کیسے دیتا؟ میں نے پھر عرض کی: تو آپ اسلامی کی جگہ اگر پسند فرمائیں تو روایتی کا استعمال

کریں۔ حضرت نے بلا تامل اسے قبول فرمالیا۔ چنانچہ آج بھی A Centre for Traditional and Contemporary Education کا سائین بورڈ موجود ہے۔

کچھ لوگ اپنی ضرورتوں سے مغلوب ہوکر جب کسی مدرسے کے قیام کا منصوبہ تیار کرتے ہیں تو اسے کارِ خیر بتا کر عام لوگوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کراتے ہیں۔ یہ یقیناً کارِ خیر ہی نہیں بلکہ امت مسلمہ پر یہ فرض کفایہ ہے کہ تعلیم کا نظم و نسق کریں اور یہ فرض کفایہ اسی وقت ادا ہوسکتا ہے جب اسے اجتماعی طور پر انجام دیا جائے، لیکن اس سلسلے میں یہ احتیاط ضروری ہے کہ اس میں پڑھائے جانے والے علوم کو دینی اور دنیاوی کی تفریق سے پاک رکھا جائے۔ یہ تو واضح ہے کہ لوگ دینی علوم سے قرآن، تفسیر، حدیث، فقہ، کلام، الہیات اور ان سے وابستہ علوم مراد لیتے ہیں اور دنیاوی علوم سے حساب، انگریزی، سائنس اور مختلف سماجی، طبی، تعمیری اور صنعتی علوم مراد لیتے ہیں۔ خود ہندوستان میں کئی عیسائی کالج ہیں جہاں قرآن، تفسیر، حدیث، فقہ اور ان سے وابستہ علوم کی وہ تمام کتابیں شامل درس ہیں جو کسی بھی معتبر دارالعلوم میں پڑھائی جاتی ہیں۔ ان کے طلبہ انگریزی یا بلاواسطہ عربی زبان میں تعلیم حاصل کرتے ہیں اور امتحانات کے پرچوں کے جواب لکھتے ہیں۔ وہ تمام طلبہ یا طالبات، میری واقفیت کے مطابق، عیسائی ہیں اور تکمیل تعلیم کے بعد عیسائی تحریک میں شامل رہ کر مسلمانوں میں کام کرتے ہیں۔ اب سوال یہ ہے: کیا یہ لوگ اوپر کی اصطلاح کے مطابق دینی تعلیم حاصل کرتے ہیں؟ عیسائیوں کی ایک تنظیم ISA ہے جس کی پوری شکل Islamic Studies Association ہے۔ اس تنظیم کا ایک رسالہ Salam کے نام سے دہلی سے نکلتا ہے۔ کیا یہ تنظیم اور اس کا رسالہ اوپر کی اصطلاح میں دینی ہیں؟ ہمارے قریبی اسلاف میں اکثر مدارس کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد یونانی طب کی تعلیم حاصل کرتے تھے اور آج بھی بہت سارے طبیہ کالج ہیں جہاں یونانی طب کی تعلیم ہوتی ہے۔ کیا یہ تعلیم اوپر کی اصطلاح میں دنیاوی یا غیر اسلامی ہے؟ ہمارے بعیدی اسلاف نے جغرافیہ، سائنس، فلکیات، نجوم، رمل، طب، جراحی اور حساب کے علوم میں دنیا کی امامت کرنے کا شرف حاصل کیا تھا۔ کیا ان کے علوم محض دنیاوی اور غیر دینی تھے؟ آپ کی طرف سے اس جواب میں کوئی تاخیر نہیں ہوگی: ہرگز نہیں۔ پھر ایسی غلط فہمی سے بچنے اور بچانے کی ضرورت ہے۔ ہر وہ علم جس سے اللہ کی رضا مقصود ہو اور انسانوں کو فائدہ پہنچے وہ دینی اور صرف دینی ہے۔ اس علم کا استعمال دنیا میں ہوگا اور دینی ہوگا۔ اگر کوئی چیز بنیادی ہے تو وہ نیت ہے۔

علم و دانش حقیقت کی ہے جستجو
فرق ان میں زباں کے سوا کچھ نہیں

میں نے پچھلے شمارے میں بھی اس کی طرف اشارہ کیا تھا کہ آج کل عالم اور دانشور کی تفریق کسی سازش کا نتیجہ ہے۔ اگر کوئی بات مذہبی ہوتی ہے تو اس کے لیے عالم پر ذمہ داری عائد کی جاتی ہے۔ مسلمانوں میں جس قدر بھی

بے راہ روی ہے اور جس جس طرح کی لعنتیں پنپ رہی ہیں ان کے لیے صرف علما کو ذمہ دار ٹھہرایا جاتا ہے۔ان پر پھبتیاں کسی جاتی ہیں۔ان پر دین کے ٹھیکے دار کا لیبل چسپاں کیا جاتا ہے۔ان کے ذریعہ قائم مدارس میں زیر تعلیم غریب و نادار طلبہ کو حقارت کی نظروں سے دیکھا جاتا ہے۔تعلیم کے بعد مدارس میں مدرسی، مساجد کی امامت یا مجالس و محافل میں تقریروں کے سوا اور کسی کام کے لائق ان کو نہیں سمجھا جاتا ہے۔ایسا سمجھا جاتا ہے کہ ان محدود ذمہ داریوں کی انجام دہی کے بعد ان کے اوقات آرام سے سوئے رہنے میں گذرتے ہیں۔جب دو چار ایک ساتھ جمع ہوجاتے ہیں تو مسلکی اختلافات کو اور زیادہ ہوا دینے کے نئے طریقوں پر غور کرتے ہیں۔اپنی تقریروں میں زندگی کو سنوارنے والی باتیں بتانے کی جگہ پورا زور دوسرے مسالک کو باطل قرار دینے پر صرف کرتے ہیں۔اکرام مسلم کی ترغیب کی جگہ دوسرے مسالک کے لوگوں سے نفرت کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔انتشار و افتراق کی آگ لگاتے ہیں۔اس طرح ھر مسلمان بھائی ھے کے اسلامی اجتماعی تصور کی دھجیاں اڑاتے ہیں اور غیبت کے میدان میں تمام لوگوں کو پیچھے چھوڑ جاتے ہیں۔اپنے معاشی مسائل کو دور کرنے کے لیے مدارس و مساجد کی تعمیر کے لیے چندہ بٹورتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

کیا یہ سبھی الزامات بہتان ہیں؟ اگر اس طرح کی باتوں کا جواز کچھ علما اپنے کردار سے پیش کرتے ہیں تو کیا الزام لگانے والوں کو بالکل غلط قرار دیا جاسکتا ہے؟ اس سلسلے میں حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کے ایک ورق کی صرف ایک جھلک سے رہنمائی مل سکتی ہے:

ایک مرتبہ آپ کے ایک حریف مقابل نے آپ کو اے بدعتی اور اے زندیق کے الفاظ کہے۔آپ نے فرمایا: خدا تجھے معاف کرے! میں ایسا شخص نہیں۔میں نے جب سے خدا کو پہچانا کسی کو اس کا شریک نہیں ٹھہرایا۔میں صرف اسی کے عفو کا امیدوار ہوں اور فقط اسی کے عذاب کا ڈر ہے۔عذاب کا ذکر کرتے ہوئے آپ رونے لگے۔اس نے کہا: مجھے معاف فرمایئے۔امام نے کہا: اگر جاہل غلطی سے مجھے کچھ کہہ دے تو اسے معاف کرتا ہوں اور اگر کوئی عالم اس فعل کا ارتکاب کرے تو وہ نقصان اٹھائے گا کیوں کہ علما کی غیبت کے اثرات ان کے بعد بھی باقی رہتے ہیں۔(حیات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ: شیخ محمد ابوزہرہ، (قاہرہ، مصر) اردو ترجمہ: پروفیسر غلام احمد حریری، (پاکستان))

دانشور عام طور پر کالج کے اساتذہ، ڈاکٹر، انجینیر، وکلا اور صحافی حضرات جیسے لوگوں کو کہا جاتا ہے۔ان کو سمجھا جاتا ہے کہ وہ نام کے مسلمان ہوتے ہیں۔ان کو مذہب اور دین سے برائے نام تعلق ہوتا ہے۔یہ حضرات دین کی سمجھ سے خود عاری ہوتے ہیں اور دین دار لوگوں کو دین سے دور کرتے رہتے ہیں۔سائنس اور ٹکنالوجی کے زمانے میں دین کو ترقی کی راہ میں رکاوٹ سمجھتے ہیں۔مدارس کی تعلیم سے نفرت کرتے ہیں، مگر نکاح اور جنازہ کے لیے مدارس کے فارغین ہی پر انحصار کرتے ہیں۔اپنے ذاتی مفاد کے لیے غیر مسلموں سے قربت اور مسلمانوں سے دوری اختیار کرتے ہیں۔سکولر (بمعنی غیر مذہبی) کہلانے میں فخر محسوس کرتے ہیں اور مسلمانوں کو فرقہ پرست کہتے ہیں۔اگر کوئی عہدہ یا منصب مل جائے تو

مسلمانوں سے صرف اس لیے پرہیز کرتے ہیں کہ تعصب کا الزام نہ لگ جائے۔ مسلم پرسنل لا کو غیر ضروری پابندی قرار دیتے ہیں اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ اس میں چار بیویوں کے جواز کے علاوہ اور کوئی بات ہی نہیں ہے۔ شاہ بانو کیس کی وجہ سے مسلمانوں پر طرح طرح کی مصیبت آتی ہے۔ بابری مسجد کے معاملے میں آواز بلند کرنے والوں کو دہشت گرد کہتے ان کی زبان نہیں تھکتی وغیرہ وغیرہ۔

کیا اس طرح کی تمام باتیں بے بنیاد ہیں؟ کیا تمام دانشور حضرات ایسا ہی سوچتے، سمجھتے اور کرتے ہیں؟ یہاں بھی جواب نہیں ہے۔ دونوں انتہاپسندی کی راہیں ہیں۔ عالم یا دانشور دونوں اپنی اپنی ذمہ داریوں سے گریز پر پوری منطق ضائع کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فیصلہ اٹل ہے، کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ ہر شخص اپنا اپنا ذمہ دار ہے۔ نہ تو عالم کسی دانشور کا ذمہ دار ہے نہ دانشور کسی عالم کا۔ ہر ایک اپنے اپنے ہر چھوٹے اور بڑے عمل کا ذمہ دار ہے۔ سنجیدگی کی بات صرف اتنی ہے کہ مسلم سماج کا ایک ایک عالم اور ایک ایک دانشور پورے سماج کے ان تمام لوگوں کا ذمہ دار ہے جو ان کے زیر اثر ہیں۔ ان کی فلاح و بہبود کی ذمہ داری دونوں پر یکساں عائد ہوتی ہے۔ عالم اور دانشور دونوں صرف عربی اور فارسی کے مترادف الفاظ ہیں۔ دونوں کے درمیان جو امتیاز اگر ہے تو عمل اور کردار ہے۔ اسلام کی پوری واقفیت ہر دانشور کی شخصی ذمہ داری ہے اور اسی طرح دنیا میں کام آنے والے تمام امور کی واقفیت ہر عالم کی ذاتی ضرورت ہے۔ اپنے وقت کا امام وہی کہلائے گا جو اپنے وقت کا سب سے بڑا عالم اور سب سے بڑا دانشور ہوگا۔ یک رخا ہونے سے کام نہیں چلے گا۔ دونوں رخ کو بھرپور ہونا چاہیے۔ مسلم سماج کے تمام علما اور دانشور حضرات کو ایک دوسرے کا تکملہ Complement اور ضمیمہ Supplement ہونا ہوگا۔

ہر فکر خلا میں جا لٹکی اسقاط اس کا انجام ہوا

گفتار ثریا سے اوپر کردار ثری سے نیچے ہے

اوپر کی سطروں میں جو باتیں کہی گئی ہیں وہ ہمیشہ سے دہرائی جاتی رہی ہیں۔ بڑی بڑی تقریریں ہوتی رہی ہیں اور بڑی بڑی کتابیں شائع ہوتی رہی ہیں۔ ہمیشہ ان کا تعلق فکر سے رہا ہے۔ فکر پہلی منزل ہے۔ اس کے بعد گفتار کی منزل آتی ہے۔ دونوں میں اگر ہم آہنگی ہو جاتی ہے تو عمل کی منزل کا راستہ دکھائی دیتا ہے۔ کردار ہی وہ مسافر ہے جو منزل تک فکر و گفتار کے غازی کو لے جاتا ہے۔ ہمارا تو یہ حال ہے کہ فکر میں ہماری بلندی کو دوسرا چھو نہیں سکتا ہے، مگر جب دوسرا سامنے آتا ہے تو ہم اپنی فکر کو گفتار بنانے میں بھی طرح طرح کی الجھنوں کے شکار ہوتے ہیں۔ اگر ہم اپنی فکر دوسرے پر واضح نہیں کر پاتے تو یہ اسقاط کے مترادف ہو کر رہ جاتی ہے۔ اگر فکر واضح کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو گفتار سے اتنی بلندی پر جا پہنچتے ہیں کہ زمین تک نظر سے اوجھل ہو جاتی ہے۔ اب نیچے اتر آنے کی خلش ہوتی ہے اور کردار کا تصور تک غائب ہونے لگتا ہے۔ بول کر پھنس تو گئے۔ اب نکلنے کی صورت تلاش کی جائے۔ جب گفتار کا غازی جان بچانے کی کوشش کرتا ہے

تو دوسرے کو اور کون سا بہتر راستہ چاہیے! کردار سے دونوں بچتے ہیں اور بے عملی تحت الثریٰ میں دھکیل دیتی ہے۔ یہ بھی اسقاط ہے، مگر پہلے سے زیادہ تکلیف دہ اور زیادہ افسوسناک۔

تمام مسلم علما اور دانشوروں سے مودبانہ گزارش ہے کہ اپنے اندر فکر، گفتار اور کردار میں ہم آہنگی پیدا کریں اور متفقہ طور پر ایسے عمل کے میدان میں ایک ساتھ ضرور آئیں، جہاں دنیا میں ہر خاص و عام کی زندگی حسنہ کی مستحق بن سکے اور اس کے نتیجے میں آخرت میں بھی حسنہ نصیب ہو۔ سب سے پہلے اور سب سے زیادہ ضروری یہ ہے کہ مسلم سماج کو جہالت کی کھائی سے کم از کم زمین پر لانے کی کوشش کی جائے۔ اس غرض سے:

(الف) 1. مختلف بڑے اور چھوٹے مذہبی ادارے اپنے اپنے طور پر جو تعلیم کا نظام چلاتے ہیں، اس میں اگر ضرورت ہو تو اصلاح کی جائے اور بہتر سے بہتر طریقے پر منظم اور فعال بنایا جائے۔

2. نصاب تعلیم میں ابتدائی اور وسطانوی سطحوں تک ان کتب درسیہ کی تعلیم دی جائے جن سے علم کے ساتھ ایمان و عقائد کی بنیاد ایسی مستحکم ہو جائے کہ کہیں پر بھی دیوار کج نہ ہو سکے۔

3. ثانوی سطح پر طلبہ و طالبات اس لائق ہو جائیں کہ کسی بھی نظام تعلیم میں اپنے رجحان کے مطابق اعلیٰ تعلیم حاصل کر سکیں۔

4. اپنے نظام تعلیمات میں بھی اختیاری مضامین میں ایسے علوم کی تعلیم کا نظم کریں جو مسابقاتی دور میں مسلم سماج کو دیگر سماج کے شانہ بہ شانہ باعزت زندگی کا حق دلا سکیں۔

5. تعلیم کے نام پر دینی اور دنیاوی جیسا گمراہ کن فرق ختم کر دیں۔

(ب) تمام مذہبی اور رائج تعلیمی اداروں کے ذمہ داروں اور ماہرین کا ایک متفقہ وفاقی ادارہ قائم کیا جائے جہاں مسلک کے امتیاز کے بغیر اسلامی ماحول میں عام اعلیٰ تعلیم کا نظم ہو۔ اس غرض سے:

1. پہلے مقامی طور پر اس وفاق کا اسکول قائم ہو جہاں عام نظام تعلیم کے تحت ذی حیثیت مسلم بچے بچیوں کا داخلہ ہو۔ محتاج اور نادار بچے بچیوں کی مفت تعلیم کا بھی نظم ہو۔ یہاں ایسی مثالی تعلیم دی جائے کہ 2+ میں حسب رجحان اپنی اعلیٰ تعلیم یا کسی تکنیکی تربیت میں داخلے کی پوری صلاحیت پیدا ہو جائے۔

2. وفاق کے فنڈ سے میڈیکل اور انجینیرنگ کے کالج قائم کیے جائیں اور ان کا نظم ایسا ہو کہ ذی حیثیت سے پوری فیس لی جائے اور محتاج ہونہار طلبہ و طالبات کی جزوی یا کلی مفت تعلیم کا انتظام ہو سکے۔

3. وفاق کے تحت ایسے طلبہ و طالبات کی کوچنگ کا نظم ہو جہاں جو طلبہ و طالبات پوری فیس دے سکتے ہوں ان سے پوری فیس لی جائے اور محتاج ہونہار طلبہ و طالبات کو مفت تعلیم دی جائے۔

اگر یہ کام ہم کر سکیں تو یقیناً خیر امت کا وقار ہمیں واپس مل کر رہے گا اور بعد میں ہم عام انسانوں کو بھی اس کا فائدہ پہنچا سکیں گے۔ یہ کام کیسے ہوگا؟ اس کے لیے تو مل بیٹھنے کی پہلی ضرورت ہے۔ اللہ ہمیں اس کی توفیق عطا کرے آمین!

محمد شفیع الرحمٰن شفیع

مکتوبات صدی سے کسی ایک مکتوب کی اشاعت کا سلسلہ جاری ہے۔ قارئین کرام بلاواسطہ مخدوم جہاںؒ کے افکار و پیغامات سے واقفیت حاصل کر سکتے ہیں۔ جسمانی اور روحانی امراض اور ان کے علاج پر مشتمل مکتوب اس شمارے میں پیش کیا جا رہا ہے۔ (ادارہ)

# امراضِ ظاہر و باطن

بسم اللہ الرحمن الرحیم

برادرم شمس الدین سلمہ اللہ الحقیقۃ اور یقین جانو کہ انسان دو جوہر مختلف سے پیدا ہوا ہے ـــــ ایک علوی دوسرا سفلی۔ جس طرح جوہر سفلی، یعنی یہ جسم جو آب و آتش و خاک و باد سے بنا ہے، اس کو مرض قبول کرنے کی صلاحیت ہے۔ اسی طرح جوہر علوی یعنی ارواح کو بھی بیماریاں لاحق ہوتی ہیں۔ جس طرح امراض سفلی کے لیے اطبا ہیں جن کے علاج سے مرض دُور ہو جاتا ہے، صحت حاصل ہوتی ہے اور ہلاکت سے آدمی بچ جاتا ہے، اسی طرح امراض علوی کے لیے بھی اطبا ہیں جن کے علاج سے جملہ امراض باطنی، اگرچہ وہ محسوس نہیں ہوتے اور عقل میں نہیں آتے، مگر سب کے سب دفع ہو جاتے ہیں اور ہلاکت کے محل سے نجات ہوتی ہے۔ جوہر سفلی کے امراض وعلل کے طبیب حکما ہیں اور جوہر علوی کے امراض وعلت کے طبیب انبیا ہیں۔ ان کے بعد مشائخ ہیں، کیونکہ یہی لوگ انبیا کے خلیفہ ہیں۔ اسی مقام کی بات ہے کہ اَلشَّیْخُ فِیْ قَوْمِہٖ کَالنَّبِیِّ فِیْ اُمَّتِہٖ (اپنی قوم میں شیخ کی وہی حیثیت ہے جو نبی کی اپنی اُمت میں)۔

جس طرح کہ جوہر سفلی کا مریض بغیر طبیب حاذق کے ہلاکت کے بالکل قریب ہے۔ اسی طرح جوہر علوی کا مریض بھی بغیر پیغمبر یا شیخ کامل اور راہ رفتہ اور خلیفۂ پیغمبر کے، جن کی شان اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَۃُ الْاَنْبِیَاءِ (علما پیغمبروں کے وارث ہیں) ہے، ہلاکت کے قریب ہے۔ ہم جیسے کم نصیبوں کے وقت میں جس طرح اطبائے جوہر سفلی کم اور ناپید ہو گئے طبیبان جوہر علوی بھی کم اور گم ہو گئے۔ ناچار ہم جیسے بے دولت و بدنصیب کی ہلاکت کے سوا بات کیا باقی ہے! ہاں، اور تو کوئی چیز ایسی نہ رہی جس سے صحت و حیات وفلاح ونجات کی اُمید کی جائے، مگر یہی آیتِ پاک کہ لَاتَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَۃِ اللّٰہِ (خدا کی رحمت سے نا اُمید نہ ہو)۔ (مگر واضح رہے) کہ اُمیدوار رہنا اور اُس کی شرطوں کو پورا نہ کرنا اور اُس کے اسباب مہیا نہ کرنا کیسی بات ہے! ہم یہ نہیں کہتے کہ خداوند تعالیٰ کی قدرت سے باہر ہے، نہیں، باہر نہیں ہے، مگر کارخانۂ حکمت کے خلاف ضرور ہے۔ (جب اس طرح قلعی کھل گئی تو بتاؤ اب ہم کو کیا کرنا چاہیے)۔ ہم اپنے سر پر خاک ڈالیں اور اپنی معصیت پر ماتم کریں، اور اس بات کو خوب سمجھیں کہ ہمارے پاس اب سوائے غرور و پندار کے کچھ نہ رہا۔ (یوں ہزار،

لاکھ دولاکھ میں کوئی آدمی کام کا نکل آیا تو اِلَّا مَاشَاءَ اللّٰہُ! الشَّاذ کالمعدوم میں داخل ہے۔اس کا کوئی اعتبار نہیں۔
اب اس کو سنو، کہ) ہم نے پیغمبر یا شیخ کی طبیب سے مثال کیوں دی۔اس لیے کہ جس طرح طبیب نبض دیکھ کر بیمار کی علت و مرض سے واقف ہو کر مختلف ادویہ اور شربت بیمار کی قوت کا اندازہ کر کے بتاتا ہے، اور کسی دوا سے دو ماشہ اور کسی سے تین ماشہ اور کسی سے چار ماشہ لے کر معجون تیار کرتا ہے اور بعض چیز کا استعمال خطرناک کہتا ہے، تا کہ مریض کی طبیعت اعتدال پر آجائے اور وہ مائل بہ صحت ہو جائے اور ہلاکت سے محفوظ رہے ——— اسی طرح پیغمبر وقت یا نائب پیغمبر کو جب واقفیت ہو جاتی ہے کہ اس شخص کے اعتقاد میں کیا کیا مرض لاحق ہے تو احکامِ شریعت سے ایک ایسا نسخہ تجویز کر دیتا ہے کہ وہ بیمار باطن استعمال کر سکے اور اس سے فائدہ اُٹھا سکے۔کبھی دو رکعت اور کبھی تین رکعت کبھی چار رکعت سے ایک معجونِ مرکب تیار ہوتا ہے اور کوئی چیز حلال اور کوئی حرام کر دی جاتی ہے تا کہ عقیدت کی تشویشیں، خواہشات کے اختلافات اور امراض کی رنگا رنگی شریعت کے ساتھ اعتدال پذیر ہو اور صحت حاصل ہو، خطرۂ ہلاکت سے نجات ملے۔

تم کو تعجب ہوگا کہ احکام و شرائع کہاں، نسخہ و معجون کہاں! ان دونوں میں کیا مناسبت ہے! ہاں، برادر، ان دونوں میں خاص مناسبت ہے۔مگر یہ صیغۂ راز کی بات ہے۔جب تک بصیرت حاصل نہیں ہوتی آدمی سمجھ نہیں سکتا۔دیکھو! اگر جو ہر سفلی کا بیمار طبیب کی مخالفت اختیار کرے گا اور اس کے کہنے کے خلاف کھانا پینا چاہے گا تو مرض ضرور بڑھتا جائے گا اور ہلاکت کی نوبت آئے گی۔اسی طرح جو ہر علوی کا مریض اگر شریعت کی مخالفت شروع کرے گا، اس کے حکم کے خلافت کام کرے گا، تو یقینی مرض ضلالت روز بروز قوی تر ہوتا جائے گا، اور بے شبہ جہالت کی موت مرے گا۔نتیجہ یہ ہوگا کہ جب قیامت کے دن زندہ کیا جائے گا تو بیماری لیے ہوئے اُٹھے گا۔مگر اب کیا ہوتا ہے! وہ درد تو آج لاعلاج ہو گیا۔دوا اس کی عذاب و دوزخ ہے۔وہیں ابداً و سرمداً رہنا ہے اور جلنا ہے۔اور اگر برعکس اس کے اس نے احکام صاحب شرع کی نگہداشت کی، نواہی سے اجتناب رکھا، اوامر کو بجالایا، تو ایسی باطنی تندرستی حاصل ہوتی ہے کہ جینا تو جینا ہی ہے، مرنا بھی جینا ہو جاتا ہے۔

ایک مستند قول سنو: اَلَااِنَّ اَوْ لِیَاءَ اللّٰہِ لَا یَمُوْ تُوْنَ بَلْ یَنْتَقِلُوْنَ مِنْ دَارٍاِلیٰ دَارٍ (اولیاء اللہ مرتے نہیں، بلکہ اس مکان سے اُس مکان میں منتقل ہوتے ہیں۔)۔ظاہری موت کے بعد بھی ان کی عقل کامل رہتی ہے، کالبد درست رہتا، جوارح مضبوط رہتے، روحانی غذاؤں سے اپنے حقوق پورے کر لیتے ہیں۔قیامت کے بعد ہمیشہ ہمیشہ جنت میں رہیں گے۔رُوح و ریحان کا مزا رہے گا۔اب ثابت ہو گیا کہ جس طرح جسم کے طبیب حکما ہیں، دل کے طبیب انبیا ہیں اور ان کے بعد ان کے خلفا۔اب کیا ہو! مادرزاد بدنصیبی ہم کو نگل چکی اور ادبار نے ان کو ڈبو دیا۔صحبت رسول برحق ناپید ہو گئی، کیونکہ وہ دروازہ ہی مسدود ہو چکا ہے۔اور خلیفۂ پیغمبر کا ملنا بھی دشوار ہو گیا، کیونکہ ان کی ذات بابرکات بھی عالم میں کم کم ہے۔اور اگر کوئی بزرگ شاذ و نادر ہیں بھی تو چھپے ہوئے ہیں۔ہم پر ادبار آ گیا، کسی مقبول کو ہم ڈھونڈ کر نکالیں تو کیونکر

نکالیں اور ہم وہاں تک پہنچیں تو کیونکر پہنچیں۔ گویا یہی سمجھنا چاہیے کہ یہ در بھی بند ہی ہوگیا۔ خسرو کی جان پر رحمت نازل ہو! کیا خوب کہا ہے ؎

در مجلس و صالت دریاکشند مستان ✪ چون دور خسرو آیدمی در سبو نماند

(تیرے وصال کی مجلس میں مست لوگ دریا پی جاتے ہیں۔ جب خسرو کی باری آتی ہے تو مٹکے میں شراب ہی ختم ہو جاتی ہے)۔ ایسی صورت میں ہم جیسے بیماروں، مریضوں، خاکساروں اور بدنصیبوں کے لیے سوا اس کے کوئی چارہ نہیں ہے کہ اس کی کتابیں جن میں ان کے عقائد و معاملات لکھے ہوئے ہوں اور ان کے روش و طریقے درج ہوں، اُن کو دیکھیں اور اپنا امام و پیشوا انہیں کو بنائیں۔ اگر آفتاب دولت ہم بدنصیبوں کے وقت میں غروب ہوگیا تو خیر، بارے چراغ تو ہے هذا كفُوٗ لنا (یہ ہم لوگوں کے لیے بہت ہے)۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

از بخت بدم اگر فروشد خورشید ✪ از نورِ رخت مہا چراغی گیرم

(اگر میری بدبختی کے سبب سورج ڈوب چکا تو اے چاند سے محبوب تمہارے چہرے کی چمک سے میں چراغ کا کام لوں گا)۔ اگر خدانخواستہ کہیں ان کی کتاب دیکھنا بھی نصیب نہ ہوا تو اُس وقت کیا ہم، کیا تم، کیا فرعون، کیا نمرود، کیا ابولہب، کیا ابوجہل سب برابر۔ (دوسرا رُخ یہ ہے کہ) نا اُمیدی کی کوئی وجہ نہیں۔ خونِ جگر پیتے رہو، جان کنی کرتے رہو، خوب اضطراب پیدا کرو۔ اچھی طرح شور و فریاد سے کام لو۔ دیکھو تو سہی! کس طرح لطف کی ہوا افتادگانِ خاک کو اُڑا لیتی ہے اور گلشنِ تقرب میں پہنچا دیتی ہے۔ دیکھو، سات لاکھ برس سے طاعت و عبادت کے ملک میں کیسے کیسے ساکنانِ سجادہ نشیں تھے۔ اور خانقاہ عصمت میں کیسے کیسے حضرات عزت و حرمت کے مصلے پر تکیہ لگائے بیٹھے، اور دل ہی دل میں سمجھ رہے تھے کہ خلافت حق اس دائرے سے باہر جاتی کہاں ہے! ناگاہ نسیم لطف کے ایک جھونکے نے آب و خاک پامال کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا! ندا ہوئی انى جاعلٌ فى الارض خليفة اور ان کی کچھ پروا نہ کی۔ جانتے ہو ایسا کیوں ہوا؟ اس لیے کہ کوئی مطیع اپنی طاعت، عبادت پر ناز نہ کرے۔ اور کوئی مفلس و افتادہ نومید نہ ہو۔ اسی پر موقوف نہیں، جماعت ساحرانِ فرعون کی طرف نظر کرو۔ دیکھو، عنایت سابق نے لطف سے کیسا کام کیا، کچھ نہ دیکھا کہ یہ لوگ جادوگر ہیں اور کام ان کا جادوگری و خذلان و بطلان ہے۔ اسی حال میں جس وقت وہ ساحری اور جادوگری میں مشغول اور تمام نجاستوں سے ملوث تھے، موحد حقیقی بنا کر تخت توحید پر بٹھا دیا اور تاج معرفت سر پر رکھ دیا۔ کیسا عجیب و غریب تماشا سارے جہاں کو دکھا دیا کہ ہم جب کسی افتادہ و تباہ کار کو قبول کرتے ہیں تو اس بات کو نہیں دیکھتے کہ وہ کون ہے اور جب کسی سربلند کو نظر سے گراتے ہیں تو اس وقت بھی کچھ خیال نہیں کرتے کہ وہ کیا ہے اور کام اُس کا کس درجہ کے لائق تھا۔ والسلام!

(مکتوب 19: اردو ترجمہ: حضرت سید شاہ نجم الدین احمدؒ)

✪ ✪ ✪

محمد شفیع الرحمٰن شفیع
مدرس انگریزی، ایم۔اے۔اے اسکول، پٹنہ سیٹی

# اللّٰہ احد اللّٰہ احد

بلبل نے کہا، پھولوں نے سنا اللّٰہ احد اللّٰہ احد ۞ خوشبو میں بسی کہتی ہے صبا اللّٰہ احد اللّٰہ احد
پہچان یہی، عرفان یہی، وجدان یہی، ایمان یہی ۞ توحید کی ہے بس ایک بنا اللّٰہ احد اللّٰہ احد
بوندوں سے بنا بحرِ بے کراں، موجوں میں توانائی ہے رواں ۞ بجلی کا خزانہ پانی ہوا اللّٰہ احد اللّٰہ احد
ویرانے کو وہ آباد کرے، وہ دشت کو بھی گلزار کرے ۞ دیوانے کے دُھن میں نغمہ بپا اللّٰہ احد اللّٰہ احد
اصنام کو زینت دیتا ہے، فرعون حکومت پاتا ہے ۞ میخوار کی مے میں جلوہ نما اللّٰہ احد اللّٰہ احد
سیارے سبھی تسبیح بلب گردش میں لگے ہیں روز و شب ۞ کیا خوب نظامِ شمس دیا اللّٰہ احد اللّٰہ احد
رنگوں کی کشش ہے رشکِ نظر، آنکھوں کی عید ہے شام و سحر ۞ ہے حسن اسی کا سب میں بسا اللّٰہ احد اللّٰہ احد
نغمات میں ہم آہنگی ہے، آواز میں رنگا رنگی ہے ۞ ہر تار سے نکلی ایک نوا اللّٰہ احد اللّٰہ احد
مہتاب نے کیسی کشش پائی، بحراب میں جاگی بیتابی ۞ طوفان تلاطم خیز اٹھا اللّٰہ احد اللّٰہ احد
طاؤس کے پر کی زیبائی، رعنائی، ہنر کی یکتائی ۞ قدرت کا انوکھا رنگ ملا اللّٰہ احد اللّٰہ احد
بادل کی گرج، ساون کی جھلک، بوندیں رم جھم، بجلی کی کڑک ۞ سب مل گائیں بس ایک ثنا اللّٰہ احد اللّٰہ احد
مغضوبِ انا ابلیس ہوا تسلیم و رضا کو بھول گیا ۞ خود جس سے فرشتوں نے بھی پڑھا اللّٰہ احد اللّٰہ احد
انسان کی حکمت سے ہے عیاں، گوناگوں مصنوعات جہاں ۞ اس کا بھی وہی خالق ہے خدا اللّٰہ احد اللّٰہ احد
سیلاب کہیں، طوفان کہیں، بھونچال اکال کہیں نہ کہیں ۞ قدرت کا تماشا ہوش ربا اللّٰہ احد اللّٰہ احد
تاروں میں چمکتا چاند مٹا، سورج بھی ابھر کے ڈوب گیا ۞ عرفان خلیل اللہ کو ہوا اللّٰہ احد اللّٰہ احد
آغوشِ میں مریم کی عیسیٰ نے برجستہ فرمایا بجا ۞ رب کوئی نہیں ہے اس کے سوا اللّٰہ احد اللّٰہ احد
آنکھوں سے سلیماں نے دیکھا، کانوں سے سنی چینٹی کی صدا ۞ تسبیح کا نغمہ پھوٹ پڑا اللّٰہ احد اللّٰہ احد

رکھتے ہی زمیں پر موسیٰ کی لاٹھی نے سانپ کا پھن تانا ۞ پھر ہاتھ میں آتے ہی تھی عصا اللّٰہ احد اللّٰہ احد
گردش میں مسلسل ہے دنیا لیکن ہے سکوں اس پر پورا ۞ شب روز اسی سے صبح مسا اللّٰہ احد اللّٰہ احد
مخلوق ہے برف میں بھی زندہ اور جلتی آگ میں تابندہ ۞ پتھر میں بھی رکھ دی اس نے غذا اللّٰہ احد اللّٰہ احد
آباد ہے کیا! ویران ہے کیا! سب اس کا مکاں ہے سارا جہاں ۞ ہر سمت کرشمہ ساز فضا اللّٰہ احد اللّٰہ احد
امراض کے مہلک جرثومے، ہیں چاروں طرف جن کے خیمے ۞ ان سے ہی بنی اکسیر دوا اللّٰہ احد اللّٰہ احد
فرعون کوئی، ہامان کوئی، نمرود کوئی، شداد کوئی ۞ سب کو نہیں ملتی اس کی رضا اللّٰہ احد اللّٰہ احد
گنتی سے پرے تاروں میں سورج ایک ہے جس کا یہ عالم ۞ آفاق کی وسعت کیا ہے بھلا! اللّٰہ احد اللّٰہ احد

کس کو وہ کہاں کب کیا دیدے اندازہ نہیں ممکن ہے شفیعؔ
ہر نعمت پر پاؤ گے لکھا اللّٰہ احد اللّٰہ احد

۞۞۞


پروفیسر محمد محفوظ الرحمٰن اخترؔ
شعبۂ طبعیات، پٹنہ یونیورسٹی
محمد پور، شاہ گنج، مہندرو، پٹنہ-6


# نعت

درد کا جب تجھ سے کچھ رشتہ نہ ہو ۞ زندگی پھر میری یہ ہو، یا نہ ہو
گلشنِ احمدؐ کا اک گل ہے بہت ۞ میرے دامن میں نہ ہو دنیا، نہ ہو
ریت کے ذروں پہ ہے پیغامِ دوست ۞ دیکھنا اے شوق، دل تنہا نہ ہو
بزمِ ہستی کو ضرورت ہے تری ۞ اے چراغِ معرفت، اخفا نہ ہو

وہ اٹھا بھی تو اٹھا محفوظ کیا
جو قدم کہ جانبِ بطحا نہ ہو

۞۞۞

حضرت سید شاہ محمد سیف الدین فردوسی
سجادہ نشیں خانقاہ معظم، حضرت مخدوم جہاںؒ
بیت الشرف، خانقاہ محلہ، بہار شریف، نالندہ

# قرآن فہمی کی ایک جھلک
## سورۃ الکوثر کی روشنی میں

مضامین: رب العالمین کی جانب سے محبوب رب العالمین ﷺ پر خصوصی الطاف، نوازشات، احسانات اور انعامات کی بشارت کے ساتھ آپ کی شان عظمت ومحبوبیت کے اظہار کا جو سلسلہ سورۂ ضحیٰ اور سورۂ انشراح سے شروع ہوا تھا وہ ابھی جاری ہے۔ درمیانی سورتوں میں بھی مختلف انداز واسلوب سے آپ ﷺ کی ذات والا صفات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا خصوصی تعلق، کرم ومحبت کا ذکر جمیل ہوتا رہا ہے۔ یہ سورہ بھی اپنے اختصار کے باوجود ادب، بلاغت، ایجاز، معانی اور اسرار الٰہی کے خزینہ کے ساتھ رب تعالیٰ کی جانب سے آپ ﷺ کی مبارک ومحبوب ذات کے لیے مسرت وشادمانی کا وہ فرحت بخش پیغام ہے جس میں آپ ﷺ پر اپنی عنایات ونوازشات کی زبردست بارش کے علاوہ انسانی فہم وادراک سے ماوراء ہر معاملے میں خیر کثیر اور بھلائی کے انتہائی درجے کے وعدے کے ساتھ آپ ﷺ کے قلب اطہر سے اس حزن وملال کو دور کیا جاتا ہے جو دشمنوں کے ناروا سلوک اور طعن وتشنیع کی زبردست یورش کی وجہ سے کافی زخمی اور چور چور ہو چکا تھا۔

ایک دو زخم نہیں سارا بدن ہے چھلنی ۞ درد بیچارہ پریشاں ہے کہاں سے اٹھے

حقیقت یہ ہے کہ اس میں آپ کے بجائے آپ ﷺ کے دشمنوں کو نامراد ونامکمل اور بے نام ونشان ہونے کی وعید سنائی گئی ہے۔ بے شک یہ سورۂ مبارکہ حضور ﷺ کی دعوتی زندگی کے اس ابتدائی دور کی تصویر کشی کرتی ہے جب دشمنانِ اسلام ہر روز آپ کے خلاف ایک نئی سازش رچتے، مکروفریب کا جال بنتے، آپ کو رسوا کرنے کے لیے اوچھے ہتھکنڈے استعمال کرتے اور ناشائستہ کلمات کہتے۔ مختصر یہ کہ تکلیف پہنچانے کا کوئی بھی موقع اپنے ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ الفاظ کے اعتبار سے یہ مختصر سی سورت اپنی معنوی وسعت کے ساتھ جہاں دین ودنیا کی بھلائی، رشد وہدایت اور ایمان ویقین کی حقیقت سے پردہ کشائی کرتی ہے وہیں کفر وشرک اور ضلالت وگمراہی میں ڈوبی قوم کے ہٹ دھرم لوگوں کے خلاف دنیا میں

ذلیل ورسوا اور بے نام ونشان ہوکر آخرت میں دردناک انجام سے دوچار ہونے کی سزا کا اعلان کرتی ہے۔ صاحب ضیاء القرآن نے اس سورہ کا تعارف کراتے ہوئے بڑی پیاری بات تحریر فرمائی ہے:

> اس سورہ میں ان تمام عنایات کو الکوثر کے ایک کلمے میں سموکر رکھ دیا تاکہ چشم حق بیں حسن محمدی کے ایک ایک جلوہ کو دیکھتی رہے اور اس سے سرشار ہوتی رہے۔ اس پیکر جمیل ورعنا کی رعنائیوں ودلربائیوں میں کھوئی رہے۔ دل اس حسن سرمدی کی دل نوازیوں پر قربان ہوتا رہے۔ اس کی ایک ایک ادا جان پرور ہے۔ اس کا ایک ایک انداز روح افزا۔ زبان قدرت جب اپنے حبیب کی شان بیان کرتی ہے، تو وہاں اسلوب ہی بڑا نرالا اختیار کیا جاتا ہے ارشاد فرمایا: انّا (ہم نے) جمع کی ضمیر استعمال ہوئی۔ جمع کا صیغہ کبھی کثرت وتعدد پر دلالت کرتا، کبھی عظمت وشان کے اظہار کے لیے آتا ہے۔ یہاں یہی مقصد ہے یعنی ہم نے، جو زمین وآسمان کے مالک ہیں اے حبیب، آپ کو کوثر عطا کیا ہے۔ جو چیز ہم عطا کرنا چاہیں اسے نہ کوئی روک سکتا اور نہ کوئی چھین سکتا۔

**تاریخی پس منظر:** اعلان نبوت سے قبل حضور پاک ﷺ مکہ والوں کی آنکھوں کا تارا اور ان کی امید وآرزو کے مرکز تھے۔ جونہی آپ نے ان کے باطل خداؤں کے خلاف آواز بلند کی تو ہر چہار طرف سے اس کی پرزور مخالفت شروع ہوگئی اور روز بروز اس میں ایسی شدت آتی گئی کہ وہ لوگ آپ کی عزت وناموس کے دشمن اور خون کے پیاسے ہوگئے۔ اس دشمنی کی وجہ صرف معبودان باطل کے خلاف ہی آواز بلند کرنا نہیں تھا۔ شاید آگے چل کر اس نکتہ پر وہ بادل ناخواستہ تیار ہو جاتے اور آپ کی بات مان بھی لیتے، لیکن ان کے ساتھ جو سب سے بڑی مجبوری تھی وہ یہ کہ اسلام کے داعی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ توحید ورسالت کی دعوت کے علاوہ جن اخلاقی ومعاشرتی برائیوں کی بیخ کنی کی تعلیم فرما رہے تھے وہ کفار ومشرکین کے مزاج اور خواہش کے بالکل خلاف تھی۔ یہ لوگ کسی حال میں اس پر راضی نہیں تھے کہ بلال وصہیب طوق غلامی کے باوجود کبھی اپنے آقا کے ہمنشیں ہونے کی جرأت کرسکیں۔ جھوٹی شان وشوکت اور فخر ومباہات پر خون کی ندیاں بہانے والوں کے لیے صبر وتحمل، ایثار وقربانی اور انصاف کا درس باعث ننگ وعار تھا۔ اس کے علاوہ پورے عرب پر سیادت وحکومت کی خواہش شرفائے مکہ وسرداران قریش کے دلوں کی آواز تھی اور وہ کسی حال میں بھی اس سے دستبردار ہونے کے لیے تیار نہیں تھے۔ وہ خطرناک جراثیم جو پیہم برائیوں سے وجود میں آتے ہیں، ان کے مزاج میں شامل ہوکر ان کی عادت بن گئے تھے۔ وہ کسی بھی قیمت پر ان مہلک جراثیمی اثرات سے نکلنے کے لیے قرآنی نسخۂ شفا کی طرف رجوع کرنے کے روادار نہیں تھے۔ انہی وجوہات کے پیش نظر آپ ﷺ کے خلاف پوری قوم دشمنی پر آمادہ تھی۔ کامیابی کا دور دور تک کوئی اثر نظر نہیں آرہا تھا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی ہمت بڑھانے اور تسلی دینے کے لیے سورۂ ضحیٰ اور سورۂ الم نشرح کو نازل فرمایا جن کی متعدد آیات میں آپ سے روشن مستقبل کا واضح پیغام تھا۔ سورۂ ضحیٰ میں فرمایا کہ وللآخرة خیر لک من الأولی ولسوف یعطیک ربک فترضیٰ (اور یقیناً ہر آنے والی گھڑی آپ کے لیے پہلے سے (بدرجہا بہتر ہے)

اورعنقریب آپ کا رب آپ ﷺ کو اتنا عطا فرمائے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے )۔ الم نشرح میں فرمایا کہ ورفعنا لک ذکرک (اور ہم نے بلند کر دیا ہے آپ کی خاطر آپ کے ذکر کو) یعنی آپ کے یہ دشمن اپنے غرور وزعم سے پوری دنیائے عرب میں مکروفریب وطاقت کے ذریعہ آپ کی بربادی اور بدنامی کی تاریخ گڑھنے میں مشغول ہیں اور ہم، جو مالک لوح وقلم ہیں، پوری دنیا میں قیامت تک آپ کی عزت، سربلندی، ناموری اور سروری کی داستان رقم کرنے کا تہیہ کیے ہوئے ہیں۔ فان مع العسر یسرا ان مع العسر یسرا (پس یقیناً ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے، بیشک ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے ) یعنی آپ ان وقتی پریشانیوں سے ہرگز کبیدہ خاطر اور مایوس نہ ہوں۔ بس کچھ ہی دنوں کی تو بات ہے، بہت جلد پریشانیوں کا یہ زمانہ گذر جائے گا اور مسرت وشادمانی کا موسم بہار آیا ہی چاہتا ہے۔

غرض کہ پوری قوم نے آپ کی دعوت کی پرزور مخالفت کرتے ہوئے آپ کا اس طرح سماجی بائیکاٹ کر دیا تھا کہ آپ ﷺ اور آپ کے کچھ متبعین اپنی قوم سے بالکل الگ تھلگ پڑ گئے تھے۔ ابن جریر کی روایت کے مطابق قریش کہا کرتے تھے: بتر محمد (یعنی حضرت محمد ﷺ اپنی قوم سے کٹ کر ایسے ہو گئے ہیں جیسے کوئی درخت اپنی جڑ سے کٹ گیا ہو ) اور امید ہے کہ بہت جلد وہ سوکھ کر ختم ہو جائے گا، اسی واقعہ سے متعلق حضرت عکرمہ کی روایت ہے کہ قریش والوں نے حضور ﷺ کے لیے الصنبور المنبتر من قومه کے الفاظ استعمال کیے تھے (یعنی کمزور اور بے یارو مددگار اور بے اولاد آدمی جو اپنی قوم سے کٹ گیا ہو ) (ابن جریر ) صحیح سند سے بزار وغیرہ نے ابن عباس ﷺ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ کعب ابن اشرف مدینہ کا مشہور یہودی مکہ آیا تو قریش کے سرداروں نے اس سے کہا کہ تم اہل مدینہ کے سردار ہو، ذرا اس شخص کو تو دیکھو جو اپنی قوم سے الگ ہو گیا اور سب سے کٹ کر الگ تھلگ پڑ گیا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ ہم مجرم ہیں باوجود اس کے کہ ہم حاجیوں کے خدمت گزار ہیں۔ ان کو پانی پلاتے ہیں اور کعبہ کے دربان ہیں۔ تو کعب ابن اشرف یہودی نے کہا کہ تم اس سے بہتر ہو۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ابن سعد اور ابن عساکر کی روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کے سب سے بڑے صاحبزادے حضرت قاسم تھے۔ ان سے چھوٹی حضرت زینب تھیں۔ ان سے چھوٹے حضرت عبداللہ تھے۔ پھر علی الترتیب تین صاحبزادیاں فاطمہ، رقیہ اور ام کلثوم رضی اللہ عنهن ان میں سب سے پہلے حضرت قاسم کا انتقال ہوا پھر حضرت عبداللہ نے بھی وفات پائی۔ اس پر عاص بن وائل نے کہا کہ اب ان کی نسل ختم ہو گئی۔ اب یہ ابتر ہیں۔ ان کا کوئی بیٹا نہیں ہے جو ان کا جانشیں ہو۔ جب وہ مر جائیں گے تو ان کا نام اس دنیا سے مٹ جائے گا۔

حضور اکرم ﷺ کی ان نرینہ اولاد کے وصال پر ابو جہل، ابولہب، عقبہ بن ابی معیط نے بھی خوشی مناتے ہوئے اسی طرح کی باتیں کیں اور ایک دوسرے کو مبارکباد دی۔ یہ تھے وہ پرفتن اور دل شکن حالات اور صبر وآزمائش کی نازک گھڑی کہ جب پوری قوم دشمنی پر آمادہ، حق کے خلاف برسر پیکار، آپ ﷺ کے ساتھ ساتھ آپ کے مٹھی بھر چاہنے والے

کے لیے بھی جینا مشکل، بلکہ عرصۂ حیات تنگ۔ اس پر مزید یہ کہ تقدیر الٰہی کے مطابق پے در پے دو صاحبزادگان کی وفات کے صدمے نے قدرتی طور پر آپ کو مغموم کر دیا تھا۔ ایسے دردناک حالات میں ایک ایسا شریف ترین انسان جس کے بلند و پاکیزہ اخلاق اپنے تو اپنے بیگانوں تک کے لیے مثالی رہے ہوں ان کے ساتھ عزیز و اقارب، قبیلے اور ہمسائے کی طرف سے تسلی و تسکین کے دو بول اور محبت آمیز سلوک کے بجائے خوشی و مسرت کا برملا اظہار آپ کے دلی صدمے میں اضافہ اور زخم دل پر مرہم رکھنے کے بجائے اس پر نمک پاشی کے مترادف تھا۔

چنانچہ اپنے محبوب ﷺ کو ان پریشان کن حالات میں گھرے دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی وہ خاص رحمت جس کے صرف آپ مستحق تھے جوش میں آئی اور زبان قدرت سے آپ کی تسلی و تسکین کے لیے الکوثر کا استعمال ہوا کہ اس سے پہلے دنیائے وجود میں کسی نے بھی کسی کے لیے ایسی پیاری، مبارک اور عظیم اصطلاح کا استعمال نہیں کیا تھا۔ آخر میں آپ کے دشمنوں کو دنیا میں رسوا اور ذلیل ہو کر نیست و نابود ہو جانے کی وعید سنائی گئی ہے۔

## اس سورۃ کے خواص حضرت امام زاہد کی نظر میں:

اس سورہ کی پہلی آیت میں اس نعمت کا بیان ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضور ﷺ کو عطا کی گئی۔ دوسری آیت میں اس نعمت پر شکر کس طرح ادا کریں گے بتایا گیا ہے۔ تیسری آیت دشمنوں کے جواب میں ہے۔

## سورۂ کوثر کی پہلی آیت کی لغوی و معنوی تحقیق:

انّا أعطینک الکوثر (بیشک ہم نے آپ کو (جو کچھ) عطا کیا بے حد و بے حساب عطا کیا) یہاں اٰتینا کے بجائے اعطینا مذکور ہے ان دونوں کے مفہوم میں واضح فرق ہے أعطی کے لفظ کی لغوی تحقیق کرتے ہوئے ابن منظور رقمطراز ہیں: الاعطاء والمعاطات جمعیاً المناولة وقداعطاه الشئی وعطوت الشئی تناولہ بالید: یعنی اپنے ہاتھ سے کوئی چیز کسی کے حوالہ کر دینا (لسان العرب)

اس تحقیق کی رو سے اس کے یہ معنی ہوئے کہ اے حبیب ﷺ، ہم نے آپ کو الکوثر کا مالک بنا دیا حق ملکیت آپ کو پوری طرح دے دیا گیا۔ علامہ نیشاپوری اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اس آیت میں گونا گوں خوبیاں اور نکات ہیں۔ ان کی اس سے مراد یہ ہے کہ اس آیت کی ابتدا انّ سے کی گئی ہے جو تاکید پر دلالت کرتا ہے۔ پھر ضمیر جمع کی لائی گئی ہے جو تعظیم کا مفہوم پیدا کر رہی ہے نیز یہاں اعطاء کا لفظ استعمال ہوا ہے اتیان کا نہیں اور اعطاء میں ملکیت پائی جاتی ہے اتیان میں یہ مفہوم نہیں پایا جاتا ہے۔ پھر یہاں ماضی کا صیغہ ذکر فرمایا جو تحقیق پر دلالت کرتا ہے یعنی یہ کام ہو گیا۔ اب ذرا الکوثر کو سمجھنے کی کوشش کریں تاکہ اس لفظ کی معنوی وسعت کے ذریعہ حضور پاک ﷺ کی شان، عظمت اور بزرگی سے تھوڑی واقفیت کی راہ ہموار ہو سکے۔

(1) علامہ آلوسی لکھتے ہیں کہ الکوثر هو فو عل على الكثرة صيغة مبالغة الشئ الكثير كثرة مفرطة۔ کثرت سے ماخوذ ہے۔اس کا وزن فوعل ہے جو مبالغہ کا صیغہ ہے۔اس کے معنی ہیں کسی چیز کا اتنا کثیر ہونا کہ اس کا اندازہ نہ لگایا جاسکے۔

(2) علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ جو چیز قدر و قیمت میں اور اپنی اہمیت کے لحاظ سے بہت زیادہ ہو اس کو کوثر کہتے ہیں۔

## الکوثر مفسرین صحابہ اور علما کی تحقیق کے تناظر میں:

علمائے تفسیر نے الکوثر کی تفسیر میں بہت سی احادیث اور بزرگوں کے اقوال کی روشنی میں متعدد لطیف نکات بیان کیے ہیں۔ان میں سے کچھ آپ بھی ملاحظہ کرتے چلیں:

(1) حضرت انس ﷛ نے فرمایا کہ ایک روز ہمارے درمیان حضور ﷺ تشریف فرما تھے۔اچانک آپ پر کچھ غنودگی طاری ہوگئی۔ کچھ دیر کے بعد آپ نے مسکراتے ہوئے اپنا سر مبارک اٹھایا۔ہم نے عرض کی کہ یا رسول اللہ ﷺ! آپ کے مسکرانے کا کیا سبب ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ ابھی مجھ پر ایک سورہ اتری ہے پھر حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: بسم الله الرحمن الرحيم ٥ انا اعطينک الى آخره اور ارشاد فرمایا کہ کیا تم کو معلوم ہے کہ کوثر کیا چیز ہے۔ہم نے عرض کی کہ اللہ اور اس کا رسول ہی بخوبی واقف ہے۔فرمایا: ایک نہر ہے جس کو عطا کرنے کا وعدہ میرے رب نے مجھ سے کرلیا ہے۔اس میں بہت خوبیاں ہیں۔قیامت کے دن اسی حوض پر میری امت اترے گی۔اس کے ظروف ستاروں کی تعداد کے برابر ہوں گے۔ایک بندہ کو حوض پر اترنے والوں میں سے کھینچ کر الگ کر دیا جائے گا۔ میں عرض کروں گا کہ پروردگار! یہ تو میری امت ہے۔ارشاد ہوگا کہ تم واقف نہیں ہو کہ تمہارے بعد اس نے دین میں کیا کیا چیزیں نکالی تھیں۔ (مسلم شریف)

اس حوض کے بارے میں احادیث متواترہ مذکور ہیں اور علما نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس کے چاروں کونے پر خلفا راشدین اربعہ تشریف فرما ہوں گے۔ جو شخص ان میں سے کسی کے ساتھ بغض رکھے گا، اسے حوض کوثر سے ایک گھونٹ بھی نہیں ملے گا۔

(2) کوثر سے مراد جنت کی وہ نہر ہے جس سے جنت کی ساری نہریں نکلتی ہیں۔جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو عطا فرما دیا ہے۔ چنانچہ حضرت عبد اللہ بن عمر ﷛ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کوثر جنت کی ایک نہر ہے جس کے دونوں کنارے سونے کے ہیں۔موتیوں اور یاقوت کا فرش بچھا ہوا ہے۔اس کی مٹی کستوری سے زیادہ خوشبودار ہے، برف سے زیادہ شفاف ہے۔

حضرت امام زاہد اپنی تفسیر زاہدی میں الکوثر کی تفسیر کے سلسلے میں حضرت عائشہ ﷛، حضرت ابن عباس ﷛، حضرت مجاہد ﷛ کے حوالے سے رقمطراز ہیں کہ کوثر اس نہر کا نام ہے جو جنت میں ہوگی جیسا کہ آپ ﷺ سے مروی ہے کہ

یہ ایک ایسی نہر ہے جس کی چوڑائی عدن سے صفا تک ہوگی۔ اس کا پانی شہد سے زیادہ بہتر اور دودھ سے زیادہ سفید ہوگا۔ جو بہشت کا کھانا نہیں لے گا وہ کوثر ہی سے پیے گا۔ اس نہر کا پانی آپ ﷺ کے حوض تک پہنچایا جائے گا۔ علمائے تفسیر نے یہ بھی لکھا ہے کہ شب معراج میں حضور پاک ﷺ کو نہر کوثر عطا کی گئی۔ احادیث میں اس سلسلے میں روایات بکثرت آئی ہیں کہ جب آپ ﷺ کو جنت کی سیر کرائی گئی اور اس موقع پر آپ ﷺ نے ایک نہر دیکھی تو (جنت کی سیر کرانے والے فرشتے سے) آپ نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ یہ نہر کوثر ہے جو آپ کو اللہ تعالیٰ نے عطا کی ہے (بخاری، مسلم، مسند احمد)۔

متعدد احادیث متواترہ کی روشنی میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے آپ ﷺ کو عطا کی گئی اس نہر خاص (کوثر) سے آب کوثر قیامت کے دن حوض میں دو نالوں کے ذریعہ ڈالا جائے گا اور وہ حوض کوثر آپ ﷺ کو عطا ہوگا اور اس نازک وقت میں جب کہ ہر طرف نفسی نفسی کا عالم ہوگا۔ ہر ایک العطش العطش! کر رہا ہوگا۔ آپ کی امت آپ ﷺ کے پاس پروانہ وار حاضر ہوگی اور آپ کے ہاتھوں اس حوض کوثر سے سیراب ہوگی۔ آپ ﷺ اس پر سب سے پہلے پہنچے ہوئے ہوں گے اور اس کے وسط میں تشریف فرما ہوں گے۔ آپ کا ارشاد ہے: وہ حوض جس پر میری امت قیامت کے دن وارد ہوگی (مسلم و ابوداؤد) میں تم سب سے پہلے اس پر پہنچا ہوا ہونگا (بخاری) میں تم سے آگے پہنچنے والا ہوں، اور تم پر گواہی دوں گا اور خدا کی قسم میں اپنے حوض کو اس وقت دیکھ رہا ہوں (بخاری)۔ انصار کو مخاطب کرتے ہوئے ایک موقع پر آپ نے فرمایا کہ میرے بعد خودغرضیوں اور اقربا نوازیوں سے تم کو پالا پڑے گا۔ اس پر صبر کرنا یہاں تک کہ مجھ سے آکر حوض پر ملو (بخاری، مسلم، ترمذی)

## الکوثر کی ایک دوسری تفسیر جمہور مفسرین کی نظر میں:

حضرت امام زاہد اپنی تفسیر زاھدی میں لکھتے ہیں کہ حضرت ابن عباس، حسن بصری، مجاہد، ضحاک اور سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ الکوثر کثرت سے بنا ہے اور اس سے مراد خیر کثیر ہے یعنی اے اللہ کے رسول! میں نے آپ کو صاحبزادے کے بدلے میں خیر کثیر اور امت کی شفاعت جیسی نعمتیں عطا کیں۔

حضرت ابن عباس نے الکوثر کی تفسیر یعنی خیر کثیر بیان کی ہے، حضرت سعید بن جبیر ﷺ نے ان سے دریافت کیا کہ لوگ تو کہتے ہیں کوثر جنت کی ایک نہر کا نام ہے تو انہوں نے فرمایا کہ وہ بھی اس خیر کثیر میں سے ایک ہے ھو من الخیر الکثیر (تفسیر مظہری)

علامہ اسماعیل حقی الکوثر کے بارے میں متعدد اقوال نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ ظاہر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ساری ظاہری و باطنی نعمتیں کوثر میں داخل ہیں۔ ظاہری نعمتوں سے مراد دنیا و آخرت کی بھلائیاں ہیں اور باطنی نعمتوں سے مراد وہ علوم لدنیہ ہیں جو بغیر کسب کے محض فیضان الٰہی سے حاصل ہوتے ہیں۔

علامہ قرطبی نے بھی اسی طرح کی ملتی جلتی تشریح کی ہے۔علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ کوثر سے مراد خیر کثیر ہے اور دنیاوی واخروی نعمتیں جن میں فضیلتیں اور فضائل سب شامل ہیں۔

حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے نزدیک کوثر سے مراد حضور پاک ﷺ کے دل کا نور ہے، جس نے اللہ تعالیٰ تک آپ ﷺ کی رہنمائی کی اور ماسوا سے ہر قسم کا رشتہ منقطع کر دیا۔

اسی طرح الکوثر کی حکمت میں مضمر ایک اہم بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے صاحب ضیاء القرآن نے نہایت ہی دلنشیں نکتہ کی طرف اشارہ کیا ہے:

> جہاں تک اس ناقص کی فہم نارسا کی رسائی ہے، مجھے تو اس میں دو حکمتیں جلوہ کناں نظر آتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ لوگ حضور ﷺ کے بے اندازہ کمالات کو دیکھ کر حضور ﷺ کو خدا نہ سمجھنے لگیں۔ بتا دیا کہ یہ کمالات ان کے ذاتی نہیں، بلکہ میں نے جو رب السموات و الارض ہوں انہیں ارزانی فرمائی ہیں۔ دوسری حکمت یہ ہے کہ کوئی کم نظر حضور کے کمالات کا انکار نہ کر سکے کیوں کہ یہ سب کمالات خود اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہیں جو علیم بھی ہے، حکیم بھی ہے، اور قدیر بھی ہے۔ جو کمالات رسالت کا انکار کرتا ہے وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی قدرت و حکمت اور اس کی صفت جود و عطا کا انکار کرتا ہے۔ (تفسیر ضیاء القرآن)

## الکوثر کے اہم نکات:

الکوثر کے متعلق جمہور مفسرین کے آرا اور تفاسیر متداولہ کے مطالعہ کے بعد مندرجۂ ذیل متعدد اہم نکات مجھ پر عیاں ہوتے ہیں، جو مختلف عنوانات کے ساتھ حسب ذیل ہیں:

## کوثر نبوت کے معنی میں:

کوثر کو تلاش کرنے والا اگر نبوت کے دریائے ناپیدا کنار میں اس کو تلاش کرتا ہے تو وہاں بھی اسے آپ ﷺ کی ذات نبوت کے تمام محاسن اور خوبیوں کا مرقع اور جملہ انبیائے کرام کے صفات و کمالات کا مجموعہ نظر آئے گا۔ تمام انبیاء علیہم السلام تو حضور پاک سے پہلے ہی تشریف لائے لیکن جو جامعیت فیوض و برکات نبوت محمدی میں ہے اس کا انداز کون کر سکتا ہے! بیشک! آپ کا دامن نبوت پوری نوع انسانیت کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے۔ آپ نہ صرف عرب و عجم بلکہ پوری کائنات کے نبی ہیں۔ آپ ﷺ کے مقام رسالت و نبوت کی وسعتوں اور ہمہ گیریوں کے ادراک سے تمام مخلوق عاجز ہے۔

## کوثر قرآن کریم کے معنی میں:

اگر کوثر کی جستجو کرنے والا اس کو قرآن کریم میں تلاش کرے جو آپ ﷺ پر نازل ہوا ہے تو وہاں بھی اسے بے

پناہ معانی ومفاہیم کی کثرت کا اندازہ ہوگا۔ اسلوب بیان کا جو نرالا انداز، جامعیت وہدایت کی جو عظیم دولت وہاں ملے گی وہ کسی دوسرے صحیفۂ آسمانی میں کہاں مل سکتی ہے! حیات انسانی کے تمام گوشے اس کتاب منیر کی ضیا پاشیوں سے اس طرح روشن اور منور ہیں کہ کسی بھی صاحب بصیرت کو اس کے اعتراف کے بغیر چارہ نہیں۔

## کوثر دین کے معنی میں:

اگر کوئی کوثر کا متلاشی اس کو آپ کے لائے ہوئے دین میں تلاش کرے تو اس کو وہاں بھی ایک جامع اور مکمل دین کی تمام خوبیاں اور اچھائیاں، اللہ سبحانہ تعالیٰ کی رضامندی و پسندیدگی کی مہر کے ساتھ اس کثرت کے ساتھ نظر آئیں گی جس کا احاطہ ممکن نہیں۔

## کوثر بمعنی صحابہ:

اگر کوثر کے مفاہیم ومعانی کا طالب اس کو آپ کے دوستوں، جاں نثاروں اور عاشقوں میں تلاش کرے تو وہاں بھی اسے ایسی کثرت نظر آئے گی جس کی مثال کسی دوسرے نبی ورسول کے صحابہ وتبعین میں نہیں مل سکتی۔

## کوثر رفع ذکر کے معنی میں:

اگر کوثر کے معانی کا جستجو کرنے والا عالم وجود کی وسعتوں اور پہنائیوں میں آپ کے رفع ذکر کو تلاش کرے تو اسے ساری کائنات کے چپے چپے پر آپ ﷺ کی رسالت وعظمت کے نقوش ثبت نظر آئیں گے اور گوشے گوشے میں آپ کے ذکر پاک کی دھوم اور بازگشت سنائی دے گی۔

## کوثر مقام محمود کے معنی میں:

روز محشر شفیع المذنبین ﷺ جس مقام پر فائز ہوکر شفاعت عامہ فرمائیں گے۔ وہ ایسا مقام ہے جس پر فائز ہونے کی تمنا آپ نے فرمائی اور اپنی امتیوں کو اذانوں کے بعد اللہ تعالیٰ سے اپنے لیے اس مقام محمود کے حصول کے لیے دعائیں کرنے کو کہا تا کہ بے شمار گنہگاروں کی بخشائش ومغفرت کی راہ ہموار ہوسکے۔ بھلا کون ہے جو اس مقام عظیم کی گونا گوں بے شمار ظاہری وباطنی خوبیوں اور عظمتوں کو ناپ سکے؟

## کوثر صلاۃ وسلام کی کثرت کے معنی میں:

اگر کوثر کا جستجو کرنے والا اس کو ملاء اعلیٰ میں تلاش کرے تو وہاں بھی اسے لاتعداد فرشتوں کی زبانیں آپ پر درود وسلام بھیجنے میں مشغول نظر آئیں گی اور ان لوگوں پر بھی کثرت کے ساتھ سلامتی ورحمت کی بارش کرتی نظر آئیں گی جو جس جگہ اور جس مقام سے بھی آپ پر درود وسلام کا نذرانہ بھیج رہے ہیں۔ فرشتوں اور انسانوں کی اس کثیر تعداد کا اندازہ

لگانا جو شب و روز درود و سلام میں مشغول ہیں کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔

## کوثر حضور ﷺ کی سنتوں کے معنی میں:

اگر کوثر کا ڈھونڈنے والا زمین کے طول و عرض میں آپ کی پھیلی ہوئی سنتوں کے نقوش تلاش کرے گا تو اسے ہر جگہ کروڑوں انسانوں کی زندگی کے طور و طریقے اور اسلامی انداز و شعار میں اس کا عکس جمیل ضرور نظر آئے گا اور ان کے دل و زبان پر درود و سلام کے نغمے کی گونج اور آپ سے محبت و انسیت کی پیاری آواز ضرور سنائی دے گی۔

## کوثر مظاہر قدرت کی وسعتوں کے معنی میں:

اگر کوثر کا تلاش کرنے والا ساری انسانیت کی بھلائی و خیر خواہی اور مختلف مظاہر کے حسن میں کھوج لگائے تو اسے ہر جگہ آپ ﷺ کی ذات مبارکہ کے فیوض و برکات، احسانات و انعامات کی ایسی لمبی فہرست نظر آئے گی جس کو شمار کیے بغیر انسانیت نیم وحشی بلکہ مردہ نظر آئے گی اور مظاہر قدرت کے ہر چھوٹے بڑے مظاہر آپ کے عظیم احسان و اعتراف نعمت اور اس کی بقا و تحفظ کی ذمہ داریوں کے احساس و توجہ کے بغیر اپنے حقیقی حسن و جمال کی کشش و دل آویزی کی دولت سے یکسر محروم نظر آئیں گے۔

## کوثر سیرت طیبہ کے جملہ کمالات کے معنی میں:

اگر لفظ کوثر کی تحقیق کرنے والا انسانی اخلاق و عادات کے جملہ محاسن اور کمالات کی بلندیوں کو تمام شعبہ ہائے زندگی میں تحقیق کرنا چاہے تو اسے ہر ایک شعبے میں آپ ﷺ کی ذات شریف میں کثرت کے ساتھ خوبیاں ہی خوبیاں نظر آئیں گے۔ ایسی کثیر خوبیاں جن کے پورے جائزے اور شمار تک رسائی کے لیے انسانی عقل عاجز اور درماندہ رہے گی۔

## الکوثر ابتر کے تضاد و تصادم میں:

کوثر (بمعنی کثرت) کا پیارا لفظ جس ابتر (بے نام و نشان) کے مقابلہ میں نازل کیا گیا اگر اس کا ایک سرسری جائزہ لینا ہمیں مقصود ہو تو کیا ہم حضور پاک ﷺ کی ایک صاحبزادی حضرت فاطمہ ؓ کے ذریعہ پوری دنیا میں نسلِ مصطفوی کی کثرت، برکت اور وسعت کا صحیح اندازہ لگا سکتے ہیں؟ کیا آپ ﷺ کی معنوی اولاد امت محمدیہ کی انتہائی کثرت کوثر والے لفظ کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے نہیں ہے؟ بیشک کوثر وہ ہے جس کے فیضان کی کوئی انتہا نہیں۔ یہ تمام خیر و بھلائی اور ختم نہ ہونے والی بہتری پر محیط ہے جو حضور پاک ﷺ کی ذات کے لیے مخصوص ہے۔

**فصلِّ لربک وانحر**: پس آپ نماز پڑھا کریں اپنے رب کے لیے اور (اسی کی خاطر) قربانی دیں

حضرت امام زاہد فرماتے ہیں کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! میں نے آپ کو صاحبزادے کے بدلے میں خیر کثیر اور

امت کی شفاعت جیسی نعمتیں عطا کیں۔ اب نعمت کا شکر ادا کرنا چاہیے اور ان نعمتوں کا شکر دو چیزوں کے ذریعہ ادا کیا جائے۔ ایک تو جسمانی شکر ہو اور دوسرا مالی۔ جسمانی شکر یہ ہے کہ نماز پڑھی جائے اور مالی شکر یہ ہے کہ ہر سال قربانی کی جائے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آپ ﷺ تک کوئی نبی بھی نماز اور قربانی سے خالی نہیں رہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہر امت کے لیے ہم نے قربانی رکھی ہے۔ لہذا قربانی دیجیے۔ حضرت امام مجاہد نے قتادہ اور ابن عباس کے قول کی روشنی میں نماز سے نماز پنجگانہ مراد لی ہے۔

اس سورۃ کی پہلی آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ ﷺ پر اپنی لازوال نعمتیں نچھاور کردیں۔ آپ کے ساتھ اپنی بے پایاں نوازشات اور مہربانیوں کا ایسا خصوصی ذکر فرمایا کہ ویسا ذکر اللہ تعالیٰ کی جانب سے آج تک کسی کے لیے نہیں ہوا تھا۔ اس کے بعد اس دوسری آیت میں ان نعمت کثیرہ کے حصول پر احسان مندی وشکر گزاری کے لیے آپ ﷺ کو منعم حقیقی کی بارگاہ میں نمازوں کے ذریعہ جسمانی شکر کی ادائیگی کی تعلیم فرمائی گئی اور قربانی کے ذریعہ مالی شکر کی ادائیگی کی راہ بتائی گئی۔ ان دو باتوں کا حکم فرما کر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر یہ واضح کردیا کہ اے پیارے حبیب ﷺ! آپ اور آپ کے متبعین ان لوگوں کے طریقے کو اختیار نہ کریں جو کھاتے تو ہیں رب العالمین کے دسترخوان سے پرورش ونشوونما تو پاتے ہیں اس کے احسانات وتوجہ سے۔ دل کی دھڑکنیں تو قائم ودائم ہیں اس کے حکم سے پھر بھی ان کی جبین نیاز جھکتی ہے معبودان باطل کی چوکھٹ پر اور قربانیاں بھی دیتے ہیں بتوں کے نام پر اس لیے آپ ﷺ اور آپ کی متبعین کا شیوہ اور طریقہ کار ان سے الگ اور جداگانہ ہو۔ اے میرے محبوب ﷺ! آپ ان کی روش سے گریز کریں ورنہ یہ بات بڑی ناشکری اور کفران نعمت شمار ہوگی۔

نبی رحمت نے اپنے رب کے حکم پر اس عبد منیب ﷺ نے اس طرح لبیک کہا کہ زندگی کی آخری سانسوں تک اپنے رب کے تمام احسانات کی شکر گزاری کے لیے نمازوں کو اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک بنائے رکھا اور دنیا سے رخصت ہوتے ہوئے اپنی امت کو جو آخری نصیحت فرمائی اس میں اسی نماز کی سختی سے تاکید تھی۔ اس سورہ کے دوسرے حکم پر بھی اس نبی مکرم نے خوب عمل فرمایا۔ سنت ابراہیمی کے مطابق جانوروں کی ظاہری قربانی کو آپ ﷺ نے اپنی امت کے لیے مسنون قرار دیا اور دوسری طرف قربانی کے حکم کو وسیع تر مفہوم میں لیتے ہوئے مسلم امت کے جیالوں کو پہلے اپنے نفس اور خواہشات کی قربانی دینے کے لیے ہمہ وقت تیار رہنے کی تاکید فرمائی، بلکہ بوقت ضرورت اپنے احباب ومخلصین کے درمیان اس بارگاہ عالی جناب میں شکرانے کے لیے استقامت کے ساتھ جان عزیز کی قربانی دینے کی زبردست حوصلہ افزائی بھی فرمائی۔

إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ۔

بیشک آپ کا دشمن ہی بے نام (نشاں) ہوگا)

یہاں پر اصل میں لفظ شانئک استعمال ہوا ہے جو شانئ سے ہے جس کے لغوی معنی مخالف اور دشمن کے

ہیں۔جس کے دل میں بغض وعداوت ہوتو اس کو بھی شانِئٌ (یعنی ایسی عداوت ودشمنی جس کی بناپر کوئی شخص کسی دوسرے کے ساتھ بدسلوکی کرنے لگے)۔سرداران قریش رسول اللہ ﷺ کی دشمنی اور عداوت میں ایسے اندھے ہوگئے کہ آپ پر ہر طرح کے عیب لگاے۔آپ ﷺ کے خلاف بدکلامی کرتے اور آپ کی توہین کرکے اپنے دل کی بھڑاس نکالتے۔قرآن کریم نے آپ ﷺ کو مخاطب کرکے آپ کے انہی کینہ پرور دشمنوں کی طرف اس لفظ میں اشارہ کیا ہے: ھو الابتر ۔

## لفظ ابتر کی لغوی اور معنوی تشریح:

لفظ ابتر: بَتَرَ سے ہے۔بتر کے معنی القطع کسی چیز کو کاٹ دینا۔اہل لغت کے نزدیک وہ مرد جس کا فرزند نہ ہو اسے ابتر کہتے ہیں۔وہ چار پایہ جس کی دم نہ ہو اسے ابتر کہتے ہیں، نیز ہر وہ کام جس کا نیک اثر باقی نہ رہے اسے بھی ابتر کہتے ہیں۔(قرطبی) امام زاہد اپنی تفسیر میں ابتر کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ابتر وہی ہے جس کو خیر کے ساتھ یاد نہ کیا جائے۔

یہ لفظ محاورے میں بہت وسیع معنی میں استعمال ہوتا ہے۔حدیث میں آیا ہے کہ نماز میں وہ رکعت جس کے ساتھ دوسری رکعت نہ پڑھی جائے اسے ابتر کہتے ہیں۔نامراد اور ذرائع وسائل سے محروم بھی ابتر کہلاتا ہے۔مزید یہ کہ جس شخص سے کسی خیر کی توقع باقی نہ رہی ہو اور جس کی کامیابی کی تمام امیدیں ختم ہوگئی ہوں وہ بھی ابتر ہے۔جس آدمی کی اولاد نرینہ نہ ہو یا مرگئی ہو اس کے لیے بھی ابتر کا لفظ بولا جاتا ہے۔جو آدمی اپنے قبیلے سے کٹ کر تنہا رہ گیا ہو وہ بھی ابتر ہے۔

اس سورہ کی پہلی آیت میں اللہ سبحانہٗ تعالیٰ کی جانب سے یہ طے شدہ اعلان ہوگیا کہ آپ ﷺ ابتر، بے اولاد، نامراد اور بے نام ونشان نہیں ہیں بلکہ آپ کی ذات بیشمار خیر اور بھلائیوں کا مجموعہ ہے۔آپ کی ہر ہر ادا و انداز میں حسن و جمال کی عجب نرالی شان ہے۔علم واخلاق، فضل وکمال، عظمت و بزرگی، خاندانی شرافت اور شہرت و نیک نامی کے تمام اوصاف سے آپ کی ذات پوری طرح متصف ہے۔

رسالت ونبوت کی تمام خوبیاں آپ کی ذات پر ختم ہیں۔عشق ومحبت کی خوشبو اور اس کی بہار سدا آپ ہیں۔ اخلاق وللّٰہیت، دعوت وتبلیغ، عبادت وریاضت اور تعلق مع اللہ کی عظیم دولت کا منبع وچشمہ آپ کے علاوہ کون ہے! آپ دونوں جہاں کے لیے شمع محفل اور جانِ رحمت ہوں گے اور فرش سے عرش تک بے شمار رونقیں آپ پر پروانہ وار نثار ہوتی رہیں گی۔عاشقوں کے عشق کی معراج اور عارفوں کے عرفان کے منتہا آپ ہوں گے۔میرے دوستوں کی آہوں اور سسکیوں میں تڑپ اور جذبۂ شوق میں شدت آپ کے نفس گرم وتوجہ خاص سے ہوگی۔قیامت کے روز اپنے اور بے گانے تمام لوگوں کی نگاہوں کے مرکز اور ان کی امیدوں اور آرزوؤں کی آخری پناہ گاہ صرف آپ کی ہی رحمت بھری ذات ہوگی۔ ظاہری ومعنوی اولاد میں ایسی کثرت کہ تمام لوگ روز قیامت آپ پر رشک کناں ہوں، آپ کی ہر ہر ادا پیاری اور ہر روش

مقبول ہوگی۔ خلاصہ یہ ہے کہ آپ کے نام کا ڈنکا قیامت تک ہر جگہ میرے نام کے ساتھ بجتا رہے گا۔ جو اس آواز پر خوش ہو کر لبیک کہے گا وہ خوش نصیب ہوگا اور جو ناخوش ہو کر منہ پھیرے گا وہ ہمیشہ کے لیے ابتـــر نامراد و محروم القسمت ہوگا۔ چنانچہ ابتـــر کے معنی جتنے بھی ہو سکتے تھے قریب قریب ہر ایک معنی کے مطابق سرداران قریش رسول پاک ﷺ کو ابتـــر گردانتے تھے اور اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ خبائث اور مکر و فریب کی باتیں کرنے والوں کی باتوں کو انہی پر عائد کرتے ہوئے تاکید کے ساتھ فرماتا ہے کہ ابتر محمد ﷺ نہیں بلکہ ان کے دشمنان اور مخالفین ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی یہ وعید ان لوگوں کے حق میں بالکل سچ ثابت ہوئی اور ان لوگوں کا نام و نشان دنیا سے مٹ گیا اور حضور اکرم ﷺ کی شہرت پھیلی اور پھیلتی ہی چلی گئی۔ بے شک خیر، حق اور ایمان کی باتوں کو ہی ثبات اور زندگی ہے۔ دعوۃ الی اللہ کی عظیم ذمہ داریوں کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے والی ذات کو ہر ہر گام پر وقتی رکاوٹوں کے باوجود کامیاب و کامراں ہونا ہے۔ اگر ایسی ذات بھلا ابتر ہو جائے گی تو دنیا سے ظلم و جہالت کی جگہ علم و انصاف باطل اور جھوٹ کی جگہ حق اور سچ کا بول بالا کس طرح ہوگا! انہی باتوں کو مشہور مفسر صاحب فی ظلال القرآن یوں بیان کرتے ہیں:

> یقیناً ایمان، حق اور خیر کے کارہائے نمایاں انجام دینے کے لیے یہ ناممکن ہے کہ حضور پاک ﷺ ابتر یعنی بے آوازہ اور بے شہرت ہوں بلکہ ان کی شاخیں لامتناہی طور پر پھیلتی چلی جائیں گی اور ان کی جڑیں اتنی گہری ہوں گی کہ ان کا ختم ہونا محال ہوگا۔ ہاں! خاتمہ تو کفر، باطل اور شر کا لازمہ ہی ہے چاہے وہ عارضی طور پر کتنا ہی پھلے پھولے اور طاقتور معلوم ہو۔

جس وقت سرداران مکہ دشمنان رسول نعوذ باللہ پورے جزیرۃ العرب میں آپ کے ابتـــر ہونے کا پرزور پروپیگنڈہ کر رہے تھے تاکہ آپ کی دعوت اور اس کی خوبیاں اس میں دب کر رہ جائیں اور پھیلیں نہیں، ایسے حالات میں قرآن پاک کی یہ زبردست پیشین گوئی کہ 'اے نبی ابتر تم نہیں ہو بلکہ تمہارے دشمن ابتر ہیں' حرف بہ حرف سچ ثابت ہوئی حالانکہ جس وقت یہ پیشین گوئی کی جاری تھی اس وقت باطل پروپیگنڈہ کی وجہ کر کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ مکہ کے یہ بڑے بڑے نامور سرداران ہی ابتر ہو جائیں گے، جو اپنی حربی، مالی، افرادی قوت اور کعبۃ اللہ کے منتظم کار ہونے کی وجہ کر ایک خاص مذہبی و سیاسی حیثیت کے مالک اور پورے جزیرۃ العرب میں اپنے اثر و رسوخ، نسلی تفوق اور وسیع تجارتی تعلقات کی وجہ کر نامور، کامیاب اور زبردست طاقت کے حامل سمجھے جاتے تھے لیکن دیکھتے ہی دیکھتے چند سالوں میں ان کے حالات یکسر بدل کر رہ گئے۔

تاریخ اسلام کا مطالعہ کرنے والا جب اس دور کی تاریخ پر نظر ڈالتا ہے تو اسے یہ جان کر بے حد حیرت ہوتی ہے کہ غزوۂ احزاب (5ھ) میں قریش کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے انہی کے زیر قیادت مختلف عرب و یہودی قبائل کا لشکر جرار مدینہ پر حملہ آور تھا اور قریب تھا کہ مدینہ کے مسلمانوں کو نگل جائے گا۔ ایسے پر آشوب اور پرخطر موقع پر حضرت سلمان

فارسیؓ کے مشورے سے آپ ﷺ کو شہر کے گرد خندق کھود کر مدافعت کرنی پڑی تھی۔ اس کے ٹھیک تین سال کے بعد ہی وہ وقت آیا جب آٹھ ہجری میں آپ فاتحانہ انداز سے مکہ مکرمہ میں دس ہزار مسلمانوں کی جمعیت لے کر داخل ہوئے اور اس وقت کفار قریش کا کوئی حامی و مددگار نہیں تھا۔ سبھوں کو آپ کے سامنے ہتھیار ڈال کر اطاعت قبول کرنے کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں تھا۔ فتح مکہ کے ایک سال بعد تو پورے جزیرۃ العرب میں آپ کی شہرت و عظمت کا ڈنکا بجنے لگا اور ہر طرف آپ کی دعوت کے تذکرے ہونے لگے۔ قبیلۂ عرب کے وفود جوق در جوق مدینہ منورہ کی طرف رواں، دواں تھے اور سبھوں کی گردنیں آپ ﷺ کی غلامیٔ محبت کی اسیر تھیں اور ان کی زبانیں آپ کے اخلاق، پاکیزگی، شرافت، بزرگی اور مروت کی قائل اور معترف۔ ان باتوں کے سوا یہ کہ آپ ﷺ کے سخت جانی دشمن کچھ تو آپ سے جنگ کرتے ہوئے مارے گئے اور جو بچ رہے وہ ایسے بے بس، بے یار و مددگار اور بے نام و نشان ہوئے کہ آج دنیا میں کوئی تلاش کرنا بھی چاہے تو ان کی اولاد اور نسل کا پتا نہیں لگا سکے گا اور اگر وہ موجود بھی ہوں گے تو احساس ذلت و شرمندگی سے کسی میں اتنی جرأت نہیں کہ اپنا رشتہ ان دشمنانِ رسول سے جوڑ سکے، اور دنیا کے سامنے سینہ تان کر فخریہ اعلان کر سکے کہ وہ عقبہ بن معیط، عاص بن وائل، ابو لہب، ابوجہل، عتبہ اور شیبہ کی یادگار اور ان کی اولاد ہے۔ لیکن اس کے برخلاف دنیا میں جو عزت و شہرت، عظمت و بزرگی اپنے اور بیگانے دونوں حلقوں میں آپ کی ہے اس کے بارے میں کیا کہنا! دنیا کے چپے چپے پر آباد مسلمانوں کی ان گنت تعداد صبح و شام میں نہ جانے کتنی بار آپ پر درود و سلام کا نذرانہ بھیج کر آپ کی عظمت کو سلام اور اپنی سعادتمندی و نیک بختی میں اضافہ در اضافہ کی دعا و تمنا میں مشغول ہے۔ ذرا اس معاملے میں غور تو کیجیے کہ صرف حضور پاک ﷺ کی صاحبزادی حضرت فاطمہ زہرا سے چلی نسل پاک کی برکت و انتہا کو شمار کرنا ممکن ہے؟ کیسے کیسے اولیاے اللہ، بزرگان دین اس نسل میں پیدا ہوئے۔ اُن کی عزت و بزرگی کے رکارڈ کے لیے ایک دفتر چاہیے۔ آج بھی آپ کی نسبی اولاد دنیا کے گوشے گوشے میں پھیل کر آپ ﷺ سے اپنے انتساب کو موجب نجات و باعث سعادتمندی تصور کرتی ہے۔ آپ تو آپ، آپ کے غلاموں کی اولادیں بھی خوب پھلی پھولیں۔ کوئی صدیقی ہے تو کوئی فاروقی، کوئی عثمانی ہے تو کوئی زبیری و انصاری اور سبھوں کو آپ سے اپنی اس نسبت کی سعادت کا فخر حاصل ہے لیکن ڈھونڈنے سے بھی کوئی ابولہبی اور ابوجہلی نہیں ملے گا۔ آپ کی معنوی اولاد جس کو ہم مسلم امت کہتے ہیں دنیا کے کس ملک اور شہر میں نہیں ملے گی؟ ہر ہر جگہ ان کی آواز اور شہادتِ اذان سے بام و در گونج رہے ہیں۔ بیشک یہ سب انا اعطینک الکوثر کا صدقہ اور قادر مطلق کے فیصلے ورفعنالک ذکرک کی صدائے بازگشت کا زندہ جاوید اثر ہے۔

❁❁❁

> وہ علم جس سے کہ اوروں کو فائدہ نہ ہوا
>
> ہمارے آگے برابر ہے وہ ہوا نہ ہوا

جناب التفات امجدی

خانقاہ امجدیہ شریف

اسٹیشن روڈ، سیوان، پن کوڈ-841226(بہار)

# نعت پاک

شریعت نہ ہوتی طریقت نہ ہوتی ❁ نبوت نہ ہوتی امامت نہ ہوتی
یہ سجدہ نہ ہوتا عبادت نہ ہوتی ❁ زمیں آسماں کی ضرورت نہ ہوتی
یہ نور محمدؐ کی ہے سب کرامت
کھلا راز سب پہ ہوئی جب ولادت

نہ قرآن ہوتا نہ تفسیر ہوتی ❁ نہ تقریر ہوتی نہ تحریر ہوتی
کوئی خواب ہوتا نہ تعبیر ہوتی ❁ نہ مہتاب ہوتا نہ تنویر ہوتی
محمدؐ کے دم سے دو عالم ہے روشن
پسینے سے ان کے معطر ہے گلشن

جہاں میں ہیں وہ مرکز علم و حکمت ❁ انہیں سے ہے قائم فضائے محبت
رسول خدا ہیں سراپائے رحمت ❁ انہوں نے بتائی ادائے عبادت
جلایا دلوں میں چراغ صداقت
یہ فیض نبیؐ ہوگئی دور ظلمت

اک اک گوشہ حق معطر نہ ہوتا ❁ کبھی خانۂ دل منور نہ ہوتا
گلستاں میں رحمت کا منظر نہ ہوتا ❁ تصوف کا پہلو اُجاگر نہ ہوتا
صداقت کے ہر سو اجالے نہ ہوتے
مے معرفت پینے والے نہ ہوتے

محمدؐ ہی ہیں اعتبار شریعت ❁ انہیں انس و جن سے ہے یکساں محبت
وہ آئے ہیں بن کر سراپائے رحمت ❁ وہی تو ہیں ظلمت میں شمعِ ہدایت
یہی کہہ رہے ہیں ہواؤں کے تیور
کرم ان کا ہے التفاتِ حزیں پر

❁❁❁

حضرت سید شاہ شمیم الدین احمد منعمی
سجادہ نشیں، خانقاہ منعمیہ قمریہ، میتن گھاٹ، پٹنہ سیٹی
صدر شعبۂ عربی، اورینٹل کالج، پٹنہ سیٹی

# ترجمہ تفسیر زاہدی

حضرت امام زاہد شیخ ابونصر احمد بن الحسن بن احمد سلیمانی الدرواجکی کی **تفسیر زاہدی** (519ھ) فارسی زبان میں تفسیری ادب کا بہت گرانمایہ سرمایہ ہے۔ اس کا اردو ترجمہ سب سے پہلے شائع کرنے کا شرف سہ ماہی **انوارِ مخدوم** کو حاصل ہوا ہے۔ اس کی چار قسطیں ہم پہلے پیش کر چکے ہیں۔ ادارہ۔

## البقرہ

### آیت: 22-21

**یا ایّھا الناس اعبدوا ربّکم الّذی خلقکم والذین من قبلکم لعلکم تتقون o**

اے لوگو! اپنے رب کی پرستش کرو جس نے تم لوگوں کی تخلیق کی اور ان کی تخلیق کی جو تم لوگوں سے قبل تھے تاکہ اس کی عبادت سے متقی ہو جاؤ اور اپنے آپ کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔

اس سورہ کے شروع سے لے کر یہاں تک تین طرح کے لوگوں کا ذکر ہوا ہے۔ مومنین، مشرکین اور منافقین اور اب اس آیت کے ذریعہ عام بندوں کو حکم دیا گیا۔ اگر اس آیت کو مشرکوں کے حق میں سمجھیں تو اس سے حکم توحید مراد ہے یعنی وحدوا ربّکم الذی ھو خالقکم وخالق من مضیٰ قبلکم۔ (تم لوگ اپنے رب کو ایک جانو کہ وہی وہ ہے جس نے تم لوگوں کو خلق کیا اور وہی تم لوگوں سے پہلے گذر جانے والوں کا خالق ہے۔ اور اگر اسے منافقوں کے حق میں جانیں تو اس میں حکم اخلاص ہے یعنی اخلصوا لربکم (اپنے رب کے ساتھ سچے اور مخلص ہو جاؤ)۔ اور اگر اس آیت کو مومنوں کے حق میں مانیں تو حکم عبادت ہے۔ یعنی اطیعوا ربکم (اپنے رب کے مطیع ہو جاؤ)۔ غرضکہ اے کافر! ایمان لے آؤ، اے منافق! مخلص ہو جاؤ اور اے مومن! فرماں بردار بن جاؤ۔

## یاایُّھا

جان لو کہ یا حرف ندا ہے۔جس اسم کے شروع میں الف اور لام نہیں ہوگا اسے مفرد پکاریں گے مثلاً یا رجل (اے مرد)، یا آدم (اے آدم)، یا نوح (اے نوح) یا ابراھیم (اے ابراہیم) اور جب اسم کے شروع میں الف اور لام ہوگا تو اسے ایُّھا کے ساتھ پکاریں گے مثلاً یا ایُّھا الرجل، یا ایھا الرّسول، یاایھاالانسان اور اسم نکرہ کے ساتھ الف اور لام گر جائے گا جیسے رجل، رسل، عالم۔ پھر جب اسم علم (نام) کے ساتھ استعمال ہوگا تو اس طرح نہیں پکاریں گے یا ایھاعمر، یا ایھازید ۔ یا حرف ندا ہے اور ای اسم منادی ہے جب کہ ھا مخاطب کے لیے تنبیہ کا کلمہ ہے۔

## النّاس

الناس اسم عام ہے۔اس سے تمام اولاد آدم مراد ہیں۔ عاقل بھی اور غیر عاقل بھی، چھوٹے بھی اور بڑے بھی۔ لیکن یہاں مراد عاقلین (صاحبان عقل وفہم) اور بالغین (بالغ عمر والے) سے ہے نہ کہ دیوانوں اور بچوں سے۔

الناس کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ نسیاں سے مشتق ہے۔ یہ آدمی کا نام ہے اور اس کی صفت سے مشتق ہے جیسا کہ اللہ تعالی فرماتا ہے:

ولقد عھدنا الی آدم من قبلُ فنسِیَ ولم نجدْ لہٗ عزمًاo(طٰہٰ:115)

(اور بے شک ہم نے آدم کو اس سے پہلے ایک تاکیدی حکم دیا تھا تو وہ بھول گیا اور ہم نے اس کا قصد نہ پایا)

اس لیے ان کی اولاد نسیاں سے موسوم ہوگئی کیوں کہ اس کے لیے النسیان (بھولنے) کی صفت مقدر کی گئی ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ الناس ایناس سے مشتق ہے جیسا کہ اللہ تعالی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصے میں بیان فرمایا ہے: انی آنست نارا (مجھے ایک آگ نظر پڑی ہے) یعنی میں نے اسے دیکھا۔ آدمی کو اس خاص وضع اور قطع کے ساتھ پیدا کیا ہے کہ جو چیز بو سے عاری ہے جن کے برخلاف اسے بھی دیکھ لیتا ہے۔

## الّذی خَلَقَکُمْ

اپنے قول الذی خلقکم کے ذریعہ بھی ان لوگوں پر حجت قائم کی گئی ہے کیوں کہ عرب اللہ تعالی کے خالق ہونے کا اقرار کرتے تھے۔ اس طرح ان پر یہ احتجاج درست کیا جا رہا ہے کہ جب تم اقرار کرتے ہو کہ تمام بتوں کے مقابلے میں خالق صرف اللہ ہے تو سارے بتوں سے علیحدہ ہو کر صرف اسی کی پرستش کرو۔

## والذین من قبلکم

یعنی تمہارے آبا و اجداد کو میں نے پیدا کیا اور وہ سب مر گئے۔ اسی طرح تم بھی مر جاؤ گے، اس لیے اس سے

پہلے کہ تم بھی مر جاؤ میرے وحدہٗ لاشریک ہونے کا اقرار کرو اور صرف میری پرستش کرو۔

## لعلکم تتقون

لعل کا کلمہ ایسے شک کے لیے استعمال ہوتا ہے جو درست اور صحیح ہو اور اس مقام پر شک درست نہیں کیوں کہ اللہ پاک کے ساتھ شک کا احتمال ماننا کفر ہو جائے گا لیکن یہاں لعلّ بہ معنی کی (تا کہ) ہے یعنی تا کہ تم متقی ہو جاؤ اور بصریوں کے مطابق یہاں پر لعلّ امیدورجا کے معنی لیے ہوئے ہیں یعنی تم لوگ ایسے امیدوار بن کر اپنے رب کی عبادت کرو کہ تمہاری عبادت تمہارے رب کے عذاب سے تمہیں بچالے۔

## الّذی جعل لکم الارض فراشا والسّماء بناءً

یعنی اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے زمین کو پیدا کیا اور اسے تمہارے لیے فرش اور بساط بنا دیا تا کہ اس پر اپنی ضرورت کے لیے چلو پھرو اور آسمان کو تمہارے لیے بنا کر دیا۔ اسے تمہارے اوپر رکھا اور تمہاری چھت بنا دیا۔

جعل قرآن کریم میں کئی وجوہات کی بنا پر آیا ہے مثلاً خلق کے معنی میں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے وجعل الظلمات والنور (تاریکی اور نور کو خلق کیا)۔ جعل وصف کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے جیسا کہ فرمایا ویَجعلون لِلّٰہِ البنات (اور وہ لوگ اللہ کو بیٹوں کے ساتھ متصف کرتے ہیں) فلا تجعلوا لِلّٰہِ اندادا (اللہ کو ہمسروں کے ساتھ متصف نہ کرو)

معتزلہ کہتے ہیں کہ قرآن کریم میں ہر جگہ جعل بہ معنی تخلیق آیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان انا جعلناہ قرآناً عربیا کے معنی ہیں کہ بے شک ہم نے قرآن کو عربی میں خلق کیا اور ان کا ایسا سوچنا اس آیت کریمہ ویجعلون للہ البنات سے باطل ہو جاتا ہے کیوں کہ یہاں یجعلون کی ضمیر مشرکین کی طرف پلٹ رہی ہے اور ان کے ذریعہ تخلیق کا سوال نہیں اٹھتا ہے۔

بعض کے نزدیک یہ فرمان کفار کو بطور حجت پیش کیا گیا ہے جن کا شعار زمینی چیزوں کی پرستش ہے اور ان کے لیے ہے جو آسمانی چیزوں کی پرستش کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آسمان اور زمین میری ملکیت ہیں پھر وہ کس طرح ملکیت ہو کر میری عبادت میں شریک ہو سکتے ہیں اور بعض کے نزدیک یہ فرمان بطور عید نازل ہوا ہے یعنی یہ آسمان و زمین میری ملک ہیں اگر میں چاہوں تو اسے تمہارے ساتھ دھنسا دوں اور اگر میں چاہوں تو یہ آسمان تم لوگوں پر توڑ ڈالوں جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:

**افلم یروا الی مابین ایدیھم وما خلفھم من السماء والارض۔(السبا:9)**

(تو کیا انہوں نے نہ دیکھا جو ان کے آگے اور پیچھے ہے آسمان اور زمین۔ ہم چاہیں تو انہیں زمین میں دھنسا دیں یا ان پر آسمان کا ٹکڑا گرا دیں)

## فانزل من السماء ماء رزقالکم فاخرج بہ من الثمرات رزقالکم

اور آسمان سے پانی و بارش بھیجا جس کے ذریعہ طرح طرح کے پھل اور میوے آگائے اور تمہارے لیے روزی مہیا کی۔

اور تم دوسروں کو اس اللہ کا شریک بنا رہے ہو حالانکہ تم جانتے ہو کہ کوئی اس کا شریک و مانند اور مثل نہیں۔

## فاخرج بہ من الثمرات رزقالکم

اسی اللہ نے ایسے پھل نمودار کیے جو تمہارے لیے اسباب روزی ہیں۔ یہ گویا عطیۂ الٰہی ہے جس میں تمہارے لیے غذا بھی ہے اور ملکیت بھی ہے۔ القفال رحمہ اللہ کے مطابق تم لوگوں کے لیے رزق کے معنی تم لوگوں کے لیے کھانا اور الثمرات کا الف لام اس بھلائی و احسان کی خصوصیت کو ظاہر کرنا ہے جو حضور نبی کریم ﷺ کی اس روایت سے واضح ہوتی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جب اللہ پاک نے آدم علیہ السلام کو اس دنیا میں اتار دیا تو انہیں تمام صنعت اور حرفت سکھا دیا اور جنت کے پھل اور میوے بطور زاد و توشہ عطا فرمایا تو تمہارے یہ سب پھل اور میوے جنت کے پھلوں میں سے ہیں، لیکن فرق اتنا ہے کہ جنت کے پھل خراب اور برباد نہیں ہوتے۔

## فلا تجعلوا للہ اندادا

اللہ پاک کو کسی مثال اور کسی شریک سے متصف مت کرو۔ ابن عباس اور حسن رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ ند، جس کی جمع انداد آتی ہے، سے مثل مراد ہے جب کہ مجاہد و عکرمہ و ابن عباس ﷺ کے نزدیک فلا تجعلو اللہ اندادا سے یہ مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی دوسرے پر اعتماد و بھروسہ اور توکل نہ کرو بلکہ صرف اللہ پر توکل کرو۔

## وانتم تعلمون

تم سب جانتے ہو کہ بلاشک وشبہ اللہ تعالیٰ واحد ہے۔ کوئی اس کا شریک نہیں جیسا کہ اس تعالیٰ نے اپنی نازل کی ہوئی کتابیں تورات و انجیل اور دوسری کتابوں میں بار بار بتایا ہے۔

حضرت سید شاہ شمیم الدین احمد منعمی

# انوارِ حدیث

**عن ابی ھریرۃ انّہ قال من ابطأبہ عَمَلُہٗ لَمْ یُصْرِع بِہٖ نَسَبُہٗ**

علامہ رضی الدین حسن الصغانی رحمۃ اللہ علیہ نے مشارق الانوار میں یہ حدیث پاک صحیح مسلم سے نقل فرمائی ہے کہ حضرت ابو ہریرہ ﷛ روایت فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس کے عمل نے (آخرت میں) اس کا ساتھ دینے میں دیر لگائی اس کے ساتھ اس کا نسب بھی جلدی نہیں کر سکے گا۔

اصلیت، نسب رشتہ اور تعلق مفید بھی ہے اور نقصان دہ بھی۔ اگر کسی کا نسب اسے اعمال نیک کی طرف راغب کرتا ہے اور بداعمالیوں سے محفوظ رکھتا ہے نیز بے عملی سے حیا دلاتا ہے ساتھ ہی ساتھ جس سے وہ اپنا نسب جوڑتا ہے اس کے مقابلے میں اپنی کم مائیگی اور تہی دامنی کا احساس دلاتا ہے تو اس کا نسب اس کے لیے مفید، کارآمد اور نعمت۔ الحمدللہ علی ذلک! لیکن اگر نسب کا غرور عمل کی جڑوں کو ہلا دیتا ہے، بے عملی میں مبتلا کرتا ہے اور دوسروں کو حقیر اور خود کو بے نظیر ماننے کی ترغیب دلاتا ہے تو اس کے لیے اس کا نسب طاغوت اور شیطان کا راز ہے۔ نعوذ باللہ منہ ذالک!

اس حدیث پاک میں یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ عمل کو نسب پر فوقیت ہے۔ عمل کے بغیر نسب غیر مفید اور عبث ہے۔ حضرت نوح ﷵ کے بیٹے کے بارے میں باری تعالیٰ کا فرمان بالکل صاف ہے کہ جب حضرت نوح ﷵ نے طوفان کی شدت کو دیکھتے ہوئے اپنے نافرمان ضدی بیٹے کے لیے اللہ تعالیٰ سے امان طلب کی تو یوں جواب آیا:

انّہٗ لَیْسَ مِنْ اَھْلِکَ ۚ انّہٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ

(وہ تیرے گھر والوں میں نہیں، بے شک اس کے کام بڑے نالائق ہیں، ھود:46)

بندگی باید پیمبرزادگی منظور نیست۔ نسب عمل کے ساتھ معتبر ہے ورنہ ناقابل قبول۔ حضرت مخدوم جہاں قدس سرہ اسی حدیث کی ترجمانی کرتے ہوئے فرماتے ہیں ؎

شرفا گور ڈراون تس اندھیاری رات ◉ واں نہ پوچھے کوئی تمہاری جات

نسبی غرور و تکبر نے بالخصوص عربی سماج کو اور بالعموم سارے انسانی سماج کو جتنا نقصان پہنچایا اس کی اصلاح پر قرآن و حدیث کی پوری توجہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے عزت و بزرگی کا انمٹ اصول بالکل واضح کر دیا ہے کہ اِنّ اکرمکم عند اللّٰہ اتقکم (بے شک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سے زیادہ پرہیزگار ہے۔ الحجرات:13)

ایسے لوگ جو نسب پر تکیہ کیے بے عملی و بدعملی کی دنیا میں جیتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ کل قیامت میں ان کا نسب انہیں منظور و محفوظ بنا دے گا انہیں اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ اگر پرسش کے وقت عمل کا سرمایہ بروقت پیش نہ ہو سکا تو نسب مجبور و بے کس ہو جائے گا۔

◉◉◉

حضرت سید شاہ شمیم الدین احمد منعمی

# ترجمہ مخ المعانی

## ملفوظات

حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیریؒ (م 782ھ)

## جامع و مرتب

حضرت زین بدر عربی رحمۃ اللہ علیہ

# مجلس-7

چودھویں کی رات تھی۔ افطار کے بعد نظر مبارک چاند پر ڈالی۔ چاند کو کہاں یہ مجال تھی کہ آپ کے آفتاب نظر کے سامنے ٹھہرتا، چنانچہ شرم وحجاب سے بادل کی اوٹ میں جا چھپا۔ پھر اس طرح فرمایا کہ اگر چہ چاند آج کی رات اپنے کمال پر پہنچا ہوا ہے لیکن آفت سے خالی نہیں ہے۔ باوجود اپنے کمال کے اس آفت کی وجہ کر اس کے فائدے اور اثرات میں بھی نقصان ظاہر ہوا ہے۔ اسی طرح ہر ایک مراد اور مطلب کے ساتھ آفت ہے۔ اگر چہ اپنے آپ میں کامل و مکمل ہے لیکن آفت کے سبب ناقص ہے۔ اسی طرح نماز کے ساتھ آفت ہے، روزے میں آفت ہے، صدقہ بھی آفت سے خالی نہیں اور زہد و تقویٰ بھی پُر آفت ہے۔ یہاں تک کہ اس جہاں کے تمام کام اگر چہ اپنے آپ میں خود کامل ہیں لیکن آفت کی وجہ کر ناقص ہیں ہر فائدے کا مقصود چونکہ انہیں چیزوں سے تعلق رکھتا ہے اس لیے وہ بھی آفت سے خالی نہیں۔ اَلشَّیُٔ اِذَا خَلَا عَنْ مَقْصُوْدِہٖ فَسَدَ (جو چیز اپنے مقصود و مطلوب سے ہٹ جاتی ہے ناقص ہو جاتی ہے۔)

اسی طرح ایمان تک پہنچتے ہیں۔ ایمان کیا ہے؟ تمام احکام، فوائد اور ثمرات کہ جس کا تعلق ایمان سے ہے، سب کا (زبان سے) اقرار اور (دل سے) تصدیق۔ یعنی تمام احکام کی تعمیل اور تمام مناہوں سے پرہیز، ہر ایک چیز میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی (مرضی کی) موافقت اور ہر چیز میں مخالفت حق سے دور رہنا۔ کتابوں کے مطابق اس کے بعد ہی مومنوں کے حق میں مکاشفات ومشاہدات، قرب وکرامات کے دروازے کھلتے ہیں۔ یہ سب وعدے ہیں۔ کیا پتہ آج کے لیے یا کل کے لیے۔ جب اسے حاصل نہیں کر پاتے تو کہتے ہیں کہ وہ چیز گویا ہے ہی نہیں اور فقہا کے نزدیک بھی یہی ہے مگر، متصوفین کے نزدیک گویا کہ ایمان ہی موجود نہیں ہے۔ فقہا کے نزدیک یہ عبادت گویا نہ کے برابر ہے۔ کچھ صوفیہ کے نزدیک اس کا وجود ہی عدم ہے اور اس کی اصل ان کے نزدیک یہ ہے کہ ہر فعل جسے اس کا قول جھٹلا رہا ہو جھوٹ ہے۔ اس لیے جب زبان سے اقرار کیا اور دل سے تصدیق کیا پھر اگر اس کا فعل، قول سے مخالف ہے تو اس کا سارا عمل اس کے قول کو

جھٹلا رہا ہے۔ اس لیے جب زبان سے اقرار کیا اور دل سے تصدیق کی، پھر اگر اس کا فعل، قول سے مخالف ہے تو اس کا سارا عمل اس کے قول کی وجہ سے جھوٹا ہو گیا۔ اس لیے یہ قول کی وجہ بھی جھوٹ ہوا اور اس کا ظاہری اقرار بھی بیکار گیا۔ صوفیہ اپنے اس عقیدے کے لیے اس آیت کو دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں کہ حق سبحانہ و تعالیٰ کلام مجید میں فرماتا ہے:

اذاجآء ک المنافقون قالوانشهد انک لرسول الله والله يعلم انک لرسوله والله يشهد ان المنافقين لكذبون ٥(المنٰفقون:1) (جب منافق آپ ﷺ کے سامنے حاضر ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ ﷺ بے شک اللہ کے رسول ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ آپ ﷺ اس کے رسول ہیں اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ منافق ضرور جھوٹے ہیں)

اگر چہ منافقوں نے کہا کہ آپ رسول خدا ہیں اور یہ بات در حقیقت درست بھی ہے اور مکمل بھی ہے لیکن چوں کہ ان کا فعل اور کردار ان کے اس اقرار کی ضد اور مخالف تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں جھوٹا فرمایا، اس لیے یہ پتا چلا کہ ہر وہ قول، عمل جس کے خلاف ہو، جھوٹا ہے۔ یہی حکم اس آیت پاک سے نکالتے ہیں۔ چنانچہ یہ پتا چلا کہ یہ عمل ہی ہے جو ہر کسی کے قول کے سچے یا جھوٹے ہونے کا پتا دیتا ہے۔ اگر فعل قول کو جھٹلا رہا ہے تو وہ سچا نہیں ہے اور اگر فعل اس کے قول کی تصدیق کر رہا ہے تو وہ صادق ہے۔ لہٰذا یہاں سے یہ معلوم ہوا کہ سچا وہ ہے کہ جس کا عمل اس کے قول کی تصدیق کر رہا ہو۔

اس کے بعد فرمایا کہ ایک مکتوب میں حضرت عین القضاۃ (ہمدانی) نے لکھا ہے کہ آدمی کا سارا فتور ایمان کے معاملے میں ہے۔ کیا ایسی بات نہیں ہے کہ تم کو اپنے مومن ہونے پر غرور ہے حالاں کہ تم اس آیت کو بھول گئے ہو۔

ومن الناس من يقول امنا بالله وباليوم الاخر و ماهم بمومنين٥(البقرة :8)
(اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان لائے حالانکہ وہ ایمان والے نہیں)

حضرت مخدوم عظمه الله جب اس حرف تک پہنچے تو فرمایا کہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ ایسا حکم از روے اعتبار فرمایا گیا ہے تا کہ موصوف کی نفی صفت تک نہ پہنچے یا پھر اس حکم سے حقیقت مراد ہو گی کہ یہ نهيس از روے شریعت نہیں مراد ہے۔ یہ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ نهيں سے کیا مراد ہے۔ بعض صوفیہ فرماتے ہیں کہ ليس فى القرآن ذكر الاعداءِ یعنی قرآن میں دشمنوں کا ذکر نہیں ہے۔ اس کے باوجود قرآن کریم میں فرعون اور اس طرح کے دوسروں کا ذکر موجود ہے، چنانچہ سمجھ لو کہ قرآن میں دشمنوں کا ذکر دشمنوں کے واسطے نہیں ہے بلکہ دوستوں کے لیے ہے تا کہ محبت کرنے والے جان لیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر کیا نگاہ کرم فرمائی ہے۔ اس لیے دشمنوں کا ذکر مقصود نہیں ہے اور جو مقصود نہیں ہے اس کا ہونا اور نہ ہونا دونوں برابر ہے۔

# مجلس-8

زمیں بوسی کی سعادت نصیب ہوئی استفتاح کا دن تھا۔ خواجہ کریم الدین عوض نے عرض کی کہ اس دن کو مریم روزہ کہاں سے کہتے ہیں؟ مخدوم عظمه الله نے فرمایا کہ وسیلة القلوب میں یہ قصہ تحریر ہے کہ ایک شہر میں ایک بیوہ عورت اپنے بیٹے کے ساتھ رہتی تھی۔ اس کا بیٹا غائب ہو گیا اور برسوں وہ اس کی یاد میں تڑپتی رہی۔ اس شہر میں ایک بزرگ تھے۔ وہ عورت ان کے پاس گئی اور بیٹے کے غائب ہو جانے کے بعد اپنی محرومی اور بربادی کا ذکر ان سے کیا۔ رجب کا مہینہ تھا۔ اس بزرگ نے اس عورت سے فرمایا کہ 15 رجب کو روزہ رکھو اور دعا کرو۔ چنانچہ اس نے ویسا ہی کیا اور اس کی دعا قبول ہوئی۔ اس عورت کا نام مریم تھا۔ اسی سبب سے اسے مریم روزہ کہتے ہیں۔ اسی وقت حاضرین مجلس میں سے کسی کو چھینک آئی۔ اس نے زور سے کہنے کے بجائے بڑی پوشیدگی کے ساتھ الحمدللّٰہ کہا۔ حضرت مخدوم عظمه الله نے فرمایا کہ آہستہ کہنا بھی آیا ہے۔ واللّٰہ اعلم! یاد آتا ہے کہ کہیں ایسی تحریر دیکھا ہے کہ خاموشی کے ساتھ الحمدللّٰہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ جیسے ہی کوئی چھینک والے کے منہ سے الحمدللّٰہ سنتا ہے، سننے والے پر حمد و ثنا واجب ہو جاتی ہے، اسی لیے اسے پوشیدہ رکھتے ہیں تاکہ سننے والے پر ثنا واجب نہ ہو جائے، کیوں کہ اگر کوئی چیز واجب ہو گئی تو اس وجوب سے عہدہ برآ ہونا سب کے لیے دشوار ہو جائے گا۔ اور یہی وجہ نذر و فتوحات کے نہ قبول کرنے کی بھی ہے کہ اگر قبول کرتے ہیں تو پہلی بات یہ کہ حساب کے زمرے میں آجاتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ جب لے لیا تو پتا نہیں کہ اس کے خرچ کی توفیق بھی عطا ہوئی یا نہیں۔ اور اگر اسے خود سے دور کر دیا تو پتا نہیں کہ مصرف اور موقع درست تھا یا نہیں۔ اگر غلط جگہ اور غلط مصرف میں صرف ہوا تو اسراف کے زمرے میں آ گیا، لیکن حضرت فقیہ ابواللیث کی کتاب بستـــــان میں اسی طرح آیا ہے کہ یستحب للرجل العاطس ان یخفض صوته بالعطس و یرفع صوته بالتحمید یسمع الناس۔ یعنی چھینکنے والے کے لیے مستحب ہے کہ اپنی چھینک کی آواز کو پست کرے اور حمد الٰہی کو بلند کرے تاکہ لوگ سن لیں۔ اس سے یہ پتا چلا کہ حمد بلند آواز سے کرنا مستحب ہے۔

شیخ معز الدین نے عرض کی کہ ایک جگہ یہ حدیث لکھی ہوئی دیکھی کہ قال علیه السلام من سبق العاطس بالحمد امن من اللوص والبیوص والعلوص۔ اس کے کیا معنی ہوئے؟ حدیث میں اس کی صحت نظر نہیں آتی کیوں کہ چھینکنے والے پر شکر واجب ہوتا ہے۔ دوسرے پر سبقت کا کیا اثر ہوگا؟ اور اگر یہ حدیث صحیح ہے تو شاید اس کے معنی یہ ہیں کہ حمد کرنے والا چھینکنے والے کے لیے حمد کو بجالانے کے لیے یاد دہندہ ہو جائے، کیوں کہ اس بات کا احتمال ہے کہ چھینکنے والا حمد کو بھول گیا ہو اور شکر نہیں بجالا رہا ہو اور جب کسی نے حمد میں اس سے سبقت کی تو اس کو یاد آ گیا۔

اس بیچارے نے لوص، بیوص اور علوص کے معنی بتانے کی درخواست کی۔ ارشاد ہوا کہ بیوص کے معنی دانتوں کا

درد، لوص کے معنی کان کا درد۔ اور علوص سے پیٹ کا درد مراد ہے۔ آپ کے مریدوں میں سے ایک خواجہ شمس الدین پروانہ نویس نے عرض کی کہ چھینکنے والے کے لیے شکرادا کرنے کا کیا موقع ہے؟

ارشاد فرمایا کہ اس کی دو وجہ ہے۔ پہلی وجہ یہ کہ چھینک صحت کی دلیل ہے اور صحت بذات خود ایک بہت بڑی نعمت کی دلیل ہے اور نعمت کے لیے شکر واجب ہے، اسی لیے یہ شکر بجالایا جاتا ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کے جسم مبارک میں روح داخل کی گئی تو روح نے قرار نہیں پکڑا بلکہ جسم سے باہر ہونے لگی یہاں تک کہ ناک تک پہنچ گئی تھی کہ یکا یک آدم علیہ السلام کو چھینک آئی۔ انہوں نے گمان فرمایا کہ روح جسم سے باہر ہوگئی، پھر جب معلوم ہوا کہ روح اندرون جسم موجود ہے تو زبان مبارک پر الحمدللہ (ساری تعریفیں اور شکرانہ اللہ کے لیے ہے) جاری ہوگیا۔ حضرت جبریل علیہ السلام سامنے حاضر تھے، بول اٹھے: یرحمک اللہ (اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے!) اس طرح یہ حضرت آدم علیہ السلام کی سنت ہے جو آپ کی نسل میں باقی ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ حدیث میں ہے کہ جب مومن نے چھینکا اور الحمدللّٰہ رب العالمین کہا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے تمام گناہوں کو بخش دیا اور جنت میں اس کے نام سے ایک درخت لگا دیا گیا اور غلام کے آزاد کرنے کا ثواب اس کے نامۂ اعمال میں لکھ دیا گیا اور جب دوسری بار چھینکا اور بول اٹھا: الحمدللّٰہ رب العلمین تو اس کے ماں باپ بخش دیے گئے اور جب تیسری بار چھینکے تو جان لے کہ یہ زکام ہے۔ غرض کہ چھینکنے والے کا جواب دینا اور حمد بجالانا گناہوں کا کفارہ ہے اور درجات کی بلندی کا سبب ہے۔

❁❁❁

## حواشی معدن الاسرار صفحہ 121

(1) خزینۃ المخطوطات وضاحتی فہرست جلد:5، ص:220۔ مولانا آزاد عربک اینڈ پرشین ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، ٹونک، راجستھان اور تاریخ مشرب شطار مصنفہ ڈاکٹر فضیل احمد قادری ص:61۔ (2) تاریخ مشرب شطار، ص:15، ص:17، ص:45، ص:62، ص:148، ص:152۔ (3) مناہج الشطار، مؤلفہ پیر امام الدین شطاری قلمی، محفوظ خانقاہ منعمیہ قمریہ، پٹنہ، ص:38۔ (4) انساب شرفی، حاشیہ علیم الدین حسین شطاری محفوظ خانقاہ منعمیہ قمریہ، پٹنہ۔ (5) تا ایں دم تحریر اس کتاب کا کچھ پتا نہیں (6) ملفوظات رکنیہ، قلمی نسخہ خدا بخش لائبریری، ص:48ب۔ (7) یادداشت حضرت سید شاہ رشید احمد فردوسی بہاری، قلمی بملک مولانا سید علی ارشد صاحب شرفی بھینسا سور، بہار شریف (8) مخزن الانساب مؤلفہ سید کریم الدین بہاری سال طبع 1342ھ، ص:16-15 (9) ایضاً (10) ایضاً ص:17 (11) اس کتاب کے حوالے مناہج الشطار میں آئے ہیں۔ اس کا ترجمہ حضرت منجھن کے صاحبزادے سید شہاب الدین راجگیری نے مظہر الاسرار کے نام سے کیا تھا۔ (12) واضطراب اضطراری وامطرار فریاد ہای بیقراری (نسخہ ٹونک)۔ (13) البقرۃ:222 (14) النور:31 (15) یوسف:50 (16) فاطر:43 (17) المائدہ:35 (18) التوبہ:119۔

پروفیسر نثار احمد فاروقی

جامعہ نگر، پوسٹ بکس نمبر 9723، نئی دہلی-110025

# اسلامی تصوف کا مقصد و منہاج

[یہ کلیدی خطبہ 7 اپریل سنہ دو ہزار ایک کو انسٹی ٹیوٹ فار صوفی اسٹڈیز، مہاراجا رنجیت سنگھ پنجاب پولیس اکادمی، پھلور، ضلع جالندھر (پنجاب) کے سیمینار میں پڑھا گیا تھا]

تصوف روحانی تجربے کا نام ہے اور روحانی تجربہ ہر مذہب میں موجود ہے، مگر اسلامی تصوف کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ قانون شریعت کی روح کو زیادہ اہم سمجھتا ہے۔ مذہبی علما قانون کے لفظ کی پابندی کرتے ہیں، اس لیے صوفیوں کے مشرب میں وسعت اور رواداری زیادہ ہے اور اسی لیے انہیں ہر زمانے میں مقبولیت حاصل رہی ہے۔ عقیدہ بہت اچھی بات ہے۔ اسے واضح اور مضبوط بھی ہونا چاہیے، مگر دیکھنا یہ ہے کہ جو مذہبی احکام ہیں ان کی حکمت اور مقصد کیا ہے۔ اللہ کو اس میں کیا دلچسپی اور (اس کا) کیا فائدہ ہے کہ آپ کیا کھائیں، کیا نہ کھائیں یا کس طرح کی زندگی بسر کریں۔ شریعت کے احکام و قوانین کا اصل مقصود یہ ہے کہ ہماری شخصی زندگی صاف ستھری اور کسی اصول کی پابند ہو، جس سے ہمارا سماج بھی صاف ستھرا بنے اور صحت مند رہے۔ اس سماج میں کمزور طبقے کی مجبوری کا ناجائز فائدہ نہ اٹھایا جائے اور کوئی ایسا شر اور فتنہ و فساد نہ پھیلایا جائے جس سے سماجی زندگی کا توازن بگڑتا ہو۔ انسانوں کا آپس میں معاملہ انصاف، حق پسندی اور ایک دوسرے سے سچی ہمدردی اور اس کی خیر خواہی کا ہو۔ کسی کا حق نہ مارا جائے۔ اپنے اعمال کا خود احتساب کیا جائے۔ غریبوں، مسکینوں، یتیموں اور بیواؤں کی خیر خبر رکھی جائے۔ جو لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ صرف اپنی نجات کی فکر کرنے سے مذہب کے تقاضے پورے ہو جاتے ہیں وہ مذہب کی روح کو سمجھے ہی نہیں۔ اللہ یا ایشور یا جو نام بھی اس کائنات کے کرتار اور پالن ہار کو دیا جائے، وہ ہماری عبادت کا، یا چڑھاوے اور نذروں کا، بلی اور قربانی کا، کسی بات اور کسی چیز کا محتاج یا ضرورت مند نہیں۔ اسے ہماری پوجا کی بھی پروا نہیں۔ اگر وہ کسی بات کا محتاج اور ضرورت مند ہو تو اسے خدا کیسے کہا جا سکتا ہے؟ قرآن نے خدا کا جو تصور دیا ہے وہ یہ ہے کہ اللہ ایک ہے اور رحمٰن و رحیم ہے۔ جو بندے اس سے محبت کرتے ہیں وہ بھی ان سے محبت کرتا ہے۔ جو پوجا کا پاتر (لائق عبادت) ہو اسے عربی میں الــٰـہ کہتے ہیں۔ (عربی قواعد میں) اسم نکرہ یعنی Common Noun کو Proper Noun بنانے کے لیے Definite Article الف اور لام (ال) آتا ہے۔ اِلٰہ پر یہ Definite Article آیا تو (الالٰہ =) اللہ ہو گیا۔ انگریزی میں God خود Proper Noun ہے اس لیے اسکے

ساتھ The نہیں آتا ہے۔ مطلب یہ کہ وہ ذات جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہنے والی ہے، جو اس کائنات کی، اس کے اربوں کھربوں ستاروں کی، چاند سورج کی، ہوا اور پانی کی، بھانت بھانت کے درختوں کی، پھل اور پھول کی، اور جو کچھ ہم دیکھ رہے ہیں اس سب کی، جو کچھ ہم نہیں دیکھ رہے ہیں، نہ دیکھ سکتے ہیں اس کی بھی پیدا کرنے والی ہے۔ اس کا کوئی نام نہیں، نہ کوئی شکل ہے، نہ وہ کسی جگہ میں بند ہے۔ اسے آپ اللہ کہیں، ایشور کہیں، God کہیں، یہوہ کہیں، یا کوئی اور نام دیں، یا کوئی بھی نہ دیں، وہی پوجا کے لیے ہے، وہی سب سے بڑی طاقت ہے، اُسی نے ہمیں پیدا کیا ہے، وہی ہمارا پالن ہار ہے۔ وہ ذات نہ پیدا ہوئی ہے، نہ اس نے اپنے جیسے کو پیدا کیا ہے اور نہ وہ ذات کبھی مرے گی۔ اس کا وجود نرادھار ہے، یعنی اس کا ہونا کسی شرط سے بندھا ہوا نہیں۔ کوئی اس جیسا نہیں۔ ہم اسے کسی نام سے بھی پکاریں وہی مقصود ہوگا۔ آپ کو پیاس لگی ہے تو ہندی میں جل مانگیں یا پانی کہیں، یا فارسی میں آب یا عربی میں ماء کہیں، یا انگریزی میں واٹر پکاریں، ایک ہی چیز مراد ہوگی اور جواب میں وہی آپ کو ملے گی۔ واٹر کہنے سے پانی کا کچھ بھی بدل نہیں جائے گا۔ اپنشدوں کا تو یا سار انش ادویت یعنی توحید ہی ہے۔ صوفیوں نے بھی سب عبادت و ریاضت، چلّوں اور مجاہدوں کا حاصل توحید کو جانا اور مانا ہے۔ وہ توحید کی چار قسمیں بتاتے ہیں: ایک شریعت میں توحید کا تصور ہے کہ اللہ ایک ہے، قدیم ہے، اپنی ذات سے زندہ ہے، سنتا ہے، وغیرہ۔ اس کو چاہے ہم اپنی مذہبی اور خاندانی روایت کے طور پر مانیں یا عقلی دلیلوں سے سمجھیں۔ دوسری قسم توحیدِ طریقت ہے یعنی صوفی اللہ کے ایک ہونے کو، اس کی ذات اور صفات (گن) کو اپنے ایمان کی روشنی میں دیکھ کر مانتا ہے، اس کو واجب الوجود سمجھتا ہے، یعنی سچا اور حقیقی وجود صرف اسی کا ہے۔ اس کے علاوہ سب موجودات کی نمود تو ہے، وجود ہے نہیں۔ اسے مثال میں یوں سمجھیں کہ برف کا وجود نہیں، اس کی نمود ہے۔ وجود پانی کا ہے۔ رسی میں ایک گرہ لگا دیں تو گرہ کی نمود ہے، وجود نہیں۔ وجود رسی کا ہے۔ سب موجودات کی ہستی اسی ایک ذات کا جلوہ ہے۔ صوفیہ کہتے ہیں کہ ایک توحیدِ افعالی ہے کہ ہر کام خدا کا فعل ہے۔ کسی کا سامان غائب ہو جائے تو فوراً سمجھ لیتا ہے کہ کوئی چور آیا ہوگا۔ سامان خود بخود غائب نہیں ہو سکتا۔ مگر بارش ہو تو کہتا ہے: آج اتفاق سے بارش ہو گئی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کے فعل پر اس کی نظر نہیں۔ دوسری توحید صفاتی ہے کہ جو کچھ ہو رہا ہے وہ صفاتِ خداوندی کا عکس ہے۔ جیسے رزق پیدا ہوتا ہے تو یہ اس کی صفتِ رزّاقی کا عکس ہے۔ زلزلہ آتا ہے تو یہ اس کی صفتِ قہاری کا عکس ہے۔ بچہ پیدا ہوتا ہے تو یہ اس کی صفتِ خلاقی کا جلوہ ہے۔ تیسری منزل توحیدِ ذاتی ہے کہ سب موجودات اسی ایک ذات کا حصہ ہیں۔ اصل وجود صرف اسی کا ہے۔ اس کے بعد کی منزل صوفیہ کے نزدیک توحیدِ حقیقت ہے کہ اللہ کے سوا کسی ذات کا وجود ہے ہی نہیں۔ ہر چیز حق ہے۔ اس منزل پر رنج و راحت، خوشی اور غم سب بے معنی ہو کر رہ جاتے ہیں۔ پنڈت اور گیانی بھی یہی کہتے ہیں کہ پہلے کچھ نہ تھا، بس ایک الکھ تھا یعنی بے نام و نشان ذات۔ اسی سے سب کچھ وجود میں آیا ہے۔ جب سب فنا ہو جائے گا، تب بھی وہی ذات باقی بچے گی۔ اب سوچو کہ جو کچھ ہے وہ کہاں سے آیا ہے اور کہاں جائے

گا۔ نہ کہیں سے آیا ہے نہ کہیں جائے گا۔ کیوں کہ کوئی غیر وجود نہ پہلے تھا، نہ اب ہے، نہ آیندہ ہوگا۔ مرزا غالب کہتا ہے ؎

نہ تھا کچھ تو خدا تھا، کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا ● ڈبویا مجھ کو ہونے نے، نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا ارشاد ہے کہ جب مقام توحید کا عرفان ہوتا ہے تو نہ موحد (توحید کا ماننے والا) رہتا ہے نہ توحید، نہ واحد نہ اشیا، نہ خودی نہ خدا، نہ عابد نہ معبود، نہ ہستی نہ نیستی، نہ ذات نہ صفات، نہ جبریل نہ قرآن، نہ ولی نہ ولایت، نہ صفت نہ موصوف، نہ اسم نہ مسمّٰی، نہ اول نہ آخر، نہ ظاہر نہ باطن، نہ بہشت نہ دوزخ، نہ روشنی نہ تاریکی، نہ نفی نہ اثبات، نہ آسمان نہ زمین، نہ منزل نہ مقام، نہ طلب نہ طالب نہ مطلوب، نہ عشق نہ عاشق نہ معشوق، نہ آدم نہ ابلیس، نہ کفر نہ اسلام، نہ کافر نہ مسلمان، نہ مومن نہ ایمان، نہ حرام نہ حلال، نہ وجود نہ عدم، یعنی ساری اضافتیں ساقط ہو جاتی ہیں۔ صوفیہ بھی کہتے ہیں کہ توحید سقوطِ اضافات کا نام ہے۔ اضافت کیا ہے؟ اس کو یوں سمجھیں۔ آپ کہتے ہیں: پیلی ٹوپی، تو پیلی اس کی اضافت ہے یہ رنگ ختم کر دیا جائے تو صرف ٹوپی بچے گی۔ اسے بھی اگر ادھیڑ کر رومال بنالیں تو ٹوپی کے نام کی اضافت بھی ختم ہوگئی۔ اب اس رومال کو آپ نے ایک ایک تار کر کے ادھیڑ دیا تو کپڑا بھی نہ رہا۔ ان تاروں کو آپ نے جلا دیا تو وہ اضافت بھی گئی۔ اب راکھ باقی بچی۔ اسی طرح جو (نیا) عمل کرتے رہیں گے وہ اضافت کو ساقط کرتا رہے گا۔

اس سے بھی اگلا قدم توحید میں ترکِ توحید کا ہے۔ مگر یہ بہت نازک مرحلہ ہے۔ اس کے اور دہریت کے بیچ میں بال سے بھی زیادہ باریک فاصلہ ہے اور یہاں تک پہنچنا ہر ایک کے بس کا نہیں۔ حضرت بوعلی شاہ قلندرؒ سے کسی نے سوال کیا تھا کہ جب کچھ نہیں تھا تو خدا کہاں تھا۔ انہوں نے کہا: اپنے جسم میں ڈھونڈ کر بتاؤ: تمہاری جان کہاں ہے؟ یعنی خدا کا اس کائنات سے رشتہ جسم و جان کا سا ہے۔ فارسی کے ایک صوفی شاعر نے کیا مزے کی بات کہی ہے ؎

اسرار خدا را نہ تو دانی و نہ من ● وین حرف معما نہ تو خوانی و نہ من

هست از پس پردہ گفتگوی من و تو ● چون پردہ بیفتد، نہ تو مانی و نہ من

خدا کی ہستی کا بھید نہ تم جانتے ہو نہ میں جانتا ہوں۔ یہ ایسا معما اور ایسی گتھی ہے جسے نہ تم سمجھے ہو نہ میں سمجھا ہوں۔ یہ میں اور تم کی بات بھی حقیقت کے پردے کے پیچھے سے ہو رہی ہے۔ جب پردہ اٹھے گا تو نہ تم رہو گے نہ میں رہوں گا۔ بس یہ سب ہماری اپنی تسلی کی باتیں ہیں ورنہ ہمارا علم ہے ہی کتنا ؎

مصری کا پربت بھیو، چیونٹی کسی آئے ● ان مکھ اپنا بھر لیو، پربت کا کیا جائے!

یہ سمجھنا تو نری حماقت اور تنگ نظری ہے کہ اللہ مسلمانوں کا ہے، یا ایشور ہندوؤں کا، یا God عیسائیوں کا اور یہوہ یہودیوں کا ہے۔ ہم نے اللہ کو اپنے تصور میں ڈھالا، ہندوؤں نے اپنے تخیل سے اس کی مورت بنالی، عیسائیوں نے اپنے رنگ میں رنگ لیا تو ہم اللہ کو بھی اپنے مذہب اور عقیدے میں محدود کر کے رکھنا چاہتے ہیں۔ یہ اس کی ذات اور صفات سے واقف نہ ہونے کی بات ہے۔ فارسی کا شاعر کہتا ہے ؎

بنام آن کہ اونامی ندارد ۞ بہ ہر نامی کہ خوانی سر بر آرد

یعنی اللہ وہ ہے جس کا کوئی نام نہیں، اسے جس نام سے بھی پکارو گے وہ تمہاری بات سنے گا، تمہیں ملے گا، جواب دے گا۔ اس کی ذات ہماری محدود اور ناقص عقل کے دائرے سے بہت دور، بہت پرے ہے۔ کسی دل والے نے کہا ہے ؎

حرم جویان دری رامی پرستند ۞ فقیہان دفتری رامی پرستند

برافگن پردہ تا معلوم گردد ۞ کہ یاران دیگری رامی پرستند

یعنی جو حج کرنے کے لیے کعبے کو جاتے ہیں، وہ سمجھ رہے ہیں کہ اللہ کعبے میں ہے۔ جو پوتھیاں پڑھ رہے ہیں وہ اسے کتابوں میں ڈھونڈتے ہیں۔ شاعر کہتا ہے: اے اللہ! اپنی حقیقت کا جلوہ دکھا دے تا کہ یہ سب جان لیں کہ وہ اب تک تیرے سوا کسی اور ہی کی پوجا کرتے رہے ہیں۔

قرآن میں کہا گیا ہے کہ انما انتَ مُنذِر ولکُلِّ قومٍ ھاد (آپ، محمد ﷺ تو صرف ڈرانے والے ہیں (ہم نے) ہر قوم میں ہدایت دینے والے (سچائی کا راستہ دکھانے والے بھیجے ہیں) (الرعد:7)۔

اور یہ بھی کہا ہے کہ قرآن میں سب نبیوں، پیغامبروں اور رسولوں کا نام نہیں لیا گیا صرف چند کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ (مِنھُم مَنْ قَصَصنا علیکَ وَمِنھُم مَن لَم نقصُص علیکَ) (غافر:78)۔ ورُسُلاً قَد قصصناھم علیک مِن قَبلُ ورُسُلاً لم نقصُصھُم علیک (النساء:9)۔ اس سے ظاہر ہے کہ ہدایت دینے والے ہندوستان جیسے بڑے ملک میں کیوں نہ آئے ہوں گے۔ یقیناً آئے بھی۔ یہ دوسری بات ہے کہ ہزاروں لاکھوں برسوں میں تاریخ نے ان کی صورت اور سیرت یا تعلیمات کو اصلی شکل میں محفوظ نہ رکھا۔ ابھی اس زمانے میں یہ تکلیف دینے والی خبر آئی کہ افغانستان میں طالبان کی حکومت نے مہاتما گوتم بدھ کے ہزاروں سال پرانے مجسموں کو ختم کرنے کا اعلان کیا ہے۔ اس پر ساری دنیا میں احتجاج ہوا ہے۔ قرآن میں ایک پیغمبر کا نام ذوالکِفل بھی آتا ہے۔ (وَاذکُر اسمٰعیلَ والیَسَعَ وذا الکِفلِ و کُلُّھُم مِنَ الاَخیار) (ص:48) واسمٰعیل وادریسَ وذاالکِفلِ کُلٌّ مِنَ الصٰبِرینَ وادخَلنٰھُم فی رحمَتِنا انھم مِنَ الصٰلحِینَ (الأنبیاء:86-85) اور اس نبی کی کوئی تفصیل قدیم اسلامی یا یہودی کتابوں میں نہیں ملتی۔ یہ بات غور طلب ہے کہ عربی میں ذو کے ساتھ لقب یا نسبت آتی ہے، اصلی نام نہیں آتا، جیسے ذوالنون (مچھلی والے) حضرت یونس بن متی علیہ السلام کو کہا ہے۔ اسی طرح ذوالقرنین (دو سینگوں والے) بھی لقب ہے، نام نہیں۔ کچھ مفسروں نے کہا کہ ذوالکِفل سے الیاس علیہ السلام مراد ہیں۔ جب قرآن میں ان کا نام، الیاس، دوبارہ آیا ہے (الأنعام:85؛ الصافات:123) تو باقی دو جگہوں پر انہیں لقب یا نسبت سے یاد کرنے کا تقاضا کیا تھا؟ الیسع کے بارے میں ابن جبیر کا قول ہے کہ یہ نام عجمی ہے تو کیا ہم ذوالکفل کو عجمی نام نہیں کہہ سکتے؟ دشواری یہ ہے کہ ہم تاریخ نبوت پر غور کرتے ہوئے جزیرۂ عرب سے باہر نکل کر نہیں سوچتے، جب کہ قرآن کریم صاف الفاظ میں کہہ رہا ہے کہ ہدایت دینے والے ہر قوم میں

بھیجے گئے ہیں۔ یہ بات بھی ملحوظ ذہنی چاہیے کہ انبیاو رُسل کے علاوہ ابرار و اخیار، صالحین و مصلحین بھی ہر دور میں اور ہر قوم میں آئے ہیں اور انہوں نے زمانے کی ضرورت کے مطابق اپنا رول ادا کیا ہے۔ جس طرح قرآن نے سب انبیا کے نام نہیں لیے، اسی طرح سب صالحین کا تذکرہ بھی نہیں کیا ہے۔ علامہ جلال الدین السیوطی **الاتقان فی علوم القرآن** میں فرماتے ہیں:

بیان کیا گیا ہے کہ وہ ایوب علیہ السلام کے بیٹے تھے۔ وھب سے کتاب مستدرک میں مروی ہے کہ اللہ پاک نے ایوب علیہ السلام کے بعد ان کے فرزند بشر بن ایوب علیہ السلام کو مبعوث بہ نبوت فرمایا اور ان کا نام ذو الکفل رکھا۔ ان کو حکم دیا کہ مخلوق کو میری توحید (خدا کے ایک ماننے) کی دعوت دو۔ وہ تمام عمر وقت وفات تک شام میں مقیم رہے اور انہوں نے پچھتر سال عمر پائی۔ اور کرمانی کی کتاب العجائب میں آیا ہے کہ ذو الکفل کے بابت کئی اقوال مختلف آئے ہیں۔ کہا گیا ہے کہ وہ الیاس ہی ہیں۔ کہا گیا ہے کہ وہ یوشع بن نون علیہ السلام ہیں۔ اور کہا گیا ہے کہ وہ ایک نبی ہیں جن کا نام ہی ذو الکفل تھا۔ اور ایک قول یہ ہے کہ ایک مرد صالح تھے۔ انہوں نے چند باتوں کی کفالت اور ذمہ داری کی تھی اور پھر ان کو پوری طرح نبھا بھی دیا تھا۔ اس لیے یہ نام پڑ گیا۔ اور کہا گیا ہے کہ وہ زکریا علیہ السلام ہیں جن کا ذکر قولہ تعالیٰ وکفلھا زکریا میں آیا ہے اور ابن عساکر کہتا ہے کہ ایک قول سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک نبی تھے اور اللہ پاک نے ان کے لیے یہ کفالت فرمائی تھی کہ ان کے عمل میں دوسرے انبیا علیہم السلام کے اعمال سے دوگنا اجر عطا فرمائے گا۔ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ وہ کوئی نبی نہ تھے بلکہ بات یہ تھی کہ الیسع علیہ السلام نے ان کو اپنا خلیفہ بنایا تھا اور انہوں نے ان سے یہ کفالت کی تھی کہ دن کو روزہ رکھا کریں گے اور شب کو عبادت الٰہی کرتے رہیں گے۔ اور کہا گیا ہے کہ نہیں، بلکہ اس نے یہ ذمہ داری کی تھی کہ ہر روز سو رکعت نماز پڑھا کرے گا۔ اور ایک قول میں آیا ہے کہ وہ الیسع ہیں اور ان کے دو نام ہیں۔ (الاتقان فی علوم القرآن، اردو ترجمہ، جلد 2: ص 347-346)

مولانا محمود حسن دیوبندی نے اپنی تفسیر میں یوں لکھا:

ذو الکفل کی نسبت اختلاف ہے کہ نبی تھے، جیسا کہ انبیا کے ذیل میں تذکرہ فرمانے سے ظاہر ہوتا ہے، یا محض ایک مرد صالح تھے۔ کہتے ہیں کہ ایک شخص کے ضامن ہو کر کئی برس قید میں رہے اور اللہ یہ محنت اٹھائی۔ مسند امام احمد اور جامع ترمذی میں ایک شخص کا قصہ آتا ہے جو پہلے سخت بدکار اور فاسق و فاجر تھا، بعدہٗ تائب ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی مغفرت کی بشارت اسی دنیا میں لوگوں کو سنا دی۔ ان کا نام حدیث میں کفل آیا ہے۔ بظاہر یہ وہ ذو الکفل نہیں جس کا ذکر قرآن کریم نے کیا ہے۔ ہمارے زمانے کے بعض مصنفین کا خیال ہے کہ ذو الکفل وہی ہیں جن کو گوتم بدھ کہا جاتا ہے۔ (تفسیر مولانا محمود حسن دیوبندی: ص 438)

عبداللہ یوسف علی مرحوم نے ذو الکفل کا انگریزی ترجمہ: Possessor of, or giving, a double requittal or portion "or else", one who used a cloak of double thickness کیا ہے۔ •• کہتے ہیں کہ یہ ذو الکفل کا لفظی مفہوم ہے۔ اس کے بارے میں مفسروں کا اختلاف ہے کہ اس سے کون مراد ہے۔ اور یہ لقب اس شخصیت کو کیوں دیا گیا ہے؟ ان کا تذکرہ اسمٰعیل اور ادریس کی طرح صبر کرنے والوں کے ساتھ کیوں کیا ہے؟

یہاں تک جو تنقیحات ہیں وہ درست ہیں، اس کے بعد عبداللہ یوسف علی کا ذہن Karsten Niebuhr کی کتاب Reiseschreibung nach Arabien, Copenhagen, 1778, ii, 264-266 کی طرف مڑ گیا جس کا حوالہ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں ذوالکفل کے تحت دیا گیا ہے۔کارسٹین عراق کے ایک چھوٹے سے قصبے کفل کا ذکر کرتا ہے جو نجف اور حلہ (بابل) کے درمیان واقع ہے، اور کہتا ہے کہ یہ Erezkeil کی عربی شکل ہے۔ وہاں حزقیل کا مقبرہ تھا اور یہودی اس کی زیارت کرنے آیا کرتے تھے۔عبداللہ یوسف علی کہتے ہیں اگر ہم ذوالکفل کو ایک لقب نہ سمجھیں اور اسے حزقیل Erezkeil کی معرب شکل مانیں تو یہ اس موقع پر صادق آتا ہے۔ جزقیل بنی اسرائیل کے نبی تھے جنہیں نوبخت نصر (Nebuchadnezzar) اپنے دوسرے حملے کے بعد (تقریباً 599 قبل مسیح) گرفتار کر کے لے گیا تھا۔ان کا صحیفہ بھی عہد نامۂ عتیق (Old Testament) کے انگریزی Version میں شامل ہے۔انہیں ہتھکڑی بیڑی پہنا کر قید خانے میں ڈال دیا گیا، اور ایک زمانے تک انہوں نے کلام نہیں کیا۔ (Erezkeil iii, 25-26)۔ یہ سب سختیاں انہوں نے صبر سے برداشت کیں۔ یہ بھی دور کی بات ہے۔ضروری نہیں کہ اس آیت میں صرف انبیا کا ہی تذکرہ ہو۔انہیں صابرین، صالحین اور اخیار میں شمار کیا ہے۔ان میں نبی اور غیر نبی دونوں ہو سکتے ہیں۔ جب یہ معلوم ہے کہ ذو کے ساتھ آنے والا لفظ لقب یا نسبت ہوتا ہے، نام ہونا ضروری نہیں، تو اس سے بعض مفسروں نے یہ نتیجہ بھی نکالا کہ عربی میں ذو کا مطلب ہے والا۔ اور پ کی آواز ہے نہیں۔ اس کی جگہ ف استعمال کی جاتی ہے تو ذوالکفل کا مفہوم ہوگا کپل والا۔ گوتم بدھ کپل وستو میں پیدا ہوئے تھے، اس لیے انہیں ذوالکفل کہا گیا۔

جب اسلام کا ظہور ہوا ہے تو جنوبی ایشیا کے بڑے خطے میں بدھ مت پھیل چکا تھا، یہ ممکن نہیں تھا کہ اسلام اس کو نظر انداز کر دیتا۔ اب سوال یہ ہو سکتا ہے کہ ذوالکفل یعنی کپل والا کیوں کہا۔ان کا نام کیوں نہیں لیا؟ تو قرآن نے جن پیغمبروں کے نام لیے ہیں، جیسے موسیٰ، عیسیٰ، سلیمان، داؤد، ابراہیم وغیرہ، تو وہ سب سامی تہذیب سے جڑے ہوئے تھے، اس لیے عربی والے ان کے ناموں سے مانوس تھے۔ اگر قرآن گوتم کہتا تو گ عربی میں ہے نہیں۔ اسے جو تم یا غوتم کہنا پڑتا۔ اس سے سمجھ میں نہ آتا کہ کس کی طرف اشارہ ہو رہا ہے۔ کپل والا کہنے سے بات صاف ہو گئی۔ کیوں کپل وستو میں گوتم کے سوا کوئی اور مصلح پیدا نہیں ہوا۔ مولانا محمود حسن دیوبندی نے مسندِ احمد بن حنبلؒ اور جامع ترمذی کے حوالے سے جس کفل کا تذکرہ کیا ہے اس سے بھی گوتم بدھ مراد ہو سکتے ہیں۔ کہتے ہیں کفل فاسق وفاجر تھا۔ یہ اصطلاحی الفاظ ہیں۔ مراد یہ کہ دنیا دار آدمی تھا۔ بعدہ تائب ہوا، یعنی اس نے ریاضت کی۔ ریاضت بھی توبہ ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی مغفرت کی بشارت اسی دنیا میں لوگوں کو سنا دی۔ اسی کا دوسرا نام نروان ہے۔ ایک بات یہ بھی یاد رکھنے کی ہے کی فارسی میں مورتی کو بت کہتے ہیں۔ یہ دراصل بدھ ہی ہے۔ دھ کی آواز ہلکی ہو کر ت میں بدل گئی ہے۔ اس لیے کہ دھ بھ تھ جیسی مخلوط آوازیں فارسی میں نہیں ہیں۔ شاعروں نے تو بت کو حسین کے معنوں میں استعمال کر کے اس کا مفہوم ہی بدل دیا ہے۔ اردو اور فارسی شاعری بتوں سے بھری پڑی ہے۔ کیا طالبان فارسی شاعری سے بھی بتوں کو نکال سکتے

ہیں؟

افغانستان اور سنٹرل ایشیا کے علاقے میں بدھ مذہب تھا، اور اس کے وہار بنے ہوئے تھے۔ ہمارا صوبہ بہار بھی اصل میں وہار ہے، اور سنٹرل ایشیا کا بخارا بھی وہارا کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ ہ اور خ دونوں حلق سے نکلنے والی آوازیں ہیں اور ایک دوسرے سے بدل جاتی ہیں، اس لیے وہار سے وہارا اور وہارا سے بخارا ہو گیا۔ دیکھیے قرآن کے بعد سب سے زیادہ صحیح سمجھی جانے والی حدیث کی کتاب کے مؤلف بھی بخاری کہلاتے ہیں۔ آپ صدیوں کی تہذیب کے چھوڑے ہوئے نقوش کہاں تک مٹا سکتے ہیں؟ افغانستان میں وہاروں کے جو آثار ہیں، یا مہاتما گوتم بدھ کے جو مجسمے باقی رہ گئے ہیں وہ تاریخ کی چھوڑی ہوئی نشانیاں ہیں۔ وہ ہماری ماضی کی تہذیب کا ورثہ ہیں۔ انہیں ختم کرنا کسی طرح درست نہیں ہو سکتا۔ ہاں! ان مورتیوں کو ختم کرنے کا جواز اس وقت ہو سکتا تھا کہ اس علاقے میں رہنے والے مسلمان ان کی پوجا کر رہے ہوتے۔ مگر وہاں تو کوئی پوجا نہیں ہو رہی تھی۔ اگر بدھ مت کے ماننے والے وہاں ان مورتیوں کا درشن کرنے جائیں، یا ان کی پوجا کریں تو اس پر بھی پابندی لگانا غیر اسلامی فعل ہوگا۔ ایک موٹی سی بات یہ سمجھ لینی چاہیے کہ اسلامی شریعت کا قانون غیر مسلموں کے لیے نہیں ہے۔ یہ مسلمانوں پر لاگو ہوتا ہے۔ اب اس کا ردِ عمل تو ہونا تھا۔ یہ خبریں آئیں کہ کچھ لوگوں نے اپنے غصے کی آگ میں قرآن کے نسخے جلا کر ٹھنڈک حاصل کی۔ صوفیہ کہتے ہیں کہ ایک برائی کو دوسری برائی سے کبھی ہرگز دور نہیں کیا جا سکتا۔ اگر کتا کسی انسان کو کاٹ لے تو کیا انسان بھی جواب میں کتے کو کاٹے گا؟ جن کتابوں کو مقدس مانا جاتا ہے، یا جو آسمانی صحیفے کہلاتے ہیں، ان کے ماننے والوں کا عقیدہ خود ان کی حفاظت کر رہا ہے اور کرتا رہے گا۔ ویدوں کی اور گیتا کی جو محبت ہندوؤں کے دلوں میں بسی ہوئی ہے، گرنتھ صاحب سے سکھوں کو جو گہرا قلبی تعلق ہے، قرآن جس طرح مسلمانوں کی نس نس میں رچا ہوا ہے، ہم جیسے جاہل اور غافل اس کی توہین کیا کر سکیں گے؟ اس کا نام ادب سے نہ لے کر خود اپنے گھٹیا پن اور جہالت کا ثبوت دیتے ہیں۔ اس طرح اپنی توہین آپ کرتے ہیں۔ اگر کوئی مادر زاد ننگا ہو کر بازار میں ناچنے لگے تو وہ بازار میں چلنے والوں کی توہین کرتا ہے یا خود اپنا مذاق اڑا رہا ہے؟ اگر ساری دنیا سے قرآن کی ایک ایک کاپی جمع کر کے اسے ضائع کر دیا جائے، تب بھی وہ موجود رہے گا اور اس کا ایک اکشر بھی کم نہیں ہوگا۔ ایسے بے ہودہ واقعات اور مظاہروں پر احتجاج کرنے کی بھی چنداں ضرورت نہیں، کیوں کہ یہ شیطانی گروہ اسے اپنی کامیابی سمجھتا ہے۔ اللہ نے مذہبی رہنماؤں کو دنیا میں اس لیے بھیجا تھا اور ان کے ذریعے سے انسانوں کو یہ تعلیم دی گئی کہ وہ ایک اچھی صاف ستھری سوسائٹی بنا کر رہیں۔ خود بھی جئیں، دوسروں کو بھی جینے دیں۔ یہ تب ہی ہو سکتا ہے جب ہم ایک دوسرے کے عقیدے کا احترام کریں، دوسروں کے دکھ درد کو سمجھیں اور ایک دوسرے کے کام آئیں۔ جیسے ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ کو دھوتا ہے۔ فارسی کے مشہور شاعر صوفی شیخ سعدی شیرازی کہتے ہیں ؎

بنی آدم اعضای یک دیگر اند ● کہ در آفرینش زیک جوہر اند

چو عضوی به درد آورد روزگار ◉ دگر عضوها را نماند قرار

تو کز محنتِ دیگران بی غمی ◉ نشاید که نامد نهتند آدمی

مطلب یہ کہ سماج میں ہر فرد کی حیثیت ایسی ہے جیسے انسان کے جسم میں مختلف انگ ہیں: آنکھ، ناک، کان، ہاتھ، پیر سب کا اپنا اپنا کام ہے، مگر سب کا ایک دوسرے سے درد کا رشتہ بھی ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ اگر کسی ایک دانت میں درد ہوتا ہے تو دوسرے انگ بھی اپنا کام کرنا بھول جاتے ہیں، اور ان کا دھیان بھی دانت کے درد کی طرف ہی رہتا ہے۔ شیخ سعدیؒ کہتے ہیں کہ سب انسان ایک ہی جوہر سے اور ایک ہی طریقے سے پیدا ہوئے ہیں۔ ان میں کوئی بھید بھاؤ قدرت کی طرف سے نہیں ہے۔ یہ اعلیٰ اور ادنیٰ کی تمیز، اونچ نیچ اور بھید بھاؤ ہمارا گڑھا ہوا ہے۔ اللہ نے اپنی نعمتوں کے خزانوں کو سب کے لیے عام کردیا ہے۔ زندگی کا دارومدار جن بنیادی چیزوں پر ہے جیسے ہوا، پانی، روشنی، ان میں یہ نہیں ہے کہ قدرت کی طرف سے غریب آدمی کو دو گھونٹ پانی کم ملے گا یا کوئی سرمایہ دار دو سانس ہوا میں زیادہ لے سکے گا۔ جب موت آتی ہے تو وہ کروڑپتی بھی مرجاتا ہے جو اپنے علاج پر بے تحاشا دولت خرچ کرتا ہے اور وہ فقیر بھی مرجاتا ہے جسے ایک گھونٹ دوا بھی نصیب نہیں ہوتی۔ دولت کی یہ تقسیم اللہ یا ایشور یا گاڈ نے نہیں کی ہے کہ ایک شخص کے پاس بے حد وحساب دولت ہے اور دوسرے کو ایک سوکھی روٹی بھی میسر نہیں۔ یہ سب حضرت انسان کے کرتوت ہیں کہ وہ پیداوار کے سادھنوں پر اپنا ادھیکار جما کر بیٹھ جاتا ہے او دوسروں کو محروم کردیتا ہے۔ اگر یہ فرق قدرت کی طرف سے ہوتا تو آپ اسے جانوروں میں بھی پاتے کہ ایک چڑیا امیر ہوتی تو دوسری غریب یا ایک شیر پیٹ بھر کر کھاتا تو دوسرا شیر بھوکا پھرتا رہتا۔ نظام قدرت کے انصاف کو ہم جانوروں میں دیکھ سکتے ہیں۔ حیوان بھی خدا کی تسبیح کرتے ہیں اور اس کے نام کی مالا جپتے ہیں۔ اگر ہم ان کی زبان نہیں سمجھتے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ پوجا نہیں کرتے۔ مگر ہم انسانوں کی طرح انہوں نے مذہب یا جات پات کے نام پر خون بہانا یا ڈھونگ رچانا نہیں سیکھا ہے۔ اگر آپ انصاف کی نظروں سے دیکھیں تو جانور انسانوں سے کہیں زیادہ مہذب ملیں گے۔ صوفیوں نے اس حقیقت کو پالیا تھا، اور ان کی زندگی کا مقصد یہی تھا کہ غریبوں، بیکسوں، دکھی انسانوں کی سیوا کریں، ان کی ڈھارس بندھائیں، مادی مدد نہ سہی، کسی کے لیے دعا کرنا یا تعویذ گنڈا دے کر اس میں نفسیاتی طور پر بھروسا اور ہمت پیدا کردینا بھی بڑی سیوا ہے۔ کسی بھوکے کو کھانا کھلائیں، کسی ننگے کو بدن ڈھکنے کے لیے کپڑا دے دیں، یہی صوفیوں کی خانقاہوں میں ہوتا تھا، اور اسی مقصد سے لنگر بھی جاری کیا گیا تھا، جو چشتی سلسلے کی طرح دوسرے سلسلوں کے بزرگوں کی خصوصیت ہے اور اس کو سکھ دھرم کے گورو صاحبان نے بھی گوردوارے کے نظام کا ایک لازمی حصہ بنالیا ہے۔ شیخ سعدیؒ، جو خود ایک صوفی اور شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کے مرید ہیں، کہتے ہیں کہ اگر تم دوسروں کے دکھ درد کا احساس نہیں کرسکتے تو یہ زیب نہیں دیتا کہ تمہیں آدمی کہا جائے۔ اس سے بڑی نادانی اور جہالت کیا ہوسکتی ہے کہ دوسروں کا خون چوس کر، یا خون بہا کر اور زمین میں فساد پھیلا کر بھی کوئی یہ سمجھتا رہے کہ اللہ یا بھگوان کی اپاسنا کررہا ہے۔ ہر کام کسی نتیجے کے لیے ہوتا ہے۔

عبادت کا حاصل یہی ہے کہ سماج کا توازن باقی رکھا جائے۔ برائیوں کو پھیلنے سے روکا جائے، بھوکوں کو کھانا کھلایا جائے، ننگوں کو بدن ڈھانکنے کے لیے کپڑا دیا جائے محتاجوں اور اپاہجوں کی ضرورت پوری کی جائے تاکہ وہ بھی سکھ سے جی سکیں۔ نہ یہ کہ ہم اپنی شیطانی حرکتوں سے ننگوں، بھوکوں، فقیروں اور محتاجوں کی تعداد میں اضافہ کرتے رہیں۔ ایک طرف دان پن بھی ہو رہا ہے، دوسری طرف فسادات کر کے بچوں کو یتیم اور ان کی ماؤں کو بیوہ بھی کیا جا رہا ہے۔ اس سے تو سب عبادت اور دان پن بھی ڈھکوسلا بن کر رہ جاتی ہے۔ شیخ سعدیؒ ہی نے یہ بھی کہا ہے کہ ؎

عبادت بجز خدمتِ خلق نیست ● بہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست

عبادت اس کے سوا کچھ نہیں کہ اللہ کے بندوں کی خدمت کی جائے۔ عبادت یہ نہیں ہے کہ تسبیح گھما لیں یا مالا جپ لیں، یا لنگوٹ باندھ لیں، یا گدڑی پہن لیں، یا بہت سی پوجا کر لیں، یا پیروں فقیروں اور دیوتاؤں کے نام پر چڑھاوے چڑھاتے رہیں، چلّے کرتے رہیں، یا چالیسا پڑھتے رہیں۔ چشتی درویشوں نے جیسے حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ اور حضرت نظام الدین اولیاؒ نے سرکار، دربار سے کوئی تعلق نہیں رکھا، اُن کا سیدھا سمبندھ اللہ سے اور اس کی مخلوق سے ہی رہا۔ بعض صوفیہ جیسے حضرت شیخ رکن الدین ملتانی سہروردیؒ نے، دربار سے تعلق رکھا، مگر وہ بھی اس لیے کہ بادشاہ تک غریب رعایا کی آواز پہنچا سکیں۔ وہ غریبوں اور ضرورت مندوں کی عرضیاں لے کر بادشاہ کے دربار میں جاتے تھے۔ ہمیں پرانی کتابوں اور صوفیہ کے تذکروں سے یہ بات معلوم ہے کہ ان درویشوں کی خانقاہوں میں لوگوں کا ہجوم رہتا تھا۔ سب کے دکھ درد کا کچھ نہ کچھ علاج کیا جاتا تھا، ساتھ ہی ان کی سیرت اور کردار کی کچھ نہ کچھ اصلاح بھی ہو جاتی تھی۔ مگر یہ کہیں اندازہ نہیں ہوتا کہ کسی خانقاہ میں ہجوم کرنے والے یہ ضرورت مند کون ہوتے تھے؟ کس مذہب یا کس ذات کے تھے؟ صوفیہ یہ نہیں دیکھتے تھے کہ جو بھی انسان ان کے پاس آیا ہے وہ ہندو ہے یا مسلمان ہے، یا کس جاتی برادری کا ہے۔ ظاہر ہے کہ آنے والوں میں ہندو ہی زیادہ تھے، اس لیے کہ مسلمانوں کی آبادی ابتدائی صدیوں میں بہت ہی کم تھی۔ صوفیوں کے اس سلوک سے لوگ اس لیے بھی متاثر ہوتے تھے کہ شہنشاہ تک عام آدمیوں کی رسائی ممکن نہیں تھی۔ وہاں تو ہر امیر کو بھی بادشاہ سے بات کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ اب عام آدمی کس سے تو اپنا دکھ درد کہے گا۔ وہ مقصد ان درویشوں کی خانقاہوں میں جا کر پورا ہو جاتا تھا۔ چوں کہ انہیں عوام میں مقبولیت حاصل تھی، اس لیے بادشاہ اور امرا بھی ان کا ادب اور لحاظ کرنے پر مجبور تھے۔ عوام یہ مانتے تھے کہ زندگی کے دو رخ ہیں، ایک مادّی، دوسرا روحانی۔ بادشاہ کے پاس مادّی دولت اور قوت ہے، ان درویشوں کو اللہ نے روحانی دولت اور روحانی قوت عطا فرمائی ہے۔ مادی دولت وقوت پر زوال آتا رہتا ہے۔ آج یہاں ہے، کل وہاں ہے، مگر روحانی دولت لازوال ہے۔ دہلی ہی میں دیکھ لیجیے: کیسے کیسے جلال وجبروت والے شہنشاہ گذر گئے، مگر آج بہتوں کو ان کے نام بھی معلوم نہیں۔ کتنے ہی وہ ہیں جن کی قبروں کے بھی نام ونشان نہیں ملتے، نہ اب کوئی ان کا نام لیوا پایا جاتا ہے۔ مگر اولیاے اللہ کے مزاروں پر آج بھی عقیدت مندوں کی بھیڑ لگی ہوئی ہے۔ آج بھی ہزاروں مسکین،

محتاج، اپاہج اور دکھی انسان ان کی درگاہوں کے آس پاس پڑے ہوئے ہیں اور ان درویشوں کے نام کی برکت سے ان کو بھی روزی مل جاتی ہے۔

- یہ درویش انسانیت کی خدمت کس طرح کرتے تھے اس کی ایک دو مثالیں عرض کرتا ہوں: ایک بار حضرت نظام الدین اولیاؒ نے راستے میں آتے ہوئے دیکھا کہ ایک عورت جمنا کے قریب کسی کنوئیں سے پانی بھر رہی ہے۔ آپ نے اس سے سوال کیا: جمنا موجود ہے تو کنوئیں کا پانی کیوں پیتی ہے؟ اس نے کہا: میرا پتی غریب آدمی ہے۔ اس کی آمدنی کم ہے۔ جمنا کا پانی بھوک زیادہ لگاتا ہے، اس لیے ہم کنوئیں کا پانی پیا کرتے ہیں۔ یہ جواب سن کر حضرت نظام الدینؒ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، اور انہوں نے اپنی خانقاہ میں آ کر خادم اقبال سے کہا: بستی میں جا کر اس عورت کے گھر کا پتا لگاؤ اور اس سے پوچھو۔ اس کے ماہانہ خرچ میں کتنا گھاٹا رہتا ہے؟ اتنی رقم ہر مہینے اس کے گھر پہنچایا کرو اور اس سے کہو کہ وہ جمنا کا پانی پیا کرے۔ تمام قرینے یہ بتاتے ہیں کہ وہ پانی بھرنے والی ایک ہندو عورت رہی ہوگی اور اس پر حضرت کے اس سلوک کا کیا اثر ہوا ہوگا یہ کہنے کی ضرورت نہیں۔

ایک بار غیاث پور گاؤں میں، جہاں اب ہمایوں کا مقبرہ ہے، آگ لگ گئی۔ مئی یا جون کا مہینا تھا، دوپہر کا وقت اور چلچلاتی دھوپ۔ آپ کو خبر ملی تو اپنی خانقاہ کی تیسری منزل پر چڑھ گئے اور غریب دیہاتیوں کے چھپروں کو شعلوں کی لپیٹ میں آ کر بھڑکتے ہوئے دیر تک دیکھتے رہے۔ آگ کی تپش اور دھوپ کی تیزی سے آپ کا چہرۂ مبارک بھی انگارے کی طرح دہکتا ہوا معلوم ہو رہا تھا۔ کئی گھنٹوں تک اس عالم میں یہ دردناک منظر دیکھتے رہے اور نہایت افسردہ و رنجیدہ ہو کر اس وقت نیچے اترے جب آگ کے شعلے ساری بستی کو پھونک کر بیٹھنے لگے۔ اپنے خادم خواجہ اقبال کو بلا کر فرمایا: ''لالا، گاؤں میں جا کر جلے ہوئے گھروں کی گنتی کرو۔ ہر گھر والے کو چاندی کا ایک تنکہ، ایک صراحی ٹھنڈا پانی اور دو دو روٹیاں بھیجواؤ''۔ جب حضرت کے خادم اقبال، مبشر، ابّو اور خانقاہ کے دوسرے لوگ خوان سروں پر لیے ہوئے ایک ایک کے گھر پہنچے، تو حضرت کا بھیجا ہوا عطیہ سر پر رکھ کر لوگ فرطِ جذبات سے رونے لگے۔ اس زمانے میں چاندی کا ایک تنکہ اتنی قیمت رکھتا تھا کہ اس سے کئی چھپر ڈلوائے جا سکتے تھے۔

حضرت خواجہ شاہ عبدالہادیؒ، چشتی صابری سلسلے کے بڑے بزرگ ہیں۔ ان کی درگاہ امروہہ میں ہے۔ وہ اورنگ زیب عالمگیر کے عہد میں پیدا ہوئے تھے اور 106 سال کی عمر پا کر 1776ء میں انتقال کیا۔ انہوں نے زندگی کا بڑا حصہ دیہات اور جنگلوں میں عبادت کرتے ہوئے گزارا تھا۔ عوام سے ان کے تعلق کی ایک جھلک دیکھیے جس سے اندازہ ہوگا کہ وہ انسانوں سے ہی نہیں، جانوروں سے بھی کتنی محبت اور ان کی کیسی خدمت کرتے تھے۔ ایک دن حضرت شاہ عبدالہادیؒ ایک کھیت سے گذر رہے تھے تو دیکھا کہ وہ بارش نہ ہونے سے سوکھا پڑا ہوا ہے اور ہری بالیاں مرجھا کر لٹک گئی ہیں۔ آپ کو یہ دیکھ کر بہت دکھ ہوا۔ گاؤں والوں کو بلا کر انہیں ہندی کی کچھ بول لکھ کر دیے اور فرمایا: انہیں زور زور سے گاؤ۔

بول یہ تھے۔

ہم منگتا ہیں سائیں تیرے کس کن مانگن جاویں گے ۞ برسے مینھ اب،او بچے انا، تیری دہی ہم کھاویں گے

نش جی ہوکر کریں بندگی، جوان باتن پاویں گے ۞ آج مانگن کا داؤں ہمارا، پھر کیا لے کر نہاویں گے

حضرت کے ارشاد کی تاثیر سے کچھ ہی گھنٹوں کے بعد بارش شروع ہوگئی۔ ایک بار حضرت نے جنگل میں ایک کتیا کو دیکھا جو حاملہ تھی اور بنجاروں کے کسی قافلے سے پیچھے رہ گئی تھی۔ اسے دیکھ ریکھ کے لیے اٹھا کر اپنے ساتھ کٹیا میں لے آئے۔ اس کی پرورش کے لیے آپ نے بکریاں چرانا شروع کر دیا۔ اس نے کئی بچے دیے۔ ان کی بھی پرورش کرتے رہے۔ جب اس کے بچے بڑے ہوگئے تو آپ نے بکریاں چرانا بند کر دیا۔ ایسی سینکڑوں مثالیں ان درویشوں کے حالات اور ملفوظات میں مل جاتی ہیں۔ آج بھی ان کی درگاہوں میں آنے والے صرف مسلمان ہی نہیں ہیں، بلکہ بعض درگاہوں میں تو غیر مسلموں کی تعداد زیادہ ہوتی ہے۔

تصوف نے ہندوستان کے باشندوں کو کتنا قریب کر دیا، اور آپس میں محبت اور رواداری کے رشتے کیسے مضبوط کر دیے تھے اس کی ایک دو معمولی مثالیں عرض کرتا ہوں:

حضرت غوث علی شاہ قلندر پانی پتی بہت بڑے درویش ہوئے ہیں۔ 1880ء میں ان کا انتقال ہوا۔ پانی پت میں مقبرہ ہے۔ پنڈت رام سنیہی کی پتنی نے غوث علی شاہ کو ان کے پیدا ہونے کے بعد اپنا دودھ پلایا تھا، اس لیے وہ پنڈت رام سنیہی کو اپنا پتا سمجھتے تھے۔ بہت سے صوفی سلسلوں میں بیعت تھے اور گھاٹ گھاٹ کا پانی پیا تھا۔ کبھی پنڈتوں کے ساتھ بیٹھے ہیں، کبھی جوگیوں میں رہے ہوئے ہیں، کبھی ہر کی پوڑی میں اشنان کر رہے ہیں۔ انہوں نے اپنے زمانے کے سیکڑوں درویشوں، سادھوؤں اور جوگیوں کی صحبت اٹھائی تھی۔ ایک بار سیر کرتے ہوئے کوٹ پتلی (راجستھان) سے آ رہے تھے۔ راستے میں ایک مندر پڑا۔ اس میں ایک سادھو بہت مدھر آواز میں بھجن گا رہا تھا۔ یہ اس کے پاس جا بیٹھے اور بھجن سنتے رہے۔ اتنے میں نماز کا وقت آ گیا تو وہیں مندر میں مصلیٰ بچھا کر نماز پڑھنے لگے۔ سادھو جی نے دیکھا تو ان سے کہا: میاں جی آپ کی طبیعت میں تو بڑی آزادی معلوم ہوتی ہے، پھر یہ علت کیوں لگا رکھی ہے؟ انہوں نے کہا: بابا جی علت سے تو نہ تم خالی نہ ہم خالی۔ تم کو اس پتھر کے پوجنے کی علت لگی ہوئی ہے، ہم کو نماز کی۔ تم گھنٹا بجاتے ہو ہم تسبیح ہلاتے ہیں۔ بس بے قید تو خدا کی ذات ہے ورنہ سب اپنی اپنی قید میں مبتلا ہیں۔ ایک بار میرٹھ میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ اچانک ارادہ ہوا کہ حج کرنے جائیں۔ ان کے ایک عقیدت مند لالا بانکے رائے تھے۔ انہوں نے دس بارہ جوڑی کپڑے اور پچاس روپے نذر کیے۔ انہوں نے اس میں سے صرف پانچ روپے قبول کر لیے، مگر دہلی تک آتے آتے پانچ ٹکے ہی پاس رہ گئے تھے۔ ایک بار لدھیانے میں آئے۔ یہاں ایک صوفی محکم الدین شاہ تھے۔ ان سے ملنے گئے اور پوچھا: آپ کا نام کیا ہے؟ محکم شاہ نے کہا: خدا۔ کہنے لگے سبحان اللہ! ہم تو آپ کو آسمانوں میں تلاش کر رہے تھے۔ آپ لدھیانے میں نکلے! پھر ان کا نام

انہوں نے پوچھا تو قلندر صاحب نے کہا: آپ کیسے خدا ہیں کہ اپنی مخلوق کے نام سے بھی واقف نہیں۔ محکم شاہ ذرا سوچ کر بولے: اچھا غوث علی شاہ ہو! انہوں نے کہا: بس معلوم ہو گیا! کہ آپ رمالی خدا ہیں۔ بغیر زائچہ دیکھے کسی کو پہچان بھی نہیں سکتے۔ اسی دوران میں کوئی شخص محکم شاہ کا مرید ہونے کو آیا تو اس سے کہا: کلمہ پڑھو: لاالہ اللہ الا محکم الدین رسول اللہ۔ حضرت غوث علی شاہؒ نے کہا: بس صاحب! رسول تو مدینے والے کو ہی رہنے دیجیے، وہاں آپ کی دال نہیں گلے گی۔ آپ خدا ہی بنے رہیے۔ آپ سے پہلے بہت سے خدا گذر چکے ہیں۔

گجرات میں حضرت شاہ عالمؒ گجراتی کا عرس شروع ہوتا ہے تو ایک پرانے مندر سے چراغ لا کر درگاہ کے چراغ روشن کیے جاتے ہیں۔ گلبرگہ میں حضرت بندہ نواز گیسودرازؒ کے عرس کی رسمیں جھیلے سے شروع ہوتی ہیں اور مزار کے 66 گز اونچے گنبد پر پھولوں کی مالا چڑھائی جاتی ہے۔ یہ خدمت سیکڑوں سال سے ایک ہندو خاندان کے لوگ انجام دیتے ہیں۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کی درگاہ اجمیر میں، اور ان کے خلیفہ حضرت حمیدالدین صوفیؒ کی درگاہ ناگور (راجستھان) میں ہے۔ یہاں لنگر میں کبھی گوشت نہیں پکتا، صرف نمکین دلیا ہوتا ہے۔ جسے مسلم غیر مسلم سب کھا سکیں۔ ایسی مثالیں بھی آپ کو بہت ملیں گی اور اس بات کی تصدیق کریں گی کہ یہ درویش مشترکہ تہذیب، اعلیٰ انسانی قدر، اور مذہب کی سچی روح کے ترجمان تھے۔ حضرت بابا فریدالدین مسعود گنج شکرؒ بہت بڑے صوفی اور درویش ہیں جن کا پنجابی کلام گرو گرنتھ صاحب میں بھی شامل ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

دَر درویشی گاکھڑی، چلاں دنیا بھت ◉ بنھ اٹھائی پوٹلی، کتھے ونجاں گھت

درویشی کی منزل بہت دشوار ہے۔ اس پر دنیا والوں کی طرح نہیں چل سکتے۔ میں نے یہ گٹھری باندھی تو اسے لے کر کہاں جاؤں؟

کجھ نہ بُجھے، کجھ نہ سُجھے، دنیا گجھی بھاہ ◉ سائیں میرے، چنگا کیتا، نہیں تاں ہنبھی وِجھاں ہا

نہ کچھ پتا چلتا ہے نہ سجھائی دیتا ہے یہ دنیا ایک چھپی ہوئی آگ ہے۔ میرے رب! تو نے اچھا کیا کہ دنیا مجھے نہ دی ورنہ میں بھی اس میں جل جاتا۔

جنگل جنگل کیا بھویں، وَن کنڈا موڑیں ◉ وسی رب ہیا لیے، جنگل کیا ڈھونڈھیں!

جنگل جنگل گھوم کر کیوں پیروں سے کانٹے توڑتا ہے۔ اللہ تو دل میں بسا ہے، جنگل میں کیا ڈھونڈتا ہے؟

اک ناں آٹا اگلا، اکناں ناہیں لون ◉ اگے گئے سنجا پسن، چوٹا کھاسی کون!

ایک کے پاس ضرورت سے زیادہ آٹا ہے، دوسرے کو نمک کی ڈلی بھی نصیب نہیں۔ آگے جانے والوں کو پتا چلے گا کہ سزا کس کو ملنی ہے۔

میں جانیا دکھ مجھی کو، دکھ سبھائے جگ ◉ اچے چڑھ کے ویکھیا، تاں گھر گھر ایہا اگ

میں سمجھتا تھا کہ مجھی کو دکھ ہے۔ مگر ساری دنیا دکھی ہے۔ ذرا اونچے اٹھ کر دیکھا تو گھر گھر یہی آگ لگی ہوئی ہے!

اپنے پیرومرشد حضرت بابا فریدؒ کے بارے میں حضرت نظام الدین اولیاؒ نے فرمایا: شیخ کا معاملہ ہی اور تھا۔ انہوں نے خلق کو ترک کر کے ویرانے کو اختیار کیا تھا یعنی دہلی چھوڑ کر اجودھن میں جا بسے تھے اور درویشوں کی زنبیل کی روٹی پر یا جو چیزیں ان علاقے کے جنگلوں میں اگتی ہیں، جیسے پیلو، ڈیلے وغیرہ، ان پر قناعت کر لی تھی۔ اس کے باوجود خلقت تھی کہ دیوانہ وار ٹوٹی پڑتی تھی۔ خانقاہ کا دروازہ آدھی رات کے بعد بند ہوتا تھا، ورنہ ہر وقت کھلا رہتا تھا۔ کوئی شخص ان کی خدمت میں ایسا نہیں آتا تھا جسے کچھ مرحمت نہ فرماتے ہوں۔ عجب حوصلہ تھا اور عجب زندگانی، جو بنی آدم میں سے کسی کو میسر نہیں ہو سکتی۔ اگر شیخ کی خدمت میں کوئی ایسا شخص آتا تھا جو پہلے کبھی نہ آیا ہو، اور دوسرا وہ شخص موجود ہوتا جو برسوں کا حاضر باش ہو تو آپ بات چیت میں دونوں کے ساتھ برابر کا برتاؤ کرتے تھے اور دونوں پر آپ کی مہربانی یکساں ہوتی تھی۔ بابا صاحبؒ کی مبارک زندگی کا ایک ایک لمحہ عام انسانوں کی خدمت میں گذرتا تھا۔ قاضی حمید الدین ناگوریؒ کے ایک پوتے شرف الدین ناگور (راجستھان) میں رہتے تھے۔ وہ اس خیال سے کہ باباصاحبؒ کے مرید ہو جائیں، ناگور سے روانہ ہوئے۔ ان کے پاس ایک باندی تھی، جو انہوں نے سونکوں میں خریدی تھی۔ چلتے وقت اس باندی نے کہا کہ آپ حضرت بابا صاحب سے اپنی باندی کا سلام بھی کہہ دیں۔ اس نے اپنے ہاتھ سے بنی ہوئی ایک دستار بھی دی کہ یہ میری طرف سے شیخ کی خدمت میں پیش کر دیں۔ قاضی شرف الدین اجودھن آئے اور شیخ کی خدمت میں باریاب ہوئے تو بیٹھے بیٹھے اچانک دھیان آیا کہ میری باندی نے بھی حضرت کی خدمت میں سلام بھیجا تھا۔ عرض کیا: ''مخدوم، میری ایک باندی ناگور میں ہے۔ اس نے بھی آپ کو سلام کہلا بھیجا تھا، اور یہ دستار آپ کے لیے بھیجی تھی۔'' باباصاحبؒ نے فرمایا: ''اللہ اس کو آزاد کرے۔'' زبان مبارک سے یہ الفاظ نکلے تو قاضی شرف الدین نے باباصاحب کی مجلس سے باہر آ کر سوچا کہ شیخ نے اسے آزادی کی دعا دی ہے تو وہ ضرور آزاد ہو جائے گی مگر قیمتی باندی ہے۔ میں اسے فروخت کر دوں تو خریدنے والا ممکن ہے اسے آزاد کر دے۔ پھر خود ہی یہ سوچا کہ اگر باندی کسی دوسرے کے گھر جا کر آزاد ہو گی تو اس کا ثواب بھی آزاد کرنے والے کو ملے گا۔ یہ ثواب دوسرا کیوں پائے؟ میں ہی کیوں نہ حاصل کروں؟ یہ سب سوچ کر پھر باباصاحبؒ کی خدمت میں واپس آئے اور عرض کیا ''مخدوم کے صدقے میں اس باندی کو میں اسی وقت آزاد کرتا ہوں''۔ باباصاحبؒ نے خوش ہو کر فرمایا: ''اللہ تمہیں اس کی جزا دے!'' یہ باباصاحب کی روزمرہ زندگی کے واقعات میں سے ایک معمولی سا واقعہ ہے۔ لیکن ذرا غور فرمائیں تو بعض اہم پہلو روشن ہوں گے۔ اول یہ کہ اس باندی نے سلام عقیدت کہلا کر بھیجا تو باباصاحبؒ نے اسے محض ایک عقیدت مند کا سلام نہیں سمجھا، اس کی پوری معنویت کو اپنی ایمانی فراست یا کشف و کرامت سے سمجھ لیا۔ اس سلام کا آپ کے دل پر اثر ہوا، جو کسی کا درد، مجبوری یا بیکسی، تکلیف یا احتیاج دیکھ کر نہایت گہرا تاثر قبول کرتا تھا۔ آپ نے قاضی شرف الدین سے اس کے احوال کے بارے میں کوئی پوچھ تاچھ بھی نہیں کی، نہ ان سے فرمایا کہ تم اس کو آزاد کر دو۔ صرف

اس باندی کے حق میں آزادی کی دعا مانگی اور زبان مبارک سے نکلے ہوئے الفاظ نے قاضی شرف الدین کو مجبور کر دیا کہ وہ اسے فوراً آزاد کر دیں۔ درماندہ اور مجبور بندوں کی دستگیری اور امداد کرنے میں ان بزرگوں کے عظیم کارنامے ایسے ہی ہیں کہ ظاہر میں گویا کچھ نہیں ہو رہا ہے، مگر نفوذ اور تاثیر ایسی گہری کہ اس کا سرسری نظر میں اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ ان کی دعا تو دعا تھی، خود بابا صاحبؒ نے فرمایا: ''چالیس سال تک بندہ مسعود نے وہ کیا جو اللہ چاہتا تھا۔ اب اللہ وہ کرتا ہے جو بندہ مسعود چاہتا ہے''۔ ان کے نام میں وہ تاثیر پیدا ہو گئی تھی کہ خواجہ جہاں احمد ایاز عہد محمد بن تغلق کا بہت بڑا امیر تھا۔ وزیر اعظم بھی رہا تھا۔ حضرت برہان الدین غریب ہانسویؒ نے اپنی ایک مجلس میں بیان فرمایا کہ احمد ایاز کو پتھری کی شکایت ہو گئی تھی۔ دو تین دن سخت تکلیف رہی اور پیشاب نہیں ہوا۔ اس نے حضرت نظام الدینؒ کی خدمت میں دعا کے لیے درخواست بھیجی۔ انہوں نے پانی پر کچھ دم کر کے دے دیا۔ اللہ کے فضل سے فوراً آرام ہو گیا اور پتھری بھی پیشاب میں نکل گئی۔ کسی نے حضرت نظام الدینؒ سے پوچھا: آپ نے کون سی دعا پڑھ کر پانی پر دم کی تھی؟ حضرت نے مسکرا کر فرمایا: کوئی دعا نہیں تھی، میں نے تین بار اپنے شیخ کا نام لے کر پانی پر دم کر دیا تھا۔ یہ اس کی برکت تھی!

یہ واقعات محض کرامت کے قصے نہیں ہیں۔ ان کے پس منظر پر غور کیجیے اور دیکھیے کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ سماج کے مجبور، معذور اور مقہور لوگوں کی کس کس طرح امداد ہو رہی ہے۔ شاہان وقت کے خزانے بھرے ہوئے ہیں، مگر انہیں نہ اپنے عیش و نشاط اور ناؤ نوش سے فرصت ہے، نہ غریبوں اور مظلوموں کی دلداری و دستگیری کا ہوش ہے۔ مگر کچی مٹی کے مکان میں، چھپر تلے، ٹوٹے ہوئے بوریے پر بیٹھا ہوا ایک درویش صرف اپنی روحانی اور اخلاقی قوت سے کیسے کیسے مسائل حل کر رہا ہے، کس طرح دوسروں کا دکھ درد بانٹ رہا ہے!

جس شخص کی خانقاہ میں صبح سے رات تک ایسے دکھ درد کے مارے ہوئے، زمانے کے ستائے ہوئے، ضرورت زندگی کے محتاج، آسایشوں سے نا آشنا، فقرا، مساکین، مظلومین، بچھڑے ہوئے، اور شکستہ دل لوگوں کا مجمع لگا رہتا ہو، کیا آپ سمجھتے ہیں وہ سکھ چین کی زندگی گزارتا ہوگا؟ ان حالات نے بابا صاحبؒ کو بھی مجسم درد بنا دیا تھا۔ اجودھن میں دو بھائی تھے۔ دونوں لشکری تھے یا سرکاری دفتر میں کلرک تھے۔ ایک بھائی کو جس کا نام محمد شاہ غوری تھا ذکر و شغل کا ذوق پیدا ہوا تو اس نے نوکری سے استعفاد دے دیا اور اپنی بیوی بچوں کی دیکھ بھال اپنے بھائی کے سپرد کر دی۔ خود حضرت بابا صاحبؒ کی خدمت میں آ کر ان کا مرید ہو گیا اور خانقاہ میں رہنے لگا۔ کچھ دنوں کے بعد اس کا بھائی سخت بیمار ہوا۔ بچنے کی کوئی امید نہ رہی۔ یہ زار زار روتا ہوا بابا صاحبؒ کی خدمت میں آیا۔ حضرت نے پوچھا: کیا ہوا؟ کیوں پریشان ہو؟ عرض کیا: میرا بھائی میرے گھر کی دیکھ بھال کر رہا تھا اور میں دل جمعی سے ذکر و شغل میں لگا ہوا تھا۔ اب وہ مر رہا ہے۔ اسے نزع کے عالم میں چھوڑ کر آیا ہوں۔ اب مجھ سے عبادت و ریاضت نہ ہو سکے گی۔ بیوی بچے کہیں گے: ہمارے کھانے کو لاؤ تو مجھے فکر معاش میں سرگرداں پھرنا پڑے گا۔ بابا صاحبؒ نے فرمایا: ''محمد شاہ، جو کیفیت اس وقت تمہاری ہے، اللہ کی محبت میں میرا ہمیشہ یہی

حال رہتا ہے، مگر میں کسی سے کہتا نہیں۔ جاؤ تمہارا بھائی چنگا ہے۔ کھاٹ پر بیٹھا حریرہ پی رہا ہے''۔ محمد شاہ نے گھر آ کر دیکھا تو بھائی کو سنبھلا ہوا پایا۔

بابا صاحبؒ اپنی خانقاہ میں آنے والوں کو روحانی اور اخلاقی تعلیم بھی سیدھی سادی عوامی زبان میں دیتے تھے اور ان کی تربیت کرتے تھے۔ وہ پنجابی زبان کے پہلے شاعر ہیں جن کا کلام ہم تک پہنچا ہے۔ دیکھیے یہ تعلیم دے رہے ہیں کہ انسان کو دور اندیشی سے کام لینا چاہیے۔ کل کے لیے آج تیاری کرنی چاہیے۔ وہ کل اس دنیا کی زندگی کا بھی ہوسکتا ہے اور مرنے کے بعد آخرت کی زندگی کا بھی ہے

بیڑا بندھن نا سکیو بندھن کی بیلا ● بھر سرور جب اوچھلے تب ترن دو ہیلا

جن لوگوں کی روزمرہ زندگی کے کاروبار دریا اور دریائی سفر سے جڑے ہوں وہ اس تشبیہ کو پوری طرح سمجھ سکتے ہیں اور ان پر اس کا بھرپور اثر بھی ہوسکتا ہے۔ ایک ایسے معاشرے میں جہاں دولت سمٹ کر چند ہاتھوں میں ہو وہاں عام آدمی کو خودداری اور عزت نفس کی تعلیم ان لفظوں میں دیتے ہیں:

روکھی سوکھی کھائے کے ٹھنڈا پانی پی ● دیکھ پرائی چوپڑی مت ترسائے جی

روٹی میری کاٹھ دی لاون میری بھکھ ● جھان کھاندے چوپڑی کڑے سہیں گے دکھ

عام آدمیوں کو وہ ذکر اور جاپ بھی ان کی زبان میں بتاتے تھے کہ یوں جاپ کرو:

اتھے توں، اُتھے توں، جتھے دیکھوں توں ہی توں

اب ذرا یہ بھی دیکھ لیں کہ ان درویشوں کی تعلیم کیا تھی اور عام انسانوں کی سیرت و اخلاق اور روزمرہ کے معاملات پر ان کا کیسا اثر ہوتا تھا؟ حضرت نظام الدین اولیاؒ کو مرید کرنے کے بعد بابا صاحبؒ نے پہلی نصیحت یہ کی تھی کہ حقدار کو اس کا حق دینا چاہیے۔ غور کیجیے تو سماجی تعلقات میں 98 فیصد جھگڑے اسی لیے ہیں کہ ایک شخص دوسرے کا حق مار لیتا ہے۔ اگر صرف اسی ایک نصیحت پر ہر شخص سچے دل سے عمل کرنے لگے تو شاید پولیس کے محکمے کی ضرورت ہی باقی نہ رہے۔ وہ کہتے ہیں کہ علم سے زیادہ ضروری عمل ہے، اسی لیے صوفیہ نے کتابیں لکھنے یا منبر پر چڑھ کر وعظ کرنے سے زیادہ مفید اور ضروری یہ سمجھا کہ عمل کر کے دکھایا جائے۔ تیسری تعلیم ترک دنیا کی ہے، مگر یہ خاص لوگوں کے لیے ہے، جو اللہ کی محبت کے راستے میں قدم رکھتے ہیں۔ عام آدمی کے لیے اس کا مطلب غلط سمجھا جاتا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ دنیا کمائے، کھائے کھلائے، اپنی اور دوسروں کی ضرورت پر خرچ کرے، مگر اسے حرام اور ناجائز طریقوں سے دوسروں کا حق مار کر اندھا دھند نہ کمائے اور اس مال دنیا کی اس کے دل میں محبت نہ ہو۔ چوتھی تعلیم نفس کشی کی ہے۔ یعنی اپنے آپ کو کچھ سمجھنا کہ میں یہ کرلوں گا، میں وہ کر دوں گا۔ اسی سے سماجی رشتوں میں ٹکراؤ پیدا ہوتا ہے، اور یہ میں ہی آدمی کو ٹھور، سنگدل، بے رحم اور خود غرض بنا دیتا ہے۔ درویشوں کی تعلیم کی روح یہ ہے کہ آدمی ٹھور نہ ہو اور دوسروں کے دکھ کو بھی محسوس

کر سکے۔ صوفیہ اسی میں کو مارنے کے لیے ریاضتیں اور مجاہدے کرتے ہیں۔ انسان ہر دور میں بے رحم اور کٹھور رہا ہے۔ آج علم کی روشنی اتنی پھیل چکی ہے مگر کٹھورتا میں کمی نہیں آئی۔ بابا صاحبؒ نے فرمایا کہ دشمنوں کو خوش کرنا چاہیے۔ حضرت نظام الدین اولیاؒ نے فرمایا: اگر کوئی ہمارے راستے میں کانٹے بچھاتا ہے اور ہم بھی جواب میں کانٹے بچھا دیں تو ہر طرف کانٹے ہی کانٹے نظر آئیں گے۔ بہتر یہ ہے کہ کوئی کانٹے بچھاتا ہے تو ہم پھول بچھائیں۔ اس کا شر خود ختم ہو جائے گا۔ تصوف کا حاصل یہ ہے کہ دل میں نرمی اور گداز پیدا ہو، عبادت میں دکھاوا نہ ہو، اخلاص ہو اور اپنے اعمال کی خود نگرانی کرتا رہے۔ یہ یقین رکھے کہ رزق کا وعدہ اللہ نے کیا ہے اور اس کا وعدہ جھوٹا نہیں ہو سکتا۔ اس لیے روزی کمانے میں حرام اور ناجائز ذریعے اختیار نہ کرے۔ اسی کا نام توکل ہے۔ مال ہو تو اسے اپنے اوپر خرچ کرے۔ اپنے خرچ سے زیادہ ہو تو دوسروں کی ضرورت پوری کرے۔ حضرت نظام الدینؒ نے فرمایا کہ مال میں اگر کوئی راحت ہے تو اس کے جانے میں ہے آنے میں نہیں۔ اس کو مثال میں یوں سمجھیے کہ اگر آپ موٹر میں سفر کرنا چاہتے ہیں، یا اچھے بنگلے میں رہنا چاہتے ہیں، تو جب تک روپیہ خرچ نہ کریں گے نہ موٹر مل سکتی ہے، نہ بنگلہ بن سکتا ہے۔ جمع کرنے کے لیے سونا اور پتھر برابر ہیں، اس لیے کہ سونا اگر خرچ نہیں ہو رہا ہے تو وہ بھی پتھر کی طرح بے فیض ہے۔ بس اسے دیکھ دیکھ کر خوش ہوتے رہیے۔ حضرت نظام الدینؒ نے ہی یہ بھی فرمایا کہ اگر کسی شخص کا ستارہ عروج پر ہے اور دولت آ رہی ہے تو خوب خرچ کرے، کبھی نہیں گھٹے گی۔ اگر ستارہ زوال پر ہے اور دولت ہاتھوں سے جا رہی ہے، تب بھی خوب خرچ کرے کیوں کہ اسے تو جانا ہے۔ بجائے اس کے کہ دوسروں کے ہاتھوں سے اور ہماری ناخوشی سے خرچ ہو، خود ہم ہی اپنے ہاتھوں سے خوشی خوشی کیوں نہ خرچ کر دیں۔

پیر کی تین قسمیں بتائی گئی ہیں: ایک پیر پتا جو خود تیر سکتا ہے، دوسری کسی چیز کو نہیں ترا سکتا۔ دوسرا پیر پتھر جو خود بھی ڈوبتا ہے اور اپنے ساتھی کو بھی ڈبوتا ہے۔ تیسری قسم ہے پیر لکڑ جو خود بھی تیرے گا اور اپنے ساتھی کو بھی پار اتار دے گا۔ اس زمانے میں بہت سے لوگ پیری فقیری کی دکان کھول کر بیٹھ گئے ہیں مگر ایک بات یاد رکھنی چاہیے کہ آپ نے کبھی یہ نہ دیکھا ہوگا کہ کوئی پھیری والا آواز لگا کر ہیرے جواہرات یا سونا بیچ رہا ہے۔ معمولی چیزیں ہی چھڑک کر اور آواز لگا کر بیچی جاتی ہیں۔ اگر آپ کسی درویش سے ملنے کی آرزو رکھتے ہیں تو اسے کھوجنا پڑے گا۔ اور جب مل جائے گا تو آپ دیکھیں گے کہ زندگی میں ایک انقلاب آ گیا ہے۔

❁❁❁

اپنے بچوں کو اردو کی تعلیم دو
مٹ نہ جائے زباں دیکھتے دیکھتے

**حضرت سید شاہ محمد سیف الدین فردوسی**

سجادہ نشیں، خانقاہ معظم حضرت مخدوم جہاںؒ

بیت الشرف، خانقاہ محلہ، بہار شریف، نالندہ

# حضرت مخدوم جہاں رحمۃ اللہ علیہ اور عشق الٰہی

## عشق الٰہی کی حسین تفسیر:

حضرت مخدوم جہاں رحمۃ اللہ علیہ کا سینہ دقیق علوم و معارف کا ایسا خزینہ تھا جس میں نادر تحقیقی علوم اور وجد آفریں نکات بھرے پڑے تھے، ساتھ ہی ساتھ فیاض ازل نے اپنی فیاضی سے ان انمول باتوں کو آسان انداز میں بیان کرنے کا ملکہ بھی انہیں خوب خوب عطا فرمایا تھا، اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ ان کی تمام گفتگو اور ساری تحریریں تجربات و مشاہدات کی منزلوں سے گذری ہوئی، حقیقت کی کسوٹی پر پرکھی ہوئی معلوم ہوتی ہیں، اور یہ ان کی منفرد و خاص خوبی ہے کہ اگر شریعت و طریقت، معرفت و حقیقت کے کسی موضوع پر لکھنے کے لیے بطور مواد ان کی کتابوں کا مطالعہ کیا جائے تو اس موضوع پر تنوع کے ساتھ اس قدر بیش بہا معلومات جمع ہو جاتی ہیں کہ استفادہ کرنے والے کی سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ کن باتوں کو اخذ کیا جائے اور کن کو چھوڑا جائے۔ بیشک مخدوم جہاں رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کی بلاغت و فصاحت اور اس کی ندرت اور اچھوتا پن اپنے پڑھنے والوں کو صرف متحیر ہی نہیں کرتا بلکہ اس بات کی طرف راغب کرتا ہے کہ کیوں نہیں حضرت مخدوم جہاں رحمۃ اللہ علیہ کی ہر ایک بات کو اپنے مقالے کی زینت و روح بنا لیا جائے۔ کچھ ایسا ہی تجربہ مجھے اس موضوع پر لکھنے کے وقت ہو رہا ہے۔ یوں تو عشق کی تعریف پہلے ہی گذر چکی ہے لیکن تازہ مطالعہ سے ایسا لگا کہ یہ بات بالکل نرالے انداز میں حضرت مخدوم جہاں رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کی ہے۔

چنانچہ حضرت مخدوم جہاں رحمۃ اللہ علیہ اپنے مرید خاص حضرت مولانا مظفر بلخی رحمۃ اللہ علیہ کو ایک خط میں عشق کی تشریح و تفسیر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

> ہم عشق کی یہ تفسیر کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں بندہ کا اپنی حد سے گذر جانا عشق ہے۔ یہ حق ہے، بندہ اس صفت سے متصف ہو سکتا ہے جس کا ہم نے ذکر کیا۔ اس تقریر کا حاصل یہ ہے کہ تجاوز (حد سے بڑھنا) بندہ کی

جانب سے ہے۔ بندہ نے جب خدا کو دوست بنایا تو مقام بندگی سے تجاوز کر کے مقام محبی میں پہنچا اور جب اللہ تعالیٰ نے بندہ کو دوست بنایا تو بندہ مقام بندگی سے تجاوز کر کے مقام محبوبی میں پہنچا۔ یحبھم و یحبونہٗ (وہ ان سے محبت کرتا ہے اور وہ سب اس سے محبت کرتے ہیں) میں یہ معنی حاصل ہے۔ یہاں تک کہ ایک عزیز نے یحبھم و یحبونہٗ کا نام عشق رکھا ہے۔ تمام محققین کے نزدیک یہ مسلم ہے کہ حروف مقطعات کا اشارہ عشق الٰہی کی طرف ہے۔(مکتوبات بست و هشت:23)

## عشق و محبت کا رواج اور چلن حضور ﷺ کے مبارک زمانے سے ہوا:

یہ حضرت مخدوم جہاں رحمۃ اللہ علیہ کی خاص تحقیق ہے کہ آپ ﷺ کے دور مبارک میں ہی سب سے پہلے عشق و محبت کی باتیں واضح اور روشن ہو کر عام ہوئیں۔ دنیا کو سب سے پہلا سبق عشق و محبت کا آپ ﷺ ہی کے مکتب عشق سے ملا، اور اس مکتب عشق میں داخل ہونے والوں نے سبق محبت کو اس طرح پڑھ کر یاد کیا کہ پھر انہیں کبھی ایک لمحہ کے لیے بھی چھٹی نہیں ملی۔

؎ مکتب عشق کا دستور نرالا دیکھا　　اس کو چھٹی نہ ملی جس کو سبق یاد ہوا

مدینہ طیبہ کے ان بلند ہمت شاگردوں نے صُفّہ کے مکتب عشق کی چوکھٹ پر اور اس کے محسن و مشفق استاذ کے قدموں میں اپنا دیدہ و دل نثار کر دیا اور ان کی محبت کے طوق کو خوشی خوشی اس پختہ ارادہ و یقین کے ساتھ اپنے گلے میں ڈالا کہ خدا نہ کرے وہ کبھی اس طوق غلامی مصطفےٰ ﷺ سے آزاد ہوں! حضرت مخدوم جہاں رحمۃ اللہ علیہ اپنے محققانہ انداز میں اس بات کو یوں بیان کرتے ہیں:

> ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغامبران علیہم السلام تشریف لائے۔ حدیث عشق کے باب میں ایک ذرہ برابر زیادہ نہیں پیش فرمائے۔ ہمارے آقا محمد رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں یہ واضح، روشن اور ظاہر ہوا۔ پہلے ایک ذرہ تھا اب ہمارے حق میں سمندر بن گیا۔ (مکتوبات دو صدی:74)

## اگر وہ اپنے عشق کا ایک ذرہ ہی بھیج دیتا تو سارا جہان آشنا ہو جاتا:

عشق کا مقام کیا ہے اور وہ کس قدر و منزلت کی چیز ہے، اس کی افادیت و اہمیت کو بڑے محققانہ انداز میں حضرت مخدوم جہاں رحمۃ اللہ علیہ یوں بیان کرتے ہیں:

> نقطۂ نبوت کے سینکڑوں دانے لوگوں کے پاس بھیجے گئے لیکن جو بیگانے تھے وہ بیگانے ہی رہے، ذرہ برابر بھی آشنائی پیدا نہ ہوئی۔ اے کاش! اگر وہ اپنے عشق کا ایک ذرہ ہی بھیج دیتا تو کوئی بھی بیگانہ نہیں رہتا، سب آشنا ہو جاتے۔(فوائد رکنی:16)

## مطلوب طالب سے دور نہیں ہوتا:

طالب اپنی خودی اور نفس کی وجہ کر مطلوب و محبوب سے دور ہو سکتا ہے، لیکن مطلوب تو ہمہ وقت طالب کے ساتھ

ہے۔مخدوم جہاں رحمۃ اللہ علیہ کی زبان سے یوں سمجھیے:

مطلوب طالب سے دور نہیں ہوتا وھو معکم اینما کنتم (اور وہ تمہارے ساتھ ہے تم جہاں کہیں رہو)۔ہاں طالب مطلوب سے دور رہتا ہے اور اپنی خودی کی وجہ سے حجاب میں ہوا ہے۔اگر اپنی خودی اور ہستی کے خیال سے نکل آئے تو پھر مطلوب سامنے ہوتا ہے۔(فوائد رکنی 16)

## معشوق کی ہر ادا عاشق کے لیے محبوب ہو جائے:

مشہور حدیث ہے کہ من کان لہ المولیٰ فلہ الکل (جس کا مولیٰ ہو گیا سب کچھ اسی کا ہو گیا)۔دوسری حدیث کا مفہوم اور بھی زیادہ واضح ہے کہ جو بندہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں سب کچھ ختم کر کے بس اسی کا ہو کر رہ جاتا ہے یہاں تک کہ اس کا چلنا پھرنا، بولنا، اور سننا سب کچھ اسی کے لیے ہوتا ہے تو پھر اس بندۂ محبوب کے بارے میں اللہ سبحانہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اس کا کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اس کا ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے، اس کا پیر ہو جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے اور اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔اسی حدیث نبوی کی روشنی میں حضرت مخدوم جہاں رحمۃ اللہ اپنے چہیتے مرید حضرت مولانا مظفر بلخی رحمۃ اللہ کو یوں نصیحت فرماتے ہیں:

یہ بہت بڑی سعادت سمجھیے کہ عاشق خود کو معشوق میں گم کر دے، جو کچھ وہ کہے دوست کی زبان سے کہے، جو بھی وہ سنے معشوق کے کان سے سنے، اس کا ہر فعل و عمل معشوق کا فعل و عمل ہو۔(مکتوبات بست و ھشت 17)

## جان کی بازی لگائے بغیر محبوب کا حصول ناممکن:

محب صادق کے لیے ضروری ہے کہ وہ محبوب کے وصال کی خاطر نفس کافر کو مغلوب کرنے کی بلیغ کوشش کرے یہاں تک کے جان کی بازی لگا دے، جیسا کہ حضرت حسین نوشۂ توحید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ہر ایک چیز کسی نہ کسی چیز کے عوض حاصل ہو سکتی ہے، لیکن محبوب کو جان کی بازی ہارے بغیر نہیں پا سکتے۔جب تک جان سے اس کی راہ میں سخاوت و ایثار نہیں کرتے اور اپنے پورے اختیار سے دست بردار نہیں ہو جاتے (اس وقت تک) نہ اس کا ثمر پا سکتے ہیں اور نہ پھل کھا سکتے ہیں۔دع نفسک و تعال (اپنی جان کو چھوڑ دو اور چلے آؤ) یعنی محبوب کے وصال کی دعوت جان (نفس) کے ترک پر موقوف ہے۔

حضرت مخدوم جہاں رحمۃ اللہ علیہ کے تربیت یافتہ مرید کی مذکورہ بالا باتیں خود انہیں کے دستر خوان پر نعمت سے حاصل کی ہوئی نعمتیں ہیں۔حضرت مخدوم جہاں رحمۃ اللہ علیہ کی مندرجۂ ذیل تحریر سے اس کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے:

اے بھائی یہ (بات) تحقیق شدہ ہے کہ نفس کافر ہی سب سے بڑا حجاب ہے۔جس نے راہ روک رکھی ہے۔

تمام طالبان خدا، اور سالکین حق اسی نفس کافر کے ہاتھ سے خون کے گھونٹ پیتے رہے ہیں اور پی رہے ہیں اور پیتے رہیں گے اور کریں بھی تو کیا کریں؟ ابی اللہ ان یکون لصاحب النفس الیہ سبیلا (نفس والوں کو اللہ تعالیٰ اپنی طرف راہ نہیں دیتا ہے) سلطان العارفین حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی

مناجات میں فرمایا: الٰہی کیف الطریق الیک (اے اللہ تجھ تک پہنچنے کی کس طرح راہ ملتی ہے) جواب ملا دَعْ نفسک و تعال (اپنے نفس کو چھوڑ دو اور چلے آؤ):

اے بھائی اتنے سارے مجاہدے اور ریاضتیں جو وضع کی گئیں ہیں اور گوشہ نشینی، بھوک، پیاس جو رکھی گئی ہیں اس سے مقصود اس نفس کافر کو راہ سے اکھاڑ پھینکنا ہے۔ جب تک یہ نفس کافر نہیں ہٹتا بیچارہ طالب مطلوب تک نہیں پہنچتا۔ اسی لیے فقرا کہتے ہیں کہ ایک قدم اپنے نفس پر رکھو اور دوسرا قدم محبوب کی گلی میں۔ (مکتوبات بست و هشت: 51)

ایک دوسرے مکتوب میں انہی باتوں کو دوسرے انداز سے یوں سمجھاتے ہیں:

اے بھائی، اس کوشش میں نہ رہیں کہ بہت ساری (نوافل) نمازیں کیسے پڑھوں، بہت سے روزے کیوں کر رکھوں۔ ہاں اس بات کی کوشش کریں کہ اس نفس کافر کو اس راہ سے کیسے ہٹاؤں کیوں کہ اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کی راہ نہ آسمان میں ہے اور نہ زمین میں، نہ مغرب میں ہے اور نہ مشرق میں بلکہ اللہ تعالیٰ کی راہ خود تمہارے اندر ہے۔ پہلے قرآن سے سنیے وفی انفسکم افلا تبصرون (میں تو تمہارے اندر ہی ہوں مگر تم دیکھتے نہیں)۔ (مکتوب بست و هشت: 41)

## اپنی خودی سے نکل جانا ہی عشق ہے:

عشق کی وادی میں قدم رکھنے کے وقت حضرت مخدوم جہاں رحمۃ اللہ علیہ ایک دوسرے عزیز کو اپنی خودی سے نکل جانے کی نصیحت کرتے ہیں تاکہ وہ بآسانی منزل مقصود تک پہنچ جائے اور دوست کے جمال باکمال کو بے حجابانہ دیکھ سکے یہ بہت بڑی سعادت اور عظیم دولت ہے جس کی تمنا میں نہ جانے کتنے مردانِ ہمت نے خون جگر پیا ہے۔ لیجیے اس بات کو انہی کی زبانی سماعت فرمائیے، کیا خوب فرماتے ہیں:

اے بھائی، خودی سے نکل جاؤ اور اپنے آپ کو عشق کے حوالے کر دو۔ جیسے ہی تم نے اپنے آپ کو عشق کے حوالے کیا ویسے ہی منزل مقصود پر پہنچ جاؤ گے۔ جانتے ہو اس راہ میں جو اتنے سارے پردے پڑے ہوئے ہیں ان کا مقصد کیا ہے۔ ان کا مقصد یہ ہے کہ عاشق کی نگاہ روز بروز پختہ ہو جائے تاکہ دوست کے جمال باکمال کو بے حجابانہ دیکھ سکے۔ (فوائد رکنی: 1)

## محبّ کی نگاہ محبوب کی خواہش اور مراد پر ہونی چاہیے:

جب محبّ صادق محبوب ازلی (اللہ تعالیٰ) کو اسی کی خوشی و رضا کی خاطر دوست رکھتا ہے تو اس کے نزدیک وصل و ہجر اور رد و قبول سب برابر ہوتے ہیں۔ اس میں کوئی فرق نہیں ہوتا بلکہ طالب کے لیے اس کی راہ میں سب کچھ کھو دینا ہی سب کچھ پالینا ہے۔ عاشق صادق جب تک محبوب کی محبت میں اس کی مرادوں پر اپنی مراد کو فدا نہیں کر دیتا وہ صدق کے مقام میں صادق نہیں ہوتا۔ یہ باتیں حضرت مخدوم جہاں رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں میں مختلف اسلوب و عنوان سے بے شمار جگہوں پر ملتی ہیں جو قارئین کو شوق مطالعہ کی دعوت دیتی ہیں، چنانچہ اس انداز فدائیت کے بارے میں حضرت مخدوم جہاں رحمۃ اللہ علیہ

اپنے چہیتے مرید حضرت مولانا مظفر بلخی رحمۃ اللہ کو اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

عاشق اپنی مراد اور مقصد کی برآری میں کوشاں رہتا ہے تو اسے وصل کا خلعت ہرگز نصیب نہیں ہوگا۔ عاشق کو چاہیے کہ اپنی ہمت معشوق کی مراد پوری کرنے میں لگائے۔ (مکتوبات بست و هشت:7)

اسی بات کو ایک دوسری جگہ حضرت مخدوم جہاں رحمۃ اللہ یوں بیان کرتے ہیں:

مولانا مظفر! اس راہ میں سب کچھ کھو دینا ہی سب کچھ پالینا ہے۔ جس نے سب کچھ کھو دیا اس نے سب کچھ پالیا۔ (مکتوبات بست و هشت:6)

مولانا موصوف رحمۃ اللہ کے نام ایک دوسرے مکتوب میں ایک لطیف نکتے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بڑے پیارے اور دلکش انداز میں حضرت مخدوم جہاں رحمۃ اللہ یوں مخاطب ہیں:

عاشق کو چاہیے کہ کسی نہ کسی طرح خود کو معشوق کے لائق بنالے۔ اگر معشوق کے لطف و مہر کے لائق ہوا تو معشوق سے اس کی مراد پوری ہوگی اور اگر اس کے قہر کے لائق ہوا تو اس سے معشوق کی مراد پوری ہوگی اور اس مراد کا کیا کہنا جو عاشق سے معشوق کی پوری ہو۔ والمحب الصادق من یجعل مراده فداء مراده (محب صادق وہ ہے جو اپنی مرادوں کو محبوب کی مراد پر فدا کردے)۔ (مکتوبات بست و هشت:2)

## عشاق کو مناجات میں ایسی لذت ملتی ہے جس پر ساری لذتیں قربان:

عاشق الٰہی جب کوچۂ عشق میں قدم رکھتا ہے اسی وقت سے اس کے اندر محبوب و معشوق سے شرف ہمکلامی کا جذبہ، اس کے دیدار جمال کا شوق پروان چڑھنے لگتا ہے، لیکن اس مقام و مرتبہ تک پہنچنا کچھ آسان نہیں۔ اس کے لیے بڑی جد و جہد، سخت ترین محنت اور بلند حوصلہ کے ساتھ جان و تن کی بازی لگانی پڑتی ہے، آگ کے دریا سے گذرنا پڑتا ہے، مصیبتوں کے پہاڑ طے کرنے ہوتے ہیں تب جاکر اس عاشق صادق کے حصہ و نصیب میں محبوب کی یاد و ذکر سے مؤانست محبت ہوتی ہے اور مناجات میں ایسی لذت ملتی ہے جس پر دین و دنیا کی لذتیں قربان ہو جائیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ سے بڑھ کر کون ایسا عاشق الٰہی محب صادق ہوگا جس کی آنکھیں دیدار جمال با کمال کے پر لطف نظارہ سے مشرف ہوئی ہوں گی اور کلام ازلی کی سماعت سے گوشہائے مبارک مانوس ہوئے ہوں گے؟ جب ان کا حال یہ تھا کہ مناجات کے وقت دوران نماز دیدار الٰہی میں اس طرح کھوئے ہوتے کہ ساری رات نمازوں میں گذر جاتی۔ قدم مبارک میں ورم آجاتا مگر آپ ﷺ کو تکلیف کا احساس تک نہیں ہوتا بلکہ آپ ﷺ اس تکلیف میں راحت و آرام محسوس کرتے۔ آپ ﷺ کے علاوہ صحابۂ کرام، اولیائے کاملین جو اپنے مقام کے اعتبار سے قربت خداوندی کی لذت سے آشنا تھے، ان کی نمازوں اور مناجات کا بھی حال یہی تھا اور آج بھی جو عاشق صادق ہیں اور اس راہ سلوک میں قدم بڑھا چکے ہیں وہ بھی اپنے حال و مقام کے اعتبار سے ان اللہ والوں کی جوتیوں کی خاک کے طفیل اس لذت سے پوری طرح باخبر ہیں۔ ان کی نمازیں بھی ان کی

آنکھوں کی ٹھنڈک اور مناجات دل کا سرور ہوتی ہیں۔ایسے ہی لوگوں کی مناجات اور آہ وزاری کی کیفیات واحوال کو حضرتِ مخدوم جہاں رحمۃ اللہ علیہ نے جو خود اس لذت سے بخوبی آشنا تھے اور آج بھی راجگیر کے پہاڑ کا وہ غار اور اپنے زمانے میں مشہور بہیا کے سنسان جنگل کا وہ حصہ بطور گواہ موجود ہے اور عقلمندوں اور دیوانوں دونوں کے لیے وہ جگہیں محبت کی تابندہ نقوش بن چکی ہیں، جہاں جانے کے بعد یہ احساس ہوتا ہے کہ اللہ کے ایک بندے نے چند شب و روز ہی نہیں بلکہ اپنی چالیس برسوں کی زندگی کا پورا حصہ سب سے کٹ کر، بس اسی کے ہوکر، ہر چیز سے تعلق ختم کر کے کیسے گذارا؟ آج بھی ان سجدوں کے نشان پر نہ جانے کتنے لاکھوں سجدے ہو چکے ہیں اور قیامت تک صاحب نظر سجدے کرتے رہیں گے۔ بقول شاعر ؎ بر زمینِ که نشانِ کف پائے تو بود ❁ سالها سجدهٔ صاحب نظران خواهد بود (انشاء الله تعالیٰ)۔آج بھی ان پہاڑوں کے سینوں سے صدیاں گذر جانے کے بعد بھی ایسی خوشبو اٹھ رہی ہے جس سے نہ صرف مشام جاں معطر ہو جاتے ہیں بلکہ وہ اس بات کی دعوتِ فکر دیتی ہے کہ زندگی کا ایک طویل عرصہ اللہ تعالیٰ کے ایک مخلص اور محبوب بندے حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ نے کس طرح گذارا اور ان کی راتیں سخت سردیوں میں نرم وگرم بستر کی بجائے ٹھنڈے پتھر پر کیسے گذرتی تھیں؟ خود آپ کے مکتوب سے ان سوالوں کا جواب مل جاتا ہے کہ عاشق صادق کی شب بیداری وآہ سحر گاہی اور اس کی دعا و مناجات کی لذت واقعۃً ایسی ہی ہوتی ہے کہ جس پر دین و دنیا کی لذتیں قربان ہو جائیں، چنانچہ اپنے تجربات کی روشنی میں اس بات کو حضرت مخدوم جہاں رحمۃ اللہ علیہ یوں بیان کرتے ہیں:

> محبت کی علامتوں میں سے ایک علامت یہ ہے کہ محبوب کے ساتھ خلوتوں میں مناجات کے وقت حد درجہ کی مؤانست ہو اور جب محبوب کے ساتھ خلوت نصیب ہو تو اس میں ایسی لذت پائے جس پر دین و دنیا کی لذتیں قربان ہو جائیں۔(مکتوبات صدی:47)

آگے اسی مکتوب میں اس بات کی مزید وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> اے بھائی! بعض لوگوں کو مناجات میں محبت کا اس حد تک مزہ ملا ہے کہ ان کا سارا گھر جل کر خاک ہو گیا اور ان کو اس کی کچھ خبر نہیں ہوئی اور بعضوں کا پاؤں نماز کی حالت میں کسی بیماری کی وجہ سے کاٹا گیا اور ان کو اس کا مطلق احساس تک نہیں ہوا۔تو جب انس و محبت کا غلبہ ہوتا ہے تو مناجات و خلوت اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک بن جاتی ہے، اس کے دل سے جملہ افکار دور ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ دنیا کا کوئی کام وہ نہ جانے گا جب تک کہ چند بار اس کے کان میں نہ کہا جائے۔جب خدا کا عاشق کسی سے بات بھی کرتا ہے تو اس کا باطن خدا کے ذکر میں مشغول ہوتا ہے،لہٰذا محبت کے یہ معنی ہیں کہ کرنے والے کو سوائے اپنے محبوب کے کبھی سکون و آرام نہیں۔(مکتوبات صدی:47)

## عقل و عشق میں فرق و امتیاز:

عقل و عشق کے طور و طریق میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔عقل کے ذریعہ عشق کی لازوال دولت حاصل نہیں

کی جاسکتی ہے۔ عقلمندی کا تقاضا مضرت و تکلیف سے بچنا اور نفع اٹھانا ہے اور عشق کا تقاضا خود کو تکلیف و مشقت میں ڈالنا اور مصیبت کو گلے لگانا ہے۔ عشاق اپنی دیوانگی کی صفت کی وجہ سے ہجر و فراق، بلا و مصیبت اور درد نایافت کے خوگر ہوتے ہیں۔ حسرت و محرومی اور غم و اندوہ ان کی روح کی غذا ہوتے ہیں، اور عقل و خرد والے اپنی خواہش و مراد کے متمنی، راحت و آرام اور چین و سکون کے طلبگار ہوتے ہیں اور بلا و مصیبت سے دور رہ کر وصال محبوب کے خواہشمند رہتے ہیں۔ عشق کہتا ہے کہ محبوب کے سوا جو کچھ ہے سب کو جلا کر خاک کر دو، لٹا دو اور ہر چیز سے رخ موڑ کر بے خوف و خطر بحر عشق میں کود پڑو ؎

بے خطر کود پڑا، آتش نمرود میں عشق    عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی

عاقل انجام کو دیکھتا ہے اور عقل کی ترازو سے پہاڑ کو تولنا چاہتا ہے جو نا ممکن ہے۔ انہی دونوں باتوں کے فرق کو حضرت مخدوم جہاں رحمۃ اللہ آسان انداز میں مولانا مظفر بلخی رحمۃ اللہ کو یوں سمجھاتے ہیں:

عقل و عشق کے درمیان جو اختلاف ہے وہ اس سبب سے ہے کہ عقل کے طور و طریق میں دونوں چیزیں محال اور ناممکن ہیں اور عشق کے طور میں تقسیم نہیں ہے بلکہ سب کچھ ممکن ہے اور یہی وہ بات ہے کہ عاشقوں کے نزدیک رد و قبول، منع و عطا اور وفا و جفا سب ایک ہیں اور یکساں ہیں۔ (مکتوبات بست و ہشت:22)

ایک دوسرے مکتوب میں حضرت مولانا مظفر بلخی رحمۃ اللہ ہی کو عقل و عشق کے طریقوں کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

عقل کے طور طریقے دوسرے ہیں اور عشق کے طور و انداز دوسرے ہیں العشق جنون الھی۔ (عشق اللہ کا جنون ہے)۔ عاقل پر جو پابندیاں ہیں وہ دیوانوں پر نہیں۔ (مکتوبات بست و ہشت:25)

اسی مکتوب میں مزید فرماتے ہیں:

اے بھائی، جہاں عشق کا طریقہ رائج ہے وہاں عقل کہاں! یہ سب جو کہا گیا وہ اس حدیث شریف کے ضمن میں ہے کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ ان اللہ لا یواخذ العشاق بما صدر منھم (عاشقوں سے جو کچھ صادر ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ بیشک اس پر ان سے کوئی مواخذہ نہیں کرتا) جو کچھ ان سے صادر ہو جاتا ہے وہ بے اختیاری اور بے خبری میں ہو جاتا ہے۔

اسی طرح جب ہم حضرت مخدوم جہاں رحمۃ اللہ کے خلیفۂ ارشد حضرت مولانا مظفر بلخی رحمۃ اللہ کے مکتوبات میں عقل و عشق کے درمیان امتیاز کی تحقیق کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ مخدوم جہاں رحمۃ اللہ کی باتیں، ان کا انداز فکر، تدبر و تحقیق کا آسان انداز ان کے رگ و پے میں سما گیا تھا۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ مخدوم جہاں رحمۃ اللہ کی طرح ان کے یہاں بھی عقل و عشق کے درمیان امتیاز کا واضح ثبوت ملتا ہے جیسا کہ وہ بھی اپنے مکتوب میں ایک مرید کو تحریر فرماتے ہیں:

برادر دینی معین الدین، اپنے دوست مظفر شمس کی طرف سے سلام و دعا مطالعہ کرو۔

تمہیں معلوم ہو کہ عاقلوں کی نماز پانی کے ساتھ طہارت کرنے سے ہوتی ہے اور اگر پانی موجود نہ ہو تو تیمم کرنے

ہے، اور عاشقوں کی نماز مـاسـوی الـلّـٰه (اللہ تعالیٰ کے سوا جو کچھ ہے) سے طہارت کے ساتھ ہوتی ہے۔ جب (عشاق) یوں وضو کرتے ہیں تو صلوٰۃ باللّٰہ پڑھتے ہیں المصلی یناجی ربه (نمازی نماز میں اپنے رب سے سرگوشی کرتے ہیں) خدا سے راز کہتے ہیں، جس نماز میں کہ راز نہیں ہے تم یقین جانو کہ وہ نماز نماز نہیں ہے۔

- لیکن یہ عاشقوں کا حصہ ہے، عاقلوں کا حصہ نہیں ہے۔ ظاہر کی ویرانیاں درکار ہیں تا کہ باطن کی آبادیاں ظاہر ہوں تب کہیں ایسی نماز تمہیں محرم راز کرے گی۔

ای خدا بر عاشقان خوشنود باد عاشقان را عاقبت محمود باد

(اے خدا تو عاشقوں سے شاد ہو، عاشقوں کی عاقبت محمود ہو۔) (مکتوبات مولانا مظفر بلخی رحمۃ اللہ علیہ: 90)

## عشاق اپنی جانیں اس طرح نچھاور کرتے ہیں کہ ملک الموت کو بھی خبر نہیں ہوتی:

عشق نام ہے بلا واسطہ محبت کا، جس میں محب اور محبوب کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہو، یہاں تک کہ اگر اس کی راہ میں جان بھی دینی ہو تو وہ بھی ملک الموت کی وساطت کے بغیر۔ یہ مقام اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جب محب اپنی مشتاقی اور چاہت میں کاملیت کی انتہا کو پہنچ جائے، چنانچہ جب وہ اس مقام پر فائز ہو جاتا ہے تو اسے محبوبیت کی سعادت سے سرفراز کیا جاتا ہے، یہاں تک کہ اس کا معاملہ محبوب سے براہ راست ہو جاتا ہے اور درمیان میں کوئی واسطہ نہیں رہتا، جیسا کہ حضرت مخدوم جہاں رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

> تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ جب خدا کی محبت اور اس کے عشق کی طلب کا غلبہ ہو گا تو درمیان سے حجاب اٹھا دیں گے یہاں تک کے مشاہدۂ دوست میں ایک جان کیا اگر سینکڑوں جانیں بھی ہوں تو وہ بھی ملک الموت کی وساطت کے بغیر دوست کے حوالے کر دیں گے اور ملک الموت کو اس کی خبر بھی نہیں ہوگی۔ اس وقت ساتوں آسمانوں میں یہ ندا کر دی جاتی ہے کہ وصل الحبیب الی الحبیب (دوست دوست سے مل گیا)۔ طالب نے مطلوب کو پالیا درمیان میں کوئی واسطہ باقی نہیں رہا۔ (فوائد رکنی: 3)

## عاشقوں کی قسمت میں راحت وشادمانی کہاں:

عاشقوں کی قسمت میں آرام و راحت اور شادمانی نہیں ہوتی بلکہ ہر وقت سرگردانی و پریشانی کے ساتھ اپنے غم و الم میں ڈوبے رہنا ان کا مقدر ہوتا ہے۔ اپنے مخصوص انداز میں حضرت مخدوم جہاں رحمۃ اللہ علیہ اس بات کو یوں تحریر فرماتے ہیں:

> اے بھائی، یہاں آرام و سکون اور خوشی وشادمانی کہاں! نقل ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے ایک روز حضرت جبریل علیہ السلام سے دریافت فرمایا کہ اے بھائی جبریل، کہو آج کل کیسی گذر رہی ہے اور تمہارے معاملات کا کیا حال ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ، جب سے ہماری جماعت کے ایک فرد کو مردود بارگاہ کیا گیا ہے، کسی کو بھی ہوش نہیں ہے اور کوئی بھی اطمینان وسکون سے نہیں ہے۔ اب سمجھ جاؤ کہ ہم بے اقبالوں کو کیا کرنا

چاہیے۔ جب تک موقع ہے، جہاں تک ممکن ہو اور جتنا ہو سکے دن رات اپنا غم کرتے رہو، اپنی فکر میں لگے رہو اور وقت بوقت حسرت کی خاک سر پر ڈالتے رہو۔ (فوائد رکنی: 5)

## اللہ تعالیٰ کے بغیر کسی حال میں بھی نہیں رہا جا سکتا ہے:

حضرت مخدوم جہاں رحمۃ اللہ کی کتابوں کے عمیق مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ لفظ کُن کے تحت جتنی بھی چیزیں وجود میں آئی ہیں اور اپنی پیشانی پر مخلوق ہونے کا داغ رکھتی ہیں عاشقانِ بارگاہ اِلٰہ اپنی نگاہ اور توجہ ان تمام چیزوں کی طرف سے ہٹا کر صرف اور صرف ان چیزوں کے خالق کی طرف رکھتے ہیں اور ان کی زندگی کی صبح و شام اسی کوشش و جدوجہد میں گذر جاتی ہے کہ محبوب کے بغیر ایک لمحہ بھی نہیں رہا جا سکتا۔ ان تمام باتوں کو اس قدر بلاغت اور زور قلم کے ساتھ حضرت مخدوم جہاں رحمۃ اللہ نے لکھا ہے کہ شاید ایسی تحریریں دنیائے علم و ادب کے ذخیرے میں ڈھونڈنے سے بھی نہیں مل سکتیں۔ حقیر کاتب حروف کا جی چاہتا ہے کہ قارئین کے استفادہ کے لیے پوری عبارت نقل کی جائے۔ بلاشبہ وہ اس لائق ہے کہ بار بار لطف کے ساتھ پڑھی جائے تاکہ عاشقانِ الٰہی کے احوال و کوائف اور ان کی بلند نگاہی اور عالی ہمتی کے بارے میں گراں قدر معلومات حاصل ہو سکیں۔ یقیناً علم و معرفت کی یہ باتیں ہمارے جیسے دل ناتواں والوں کے لیے سودمند و حوصلہ بخش ہوں گی:

> اے بھائی، تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اس راہ عشق کے لیے تجرید اور تفرید شرط ہے۔ تمام تعلقات اور مخلوقات سے کنارہ کش ہو جانا تجرید ہے اور اپنے آپ سے جدا ہو جانا تفرید ہے۔ نہ دل میں غبار ہو، نہ پشت پر بار ہو، نہ کسی شخصیت میں شمار ہو، نہ سینوں میں خواہشوں کا انبار ہو نہ کسی مخلوق سے کوئی سروکار ہو۔ اس کی ہمت عرش کے کنگرہ سے بھی بلند ہو، دونوں جہاں سے اس کو وحشت ہو، اپنی مراد (یعنی محبوب) سے انسیت ہو۔ اگر دونوں جہاں بخش دیا جائے اور محبوب کا وصل حاصل نہ ہو تو کوئی خوشی خوشی نہ رہے، اور اگر دونوں جہان چھین لیا جائے اور محبوب مل جائے تو پھر کوئی غم غم نہ رہے۔ کسی بزرگ نے کہا ہے کہ لا وحشة مع اللّٰه ولا راحة مع غير الله (اللہ کی معیت میں کوئی وحشت و پریشانی نہیں اور غیر اللہ کی معیت میں کوئی راحت و شادمانی نہیں)۔ جس نے بھی کہا ہے، خوب کہا ہے ۔

> با تو دل مسجد است و بی تو کنشت  بی تو دل دوزخ است و با تو بهشت
>
> یعنی اگر آپ ساتھ ہیں تو یہ دل مسجد ہے ورنہ یہی دل آتش کدہ ہے۔ بغیر آپ کے یہ جہنم ہے اور آپ مل گئے تو پھر یہی بہشت ہے۔
>
> اے بھائی! اللہ تعالیٰ کے سوا جتنی چیزیں ہیں ان کے بغیر تو گذارا ممکن ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کے بغیر کسی حال میں بھی نہیں رہا جا سکتا۔ جیسے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا گیا۔ انا بدک اللازم (یعنی میں تمہارے لیے ضروری و لازم ہوں)۔ سب سے چھٹکارا ہو سکتا ہے لیکن میرے بغیر گذر نہیں ہو سکتی۔ جب اس منزل پر سالک پہنچتا ہے، تو اس وقت دعوے کی ساری تختیاں توڑ دیتا ہے، من و تو کی آنکھیں نکال دیتا ہے، اس کی نگاہ میں موت و حیات

یکساں ہو جاتی ہے، ردوقبول اور مدح وذم سب اس کی ترازو کے پلے پر برابر ہو جاتے ہیں۔اس کے دل میں بہشت ودوزخ کا گذر نہیں ہوتا،اس کے سینے میں دنیا وآخرت کے لیے کوئی جگہ نہیں رہتی،خوراک وپوشاک کے لیے کسی مخلوق کا احسان مند نہیں ہوتا،وہ بلند ہمت غوطہ خور،بحر محیط میں جان کی بازی لگا دیتا ہے اور اس کے عوض میں گوہر شب افروز حاصل کرتا ہے۔ بھلا ایسا شخص بوڑھی عورت کے مختصر سے چراغ کے دھوئیں پر کیا جان دے گا! اس کا مقصود تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ ہوتی ہے۔اس کا ہاتھ ماسوئ اللہ کی طرف نہیں بڑھتا۔اس کے طلب کا پاؤں ہمیشہ آگے کی طرف ہی بڑھتا رہتا ہے۔(فوائد رکنی،فائدہ:7)

## عشق کی ابتدا اور اس کا انجام:

مکتب عشق کا عجب دستور ہے کہ پہلے آدمی کو عشق کی باتیں سکھائی جاتی ہیں پھر اس راہ پر چلا کر عشق کا خوگر بنایا جاتا ہے۔ جب اس کے سر میں اس کا سودا سما جاتا ہے تو وہ عشق اس کی روح کی غذا بن جاتا ہے، یہاں تک کہ اس پر نوازشات اور مہربانیوں کی بارش شروع ہو جاتی ہے،قربت ونزدیکی کی خوشخبری سنائی جاتی ہے،شربت وصال کی لذت سے آشنا کیا جاتا ہے۔ پھر اچانک اس بیچارہ عاشق سے رخ موڑ کر نوازش کی بجائے قہر وجلال، وصل کی بجائے ہجر وفراق میں مبتلا کر کے چھوڑ دیا جاتا ہے۔ سبحان اللہ ! عجب اس کی شان معشوقی ومحبوبی ہے اور عجب ہے عاشق کی حیرانی وسرگردانی! انہی باتوں کی عکاسی حضرت مخدوم جہاں رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب کی ہے:

عاشق کی بنیاد ہی اس بات پر ہوتی ہے کہ اس کے ساتھ پہلے مہربانی کا سلوک ہوتا ہے پھر آخر میں اس سے منہ پھیر لیا جاتا ہے۔اس کو وصال سے آشنا کرتے ہیں اور آخر میں ہجر وفراق سے گزارتے ہیں۔جس طرح باز کو پہلے لطف وکرم کا سلوک کرکے قید کرتے ہیں اس کے بعد اس کی آنکھیں دردناک انداز میں سی دیتے ہیں۔ پھر شکار کرنا سکھاتے ہیں۔ویسا ہی معاملہ عاشقوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ العشق اولہ ختلٌ و آخرہ قتلٌ (عشق وہ ہے جس کی ابتدا میں دھوکا اور فریب ہے اور اس کی انتہا قتل پر ہے) یہی راز ہے جس سے حضرت کلیم اللہ کے شہباز وجود کو وکلمہ ربہٗ کے خوشگوار لقمے سے شکار کرلیا گیا اور جب انہوں نے خوش ہو کر دیدار کی تمنا کی ارنی انظر الیک تو خیاط قضا نے لن ترانی (یعنی تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے) کی سوئی سے ان کی تمناؤں کی مسرت بھری آنکھوں کو سی دیا تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ عشق ابتدا میں فریب اور آخر میں قتل ہے۔اے کلیم،آپ کی آنکھوں کو نور تجلی سے منور کرنے کے بعد لن ترانی کی سوئی سے اس لیے مجروح کیا گیا تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ عشق کی بنیاد فریب پر ہے،اے خلیل،آپ کے صدف وجود سے ایک محبوب کے وجود کا موتی ظاہر کیا گیا اور پھر اس پر چھری چلا دی گئی تاکہ معلوم ہو جائے کہ عشق کی بنیاد فریب پر ہے۔اے مسیح،آپ تو مبشر اول اور خلاصۂ وجود ہیں اور آپ کو امتحان کی سولی پر چڑھایا گیا تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ عشق کی بنیاد فریب پر ہے۔اے حبیب اکرم رسول معظم ﷺ،آپ تو مسند نبوت ورسالت کے صدر نشیں ہیں اور آپ پر مشرکین نے دشمنی سے پتھر برسائے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ عشق کی بنیاد فریب پر ہے۔اے عارفان الٰہ،آپ کے دل کو ایمان وایقان کے نور سے منور فرمانے کے بعد

قہر کی آگ سے جلایا نہیں جاتا، مگر ایسا صرف اس لیے کیا گیا کہ یہ معلوم ہو جائے کہ عشق کی بنیاد فریب پر ہے۔ اے محبان خدا! آپ کی جان کو قربت کے شرف سے مشرف کرنے کے بعد انتظار کی منزل سے گزارا نہیں جاتا، مگر ایسا صرف اس لیے کیا گیا کہ یہ معلوم ہو جائے کہ عشق کی بنیاد فریب پر ہے۔ (فوائد رکنی: 17)

حضرت مخدوم جہاں اور عشق الٰہی کے عنوان کے تحت حضرت مخدوم جہاں رحمۃ اللہ علیہ کے پیغام محبت کی روشنی میں عشق جیسی لازوال نعمت کی اہمیت وقدر و قیمت کا تذکرہ، عاشق الٰہی کے مقام و مرتبہ کا بیان اور حصول عشق میں پیش آمدہ مشکل ترین حالات و کیفیات اور نازک ترین احساسات کا علم اور اس کی دو گونا گوں پیچیدگیاں جو الطاف وعنایات اور قہر و عتاب سے دوچار ہونے کے نتیجے میں ایک عاشق کو راہ عشق میں پیش آتی ہیں اور قدم قدم پر ان سے سابقہ پڑتا ہے ان کا قدرے تفصیل کے ساتھ قبل کی دو قسطوں میں ذکر ہو چکا ہے۔ اب حضرت مخدوم جہاں رحمۃ اللہ علیہ کے علم و فکر اور تجربات کی روشنی میں اس بات کو معلوم کرنا ہے کہ جب عشق اتنی ہی انمول و نایاب دولت ہے تو پھر اس کو حاصل کیسے کیا جا سکتا ہے۔ ایک عاشق کے لیے اس کا حصول کیوں کر ممکن ہے، اس کے لیے کیا کچھ کرنا ہوگا تاکہ عاشق کی مراد معشوق سے اور معشوق کی مراد اس سے بآسانی پوری ہو اور اس مراد کا کیا کہنا جو ان دونوں کی ایک دوسرے سے پوری ہوتی ہے۔ دراصل وہی مراد تو بندۂ مومن کا مقصد حیات اور اس کے عشق کی معراج ہے۔

حضرت مخدوم جہاں رحمۃ اللہ علیہ ایسے صاحبان ہمت و عاشقان الٰہ کے سامنے حصول عشق کا باب یوں کھولتے ہیں۔

## عاشق کی کامیابی طلب پر منحصر ہے:

برادر عزیز شمس الدین سلمۂ اللہ تعالیٰ!

اس حقیقت کو جانو کہ تم پر خدا کی طلب سے بڑھ کر اور کوئی فرض نہیں ہے۔ اگر بازار جاؤ تو اس کو تلاش کرو۔ جب گھر آؤ تو اس کو ڈھونڈو اور اگر مسجد میں جاؤ تو اس کی جستجو کرو اور اگر شراب خانے میں گذر ہو تو اسی کو چاہو۔ اگر تمہاری جان لینے کے لیے ملک الموت آئے تو اس وقت بھی طلب سے نہ رکو اور کہو تم اپنا کام کرو میں اپنا کام کرتا ہوں۔ نقل ہے کہ حضرت رسول مقبول ﷺ مسواک فرما رہے تھے کہ ملک الموت آ گئے۔ پوچھا کیا میں لوٹ جاؤں، یا جس کام کے لیے بھیجا گیا ہے بجا لاؤں؟ آپ نے منہ سے مسواک نہیں نکالا اور فرمایا تم اپنا کام کرو، میں اپنا کام کرتا ہوں۔ اگر تم کو دوزخ میں ڈالیں تو لازم ہے کہ طلب سے نہ رکو اور مالک سے کہو کہ تو میرے سر پر قہر کے انگاروں کا ہتھوڑا مارے جا اور میں طلب کی راہ میں چلتا رہوں گا۔ کام کہاں کا کہاں پہنچ جاتا ہے! اور اگر تم کو بہشت میں لے جائیں تو حور بہشتی پر نظر نہ ڈالو اور جنت کا محل نہ دیکھو۔ طلب کی راہ میں دوڑتے رہو۔

## بہشت میں بھی طلب باقی رہے گی:

یہ حضرت مخدوم جہاں رحمۃ اللہ علیہ کی خاص تحقیق ہے کہ دونوں جہان طلب کے لیے بنائے گئے ہیں۔ یہ ضرور ہے کہ ظاہری شریعت مٹا دی جائے گی مگر طلب وہاں بھی باقی رہے گی؛ اور یہ ختم ہونے والی چیز نہیں اور خدا نہ کرے کہ ختم ہو۔

حضرت مخدوم جہاں رحمۃ اللہ علیہ کے قلم سے اس بات کو یوں سمجھیں:

قیامت کے بعد ہر ایک شریعت مٹادی جائے گی لیکن یہ دو چیزیں ہمیشہ ہمیشہ قائم رہیں گی! اَلْحُبُّ لِلّٰہ (خدا کے لیے محبت اور خدا کی حمد وثنا)۔ کہا گیا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ حج، جہاد، روزہ اور نماز کے احکام منسوخ کر دیے جائیں مگر محبت کا بیان منسوخ نہیں کیا جا سکتا (کیوں کہ محبوب ومطلوب کا جمال وکمال کبھی ختم ہونے والا نہیں، تو لازماً طلب باقی رہے گی) اور بہشت میں روزانہ جس جس کی شکل تیرے سامنے آئے گی خداوند تعالیٰ کی معرفت کا ایک عالم تجھ کو نظر آئے گا کہ اس سے پہلے تو نے کبھی دیکھا نہیں ہوگا۔ یہ ایسا کام ہے جو کبھی ختم نہیں ہو سکتا اور خدا نہ کرے کہ ختم ہو۔ (مکتوبات صدی:46)

## راہ طلب میں طالب کی حیرانی وسرگردانی:

محبوب جس قدر ومنزلت کا ہو اس کے لیے طالب بھی ویسا ہی ہونا چاہیے۔ طالبان راہ ایسے ہوتے ہیں جو اپنی ہمت کی کمند سے مطلوب کو حاصل کرنے کی کوشش میں رات دن مشغول رہتے ہیں خواہ انہیں اس سلسلے میں نامرادی کے گھونٹ ہی کیوں نہ پینے پڑیں۔ اس موضوع پر ایک شاہکار تحریر حضرت مخدوم جہاں رحمۃ اللہ علیہ کے قلم سے ملاحظہ ہو:

ایک جہاں اس کی جستجو اور تلاش میں ہے، مگر اس کا کوئی پتا ونشان نہیں ملتا اور ایک جہاں اس کی گفتگو میں مشغول ہے مگر گمان کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آتا۔ ایک جہان اس کی تلاش میں ہے لیکن سوائے ٹھنڈی سانس بھرنے کے کچھ حاصل نہیں ہوتا اور ایک جہاں خلوت میں جلتا ہے اور سوائے حسرت وانتظار کے کچھ میسر نہیں آتا اور ایک جہاں نے عبادت خانوں میں عمریں گزار دیں مگر سوائے حسرت وافسوس کے کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔

حضرت خواجہ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ ہمارے کانوں نے سنا تھا: اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى (خداوند جل وعلی کا مقام عرش پر ہے) ہم نے عرش پر جست لگائی کہ دیکھیں عرش کی کیا حالت ہے۔ جب وہاں پہنچے تو اس کو اپنے سے بھی زیادہ پیاسا دیکھا۔ اسی مکتوب میں مزید یہ فرماتے ہیں:

روزانہ کتنی ہی مرتبہ عرش کرسی سے کہتا ہے: هَلْ عِنْدَكَ اَثَرٌ۔ کرسی عرش سے کہتی ہے: هَلْ عِنْدَكَ خَبَرٌ (کیا تجھ کو اس کی کوئی خبر ہے)۔ آسمان زمین سے پوچھتا ہے: هَلْ مَرَّبِكَ طَالِبٌ (کیا کسی عاشق نے تیری طرف سے سفر کیا ہے؟) اے بھائی، گوشے گوشے میں اس کے کشتہ اور کونے کونے میں اس کے دل جلے بھرے پڑے ہیں۔ کون سی جان ہے جو اس کے قہر کی آگ سے پگھلی ہوئی نہیں ہے اور کون سا دل ہے جس کو اس کے لطف وکرم نے نہیں نوازا۔ اگر تم فقیروں کی کٹیا میں جاؤ تو اس کی طلب کی گرما گرمی پاؤ گے۔ اگر کسی بھٹی سے تمہارا گذر ہو تو وہاں بھی اس کے نہ ملنے کا درد ملے گا۔ اگر تم نصاری کے کلیسا میں پہنچو گے تو سبھوں کو اس کی تلاش میں مست پاؤ گے۔ اگر تم یہودیوں کے کنشت میں جاؤ گے تو سبھوں کو اس کے حسن کے دیدار میں سرگرداں پاؤ گے۔

هزار عاشق آمد به طمع صحبت ما نثار کرد دل و دیده خادمان مرا

(ہزاروں عاشق ہم سے ملنے کی تمنا میں آئے لیکن ہمارے خادموں کا حسن دیکھ کر ایسے مبہوت ہوئے کہ اپنا دیدہ و دل قربان کر بیٹھے) (مکتوبا صدی:46)

## خدا کے طالب کا مقام و مرتبہ:

راہ طلب میں قدم رکھنے والے صاحب ہمت مردوں کا مقام و مرتبہ بیان کرتے ہوئے حضرت مخدوم جہاں رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

جب مرید صادق کو تجرید و تفرید کا یہ مقام حاصل ہو جاتا ہے تو عالم میں اس کی جلوہ نمائی اور عزت افزائی یوں کی جاتی ہے۔ یاداؤد اذا رأیت لی طالباً فکُنْ له خادماً (اے داؤد، جب تم میرے کسی طالب کو دیکھو تو اس کے خادم بن جاؤ) جب داؤد علیہ السلام جیسے پیغمبر کو وہ اپنے طالبوں کا خادم بنا دے تو اسی سے سمجھ لو کہ دوسروں کی کیا حقیقت ہے؟ (فوائد رکنی:7)

## ایک طالب نے خدا کی محبت میں جان دیدی:

یہ ایسے فقیر کا واقعہ ہے جس نے طلب کی راہ میں چلتے چلتے اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر دی اور بدیہ میں خدا کی محبت اپنے سینۂ دل میں نقش کرالی، جس کو حضرت مخدوم جہاں رحمۃ اللہ علیہ کے قلم سے ملاحظہ فرمائیں:

ایک فقیر اس کے راستے میں چلتے چلتے مجبور ہو گیا تھا۔ ایک زمانے تک اللہ تعالیٰ کی جستجو اور اس کے درد عشق میں مبتلا رہا اور عرصہ تک اپنی جان سے بیزاری کا اظہار کرتا رہا۔ آخر جب مر گیا تو اس کے سینے پر لکھا ہوا دیکھا گیا: **یہ خدا کی محبت کا مارا ھوا ھے۔** (مکتوبات صدی:46)

## ہمت مرداں مدد خدا:

اس مشہور مقولے سے تو کان بچپن سے ہی آشنا ہیں۔ دراصل اس جگہ مرد سے مراد وہ مردان خدا ہیں جو ہزاروں لاکھوں میں ایک ہوتے ہیں۔ ان کا مقام اتنا بلند ہوتا ہے کہ سوائے اہل نظر اولیاء اللہ کے دوسرا کوئی انہیں پہچان نہیں سکتا، چوں کہ ان کی ہمت کا شہباز لامکاں میں پرواز کرتا ہے جس کی کوئی حد و انتہا نہیں ہے، کیوں کہ مردان راہ کے لیے طلب کی ہر منزل پہلی سے زیادہ مشکل اور دشوار گزار ہوتی ہے، لہٰذا اس راہ طلب کو سوائے عزم و حوصلہ اور بلند ہمتی کے دوسری کسی چیز سے طے نہیں کیا جا سکتا۔ جو عالی ہمت ہیں ان کی یہ خاص صفت ہے کہ وہ ہر ایک مقام کو طے کرنے کے بعد اگلے بلند مقام کے حصول میں اپنی ہمت کو لگا دیتے ہیں اور ان کی ہمت کا ہما یوں اس مقام کی کامیابی پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ ھل من مزید کا نعرہ مستانہ لگاتے ہوئے آگے کی طرف بڑھتا جاتا ہے۔ حضرت مخدوم جہاں رحمۃ اللہ علیہ کے قلم مبارک سے اس کی وضاحت یوں ہوتی ہے:

جس شخص کی ہمت دنیا کی طلب ہے اسے مردار کا متلاشی کتا جانو۔ جس کی ہمت عقبیٰ ہے اس کو خواہشات ولذات اور شہوات کا طالب و حریص جانو۔ جس کی ہمت مولیٰ ہے اسے ایک انمول موتی جانو اور درویش و مرد خدا جو تم نے سنا وہی لوگ ہیں۔ ان کی زبان پر یہی رہتا ہے۔

| | |
|---|---|
| دنیا است بلاخانه و عقبی هوس آباد | ما حاصل این هر دو بیك جو نستانیم |
| این فتنه بدینا شد او غره بعقبی | ما فارغ ازین هر دو نه اینیم نه آنیم |

(دنیا بلاؤں کا گھر، عقبیٰ ہوس کی جگہ، میں ان دونوں کی تمام دولتوں کو ایک جو کے عوض میں بھی نہ لوں، ایک دنیا کے فتنے میں مبتلا اور دوسرا عقبیٰ کے غرور میں۔ ہم دنیا اور عقبیٰ دونوں سے فارغ ہیں۔ نہ ان میں ہیں نہ ان میں)

حق سبحانہٗ وتعالیٰ اس فقیر کو اور آپ برادر کو ان درویشوں اور مردان خدا کے نعلین کی گرد اور جوتیوں کی خاک بنادے!

آمین!(مکتوبات دو صدی:42)

ایک دوسری جگہ طلب عشق میں سرگرداں عاشق کو یوں ہدایت فرماتے ہیں:

اے بھائی، صاحبان ہمت اور طالبان حق سبحانہٗ و تعالیٰ کو کون ومکاں آسودہ نہیں کرسکتے۔ دیکھنے اور سننے کی یہ چیزیں (کشف وکرامات) کیا حقیقت رکھتی ہیں! جو چیز بھی سامنے آئے گی وہ نعمت ہی ہوگی، منعم نہیں۔ اور ایسا شخص جو منعم کو نعمت کے آگے بھلادے وہ جھوٹا اور بت پرست ہے۔

اسی مکتوب میں مزید فرماتے ہیں:

خبردار! ایسی چیزوں کی کوئی وقعت نظر میں نہ آنے پائے۔ ہمت بلند رکھیں کیوں کہ بے ہمت طالب و مرید کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہوتی۔ اس کام کا اصل مایہ دو چیز ہے۔ ایک ہمت، دوسری یہ کہ اپنے آپ کو سارے جہاں کی طاعت وعبادت کے باوجود اور تمام کمالات کے ہوتے ہوئے بھی کچھ نہ سمجھے۔ اور جو شخص کسی کمال میں لپٹا یا کسی نعمت سے آسودہ ہوا وہ تنگ حوصلہ ہے۔ اسے مردوں میں شمار نہیں کرتے۔ اس کے لیے پیٹ کا دھندا ہی بہتر ہے۔ اس کو ان باتوں سے کیا سروکار!

پھر آگے یوں ارشاد فرماتے ہیں:

اے بھائی، طالب کی رٹ بس یہی ہوتی ہے: اما ملک اما ھلاک (یا مقصود پالینا یا ہلاک ہو جانا)۔ اس کے علاوہ جو کچھ ہے اللہ اس سے اپنی پناہ میں رکھے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اپنے معمولات میں چاق و چوبند رہیں۔ اس میں خلل نہ آنے پائے۔ آپ کے اپنے کاموں کے علاوہ جو کچھ ہے اسے بچوں کا کھیل، تماشا اور سونے والوں کا خواب سمجھیں۔(مکتوبات دو صدی:34)

## خدا کا پانا تلاش اور طلب سے نہیں بلکہ محض اس کی عطا ہے:

عاشق الٰہی کو نصیحت کرتے ہوئے حضرت مخدوم جہاں رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ طالب صادق پر خدا کی طلب سے بڑھ کر کوئی چیز فرض اولین نہیں ہے۔ اس طلب کے سہارے ہی طالب مطلوب تک پہنچ سکتا ہے۔ لیکن ایک دوسرے مکتوب میں صرف کوشش اور طلب کے ذریعہ مطلوب تک پہنچنے کی پرزور تردید کرتے ہوئے ایسی بات فرماتے ہیں جس سے عاشق الٰہی کو ہمت وحوصلہ تو ملتا ہے، لیکن طلب کے میدان میں سرگردان طالب کے ہوش وحواس گم ہو جاتے ہیں کہ معلوم نہیں، اس کی بخشش وکرم کی نظر پڑے گی یا یوں ہی جستجو کی راہ میں نامرادی کے زہر کا گھونٹ ہی پینا پڑے گا۔

اس سلسلے میں حضرت مخدوم جہاں رحمۃ اللہ علیہ طالب کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

خدا کا پانا تلاش اور طلب سے نہیں بلکہ محض اس کی عطا ہے۔ وہ شخص نہیں پاتا جو اس کو ڈھونڈتا ہے، مگر وہ شخص پالیتا ہے جس پر بخشش وکرم فرمایا جائے۔ نہ ہر شخص دیکھ سکتا ہے جو دیکھنے کی کوشش کرے، مگر وہی جس کو اپنا جلوہ وہ خود ہی دکھادے۔ دکھانے کے اسباب دیکھنے کی کوشش کرنا نہیں بلکہ خود اس کا دکھانا ہے اور پانے کا سبب جستجو اور تلاش نہیں بلکہ اسی کی عطا و بخشش ہے۔ بہتیرے ڈھونڈنے والے ایسے ہیں جنہوں نے آج تک نہیں پایا اور بہت سے

پانے والے ایسے ہیں جنہوں نے بغیر تلاش و جستجو کے پایا۔ (مکتوبات صدی:45)

## ان سے ملنے کی بس یہی ایک راہ ہے:

عشق و محبت کی اہمیت و قدر و قیمت کی تفصیلی وضاحت کے بعد عاشق کے لیے بلند ہمتی کے ساتھ طلبِ عشق میں سرگرم رہنے کا تذکرہ حضرت مخدوم جہاں کی کتابوں کی روشنی میں ہو چکا ہے۔ نیز یہ بھی بتایا جا چکا کہ جب تک عاشق الٰہی کے حال زار پر اس کے لطف و کرم کی نظر خاص نہیں ہو جاتی اس وقت تک راہ طلب میں سرگرداں عاشق کا دامن گوہر مقصود سے بھر نہیں سکتا۔ تو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک ناتواں بندہ کے سامنے ایسا وہ کون سا طریقہ و راستہ ہے جس کے ذریعے وہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کی نوازش و کرم کی ایک نظر کا مستحق ہو جائے۔ تو اس بات کا جواب خود ہمیں حضرت مخدوم جہاں کی کتابوں سے ہی مل جاتا ہے کہ اگر تم چاہتے ہو کہ تمہارے حال خستہ و تباہ شدہ پر اس کی نظر کرم ہو جائے تو اس کے لیے بس یہی ایک راہ ہے کہ تم کسی ایسے خدا رسیدہ کے دامن کو مضبوطی سے تھام لو کہ اس کے بندہ و غلام بن جاؤ جو اس سے ملا ہوا ہو اور اس کی صحبت میں رہتا ہو۔

بمصداق اس شعر کے ؎

ان سے ملنے کی بس یہی اک راہ ◆ ملنے والوں سے راہ پیدا کر

واضح ہے ارشاد مرشد ہے ؎

هر که خواهد هم نشینی با خدا ◆ رو نشینی در حضور اولیا

یعنی حضرت مخدوم جہاں

جب تم صحبت رکھو خدا تعالیٰ کی اور اگر یہ استعداد نہیں رکھتے ہو تو ایسے شخص کی صحبت اختیار کرو جو خدا کی صحبت میں رہتا ہے تاکہ ان کے برکات تمہیں خدا کے حضور تک پہنچا دیں۔ (مکتوبات صدی:13)

یعنی اللہ کے دوستوں کی صحبت کے برکات اور ان کی ذات سے محبت و خدمت کے عوض عین ممکن ہے کہ تمہارے اندر بھی عشق الٰہی کی دبی چنگاری سلگ جائے اور تمہاری رسائی بھی خدائے تعالیٰ کے حضور تک ہو جائے۔ چنانچہ اس بات کو اختیار کرنے کی حضرت مخدوم جہاںؒ یوں دعوت فکر و عمل دیتے ہیں۔

انبیا کی جوتیوں کے سایۂ دولت میں رہ کر خدا تک رسائی ہو سکتی ہے یا پھر بزرگوں کی جوتیوں کے سایۂ دولت میں رہ کر خدا تک پہنچ سکتے ہو۔ اس کے علاوہ جو کچھ ہے اس کی کیا بات کی جائے۔ (فوائد رکنی:28)

اللہ تعالیٰ ان بزرگوں سے عقیدت و محبت کے طفیل میں اپنے اور اپنے پیارے رسول ﷺ سے عشق و محبت کی عظیم دولت سے نواز دے۔ آمین!

◆ ◆ ◆

حضرت سید شاہ ایوب ابدالی نیرؔ اسلام پوریؒ

(1324ھ--1387ھ)

# منقبت

## حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیریؒ

کیا نام مرے لب پہ یہ آیا شرف الدینؒ ❁ کیا نام ہے جی جان سے پیارا شرف الدینؒ
ماویٰ شرف الدیں مرے ملجا شرف الدینؒ ❁ قبلہ شرف الدیںؒ میرے کعبا شرف الدینؒ
تو پیر تو ہی ہادی و مرشد تو ہی رہبر ❁ محتاج نہ رکھ مجکو کسی کا شرف الدینؒ
دعویٰ نہیں مجکو بجز اقرار غلامی ❁ آقا ہو مرے تم شہِ اعلا شرف الدینؒ
اسلاف مرے آپ پہ سو جاں سے فدا تھے ❁ اب میں ہوں فدا ہونے کو آیا شرف الدینؒ
دل میں مِرے آجاؤ کہ ہو جان کو آرام ❁ فرقت نہیں اب آہ گوارا شرف الدینؒ
سب دولت و حشمت کو جو دنیا کی لٹایا ❁ ہاں ہاں تمھیں پایا تمھیں پایا شرف الدینؒ
لَآ اَعْلَمُ فی العالَمِ اِلَّا شَرَفُ الْحَقْ ❁ فِی الْعَالَمِ لَآ اَنْظُرُ اِلَّآ شَرَفُ الدِّیْنْ
ہاں ڈال کے گردن میں مرے طوقِ غلامی ❁ پس اپنا بنا لیجیے بندا شرف الدینؒ
جب تم سے ہے نسبت تو یہ کیوں کر نہ کہوں میں ❁ تم میرے ہوئے میں ہوں تمہارا شرف الدینؒ

دل میں ہو بسے پھر بھی نہاں کیوں ہو نظر سے
نیّرؔ سے کرو یوں تو نہ پردا شرف الدینؒ

❁❁❁

حضرت سید شاہ نجم الدین احمد نجم فردوسی

م1962ء

# حیات ثبات

## پہلا حصہ

حیات ثبات کے مصنف حضرت سید شاہ نجم الدین احمد فردوسی، حضرت جناب حضور سید شاہ امین احمد ثبات فردوسی کے پوتے اور حضرت مولانا سید شاہ برہان الدین احمد فردوسی کے منجھلے صاحبزادے تھے۔ حیات ثبات کا دوسرا حصہ حضرت ثبات سے متعلق تھا جو انوار مخدوم کے حضرت ثبات نمبر (شمارہ 5-4) میں شائع کر دیا گیا۔ حیات ثبات کا پہلا حصہ حضرت مخدوم جہاں کے تفصیلی حالات سے شروع ہو کر سجادہ نشینان خانقاہ معظم کے حالات کا احاطہ کرتا ہے۔ حیات ثبات پہلی کتاب ہے جس میں بہار میں سلسلہ فردوسیہ کی سات صدیوں کی خدمات کو یکجا کیا گیا ہے۔ اس کتاب کی تقریظ حضرت جناب حضور سید شاہ امین احمد ثبات فردوسی (م1902ء) کے خلیفہ خاص اور خویش حضرت مولانا شاہ محمد فاضل نوآبادی نے عربی میں لکھی تھی۔ مصنف حیات ثبات نے عربی متن کے ساتھ اس کا اردو ترجمہ بھی دیا تھا یہاں وہی اردو ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے۔ اس اہم کتاب کے پہلے حصے کو قسط وار انوار مخدوم پہلی بار شائع کرنے کا شرف حاصل کر رہا ہے۔ ادارہ

### تقریظ حیات ثبات

(حضرت مولانا سید شاہ محمد فاضل فردوسی نوآبادیؒ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پاک ہے وہ ذات جو کون و مکان میں ظاہر ہوئی اور وہی حقیقت ہے موجودات کی سبحان اللہ وبحمدہ! باوجود اس کے وہ ذات و مکان سے منزہ ہے اور ہر امر کی باگ اس کے ید قدرت میں ہے۔ سال و ماہ کا الٹ پھیر اس کی چٹکیوں میں

ہے۔ حاجتوں کے وقت اس کی طرف دوڑتے ہیں۔ برائیوں سے اس کی بدولت دور رہتے ہیں۔ اس کے انوارِ وجہ کے درک سے آنکھیں خیرہ ہیں اور عقلیں متحیر۔ اس لیے اس کے واحد سمجھنے اور اس کے شریک لانے میں عقلیں مختلف ہوگئیں۔ اس کی ذات پاک شرک سے اعلیٰ درجہ پر برتر ہے۔ وہ اکیلا ہے، واحد ہے اور ہر شے پر قادر ہے۔

اور درود وسلام نازل ہو ان پر جن کو معجزہ ملا تھا اور بین دلیل رکھتے تھے اور مشکلیں حل فرماتے تھے۔ جو علوم تہ کردیے گئے تھے ان کو سکھایا۔ اور رازِ مخفی کو کھولا۔ اور درود وسلام نازل ہو ان کے آل واصحاب پر جنہوں نے اپنی کوششیں صرف کیں ان کی حدیثوں کی روایت میں اور جان لڑائی ان کی محفوظ کردہ چیزوں کی حمایت میں۔ اے خدا! ایسی دائمی رحمت ان پر بھیج جو رات دن متصلاً جاری رہے (کب تک جاری رہے؟) جب تک امیدیں برلائی جائیں۔ جب تک اونٹوں پر پالان ڈالیں جائیں۔ جب تک طرفا کی ڈالیوں پر فاختے اور کوکلے چہچہائیں اور جب تک یہ سماں اور اس کا نظارہ دلکش رہے۔ حمد ونعت کے بعد (میں اصل مطلب کی طرف آتا ہوں) یعنی جب بحرِ حقیقت کو جوش ہوا تو ساری کائنات فیضِ نبوت ورسالت سے ہری بھری ہوگئی۔ پھر سلسلہ نبوت (ایک مدت تک جاری رہ کر) ختم ہوا۔ اس راگ کا گانے والا کوئی نہ رہا۔ اس بزم کا فرش تہ کردیا گیا۔ اس خلعت کی بخیہ گری چھوڑ دی گئی۔ تب قدرت نے امامت وفتوت کا ڈنکا بجایا۔ اور ہمت ومروت کا گہوارہ آراستہ وپیراستہ کردیا۔ یعنی خاندان رسالت سے بارہ نقیب ایسے مبعوث ہوئے جن کا نگہبان (خود) اللہ تھا۔

پھر ان اماموں کی اتباع کی ضیا سے مرتبۂ ولایت کے چراغ روشن کیے گئے۔ اور ان کی نہروں کے پانی سے معرفت کے درخت سینچے گئے۔ پھر نئی نئی شان سے ایک کے بعد دوسرا شخص قائم ہوتا رہا تا کہ ولایت کی جڑ مضبوط رکھے اور وسوسہ دینے والے شیطان کو دور کرتا رہے اور یہ تذکرہ اس کو یاد دلائے جس کو موعظت نفع دے۔ پھر ان اولیا اللہ کو جو سمجھ پانا تھا پایا اور جدھر لوٹنا تھا ادھر لوٹ کر کمرِ ہمت باندھ کر تیار ہوگئے مشکل کشائی کے لیے اور صفات ذمیمہ کو دلوں سے دور اور رموز عالم کبیر اور عالم صغیر وسر ربوبیت کے آگاہ کرنے پر۔ میرے مرشد جلیل جو مذہب حق کا استحکام چاہتے تھے اور حکمت یمانیہ کے جاری کرنے والے تھے نسبت ان کا حضرت تقی ﷺ تک منتہی ہوتا ہے۔ وہ مخدوم تھے مطاع تھے۔ مشاہیر اولیا بہار سے تھے۔ ان کی عمر رات دن خدا کی یاد میں گذری۔ نام نامی واسم گرامی ان کا سید شاہ امین احمد فردوسی ہے۔ سجادہ شرفیہ کو ان سے زینت تھی۔ راہ یابی اور رہنمائی کی سند کو ان سے عزت تھی۔ یہ وہ ہیں کہ ایک مدت دراز تک علمائے اصول وبرہان وصلحائے صاحب ایقان واساتذہ کاملین کی خدمت میں رہے۔ اور بحمدالله وصول الی اللہ کے اعلیٰ درجہ پر پہنچے اور قبولیت کی بادِ صبا آپ کی ہوادار رہی۔ آپ نے علم شریعت وتصوف کا وہ محل تیار کیا جس سے عرفان وتعرف کی نہریں جاری ہوئیں۔ لوگ آپ سے ملنے کو دور دور کا سفر اختیار کرتے۔ اور نہ جانیں کہاں کہاں سے دبلی دبلی اونٹنیوں پر آپ کی خدمت میں پہنچتے۔ اکتساب علوم وعرفان کے لیے عمامہ بند اور تاجدار لوگ آپ کے گرد اگرد طواف کرتے اور آپ کے قدمبوس

ہوتے۔ آپ کی جوتیوں کی خاک پیشانی میں لگاتے۔ کیوں نہ ہو آپ کی رخسار سے نور قدم جلوہ افروز تھا۔ اور آپ کی بات بات سے رموز حقیقت ظاہر ہوتے تھے۔ آپ نے اپنی معرفت کی قوت سے بہتیرے علما کی علمی اور عقلی شبہوں کو رفع کر دیا۔ اور آپ کی ذات سے اکثر عرفائے وقت نے اپنے مشکلات میں مدد لی۔ آپ کے زیادہ تر چپ رہنے سے سکینہ و اطمینان کا دلوں پر نزول ہوتا۔ بخدا یہ کچھ عجیب انداز و اسلوب تھا۔

میرے خیال میں یہ بات تھی کہ علم عربی و فارسی کی آگ ٹھنڈی ہوگئی اور یقین و عرفان کے سبز و شاداب درخت سوکھ گئے اور علم و یقین کی نشانیاں ناپید ہوگئیں۔ ان کے چاند سورج کو گہن لگ گیا۔ ان کے دفتر تہ دے گئے۔ ان کا تذکرہ بھی لوگوں پر بار ہے۔ حالانکہ پہلے اس ذکر سے بڑی دلچسپی تھی۔ آہ! آہ! اب تو اہل علم و یقین حباری کی طرح صحراؤں میں سرگشتہ و حیران ہیں۔ نہ کوئی ان کا امین ہے جس سے وہ بات کر سکیں نہ کوئی ان کا جلیس ہے جس سے دل بہلائیں۔ تنہائی ان کی شب بسر ہوتی ہے، بے کسی میں ان کی صبح ہوتی ہے۔ اسی حال سے دل سخت پریشان تھا اور جان وقف فغاں تھی کہ یکایک ایک منادی نے بلند آواز سے کہا!

تو کہاں ہے۔ ان علوم کے نقارے تو بہار میں بج رہے ہیں۔ کون بہار جو ہندوستان کا ایک شہر ہے۔ میں سچ سچ کہہ رہا ہوں کہ وہاں علوم کے جھنڈے بلند ہیں۔ میری اس بات کو دنیا مان رہی ہے۔ اور سنو وہاں اس جنس کی بڑی قیمت ہے۔ وہاں اس کی دکانیں اونچی اونچی ہیں۔ بازار خوب چلنسار ہے۔ وہاں علم کا پھریرا اڑ رہا ہے۔ علم دوست مستحکم برجوں میں ہیں اور دشمنان مقید۔ علما جتنے ہیں سریر شاہی پر متکی ہیں اور روز بروز اعلیٰ درجہ کی ترقی کر رہے ہیں۔ بس انہیں کو لطف زندگی حاصل ہے۔ یہ صرف مرا دعا اور میری زبانی بات نہیں۔ میں اس دعوے پر دلیل اور گواہ بھی رکھتا ہوں۔ خیر جب میں نے منادی سے یہ سنا تو ان کی خدمت علیا میں حاضر ہوا۔ اور ایک مدت دراز تک اقامت کی واقعی میں نے انہیں خدائے تــواب کی مدد سے علم و یقین میں کعبہ تحقیق اور طالبان حق کے لیے رکن اعظم پایا۔ کس کس خلوص نیت سے لوگ آپ کی زیارت کے لیے احرام باندھتے تھے۔ اور راہ طلب کے نشیب و فراز میں لبیک! کہتے ہوئے چلتے تھے ایک جماعت علما آپ کا طواف کرتی تھی اور پیاسے پر پیالے آپ کے زمزم فیض سے پیتی تھی اور مست ہو جاتی تھی۔ آپ کی نشست گاہیں اس جماعت کے لیے مکان کی جگہیں تھیں۔ خدا کے فضل سے ان کی سعی و کوشش مشکور ہوئی اور جد و جہد ماجور۔ بشارت ہے انہیں جنہوں نے آپ کو دیکھا اور آپ کی رہنمائی اور دولت دیدار سے وہ لوگ اقران و امثال میں ممتاز ہوئے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے درجہ کو اعلیٰ علیین میں بلند کرے اور آپ کی اولاد و احفاد کو محبین کو قیامت کے دن آپ کے ساتھ رکھے۔

آمین! ثم آمین!

# حیات ثبات

اَللّٰھُمَّ صَلِّ علیٰ سَیِّدنَا مُحَمَّدٍ عَبْدِکَ وَ حَبِیْبِکَ وَرَسُوْلِکَ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَعَلیٰ آلِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّم۔

## سلطان المحققین حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ

میں نے جس بزم کو آراستہ کیا ہے اس کی رونق کے لیے ایک ایسی شمع فروزاں یعنی حضرت مخدوم سید شاہ امین احمد روحی فداہ کی ذات بابرکات کافی تھی۔ مگر جا بجا یہ گوہر شب چراغ میں نے کیوں آویزاں کیے تا کہ یہ مجلس مجلسِ عام نہ سمجھی جائے اور یہ بارگاہ بارگاہِ عام تصور نہ ہو۔ دوسری بات یہ تھی کہ میرے جدامجد کو حضرت مخدوم جہاںؒ سے فرزندیت کا شرف حاصل ہے اور نسلاً بعد نسلٍ سجادہ نشیں و اجازت و خلافت کا سلسلہ مسلسل چلا آرہا ہے اور اس وقت سے اس وقت تک ہر جوہر فرد میں قابل الذکر شان نمایاں رہی ہے۔ افسوس کہ وہ احوال بالتصریح قلم بند نہ ہوئے۔ اجمالاً جس قدر بزرگوں نے لکھا ہے ہر چند وہ دریا سے ایک قطرہ تھا اور خرمن سے ایک دانہ، مگر اسی مجمل اور مختصر پر قناعت کی گئی اور میں نے اپنا فرض سمجھا کہ جنابحضور قدس سرہٗ کی سوانح نگاری کے پہلے ان اسمائے گرامی کے حالات سے اس کتاب کو زینت دوں جن پر مجھے فخر و ناز ہے۔ فی الحقیقت ان کے مبارک اور خیر تذکرے ایسی شان رکھتے ہیں کہ یہ کتاب قدر کی نگاہ سے دیکھی جائے۔ انشاء اللہ اور بعد اطلاع و آگہی جو شخص ان حضرات کو فاتحہ خیر سے یاد کرے وہ باطنی دولت سے مالا مال ہو۔ اس مجلس کے صدر اور درالتاج سلطان المحققین حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

ددیہال سے آپ قریشی ہاشمی اور ننہیال سے سید حسینی شجرہ آبائی اٹھارہ پشتوں کے بعد حضرت عبدالمطلب سے ملتا ہے یعنی:

مخدوم شیخ شرف الدین احمد ابن مخدوم شیخ یحییٰ منیری ابن شیخ اسرائیل ابن حضرت امام محمد تاج فقیہ ابن ابی بکر ابن ابی محمد ابن ابی القاسم ابن ابی الصائم ابن ابی سعید ابن ابی الفتح ابن ابی اللیث ابن ابی اللیل ابن ابی الدہر ابن ابی سہمہ ابن ابی الدین ابن ابی مسعود ابن ابی ذر ابن زبیر المکی بابی صعب ابن عبدالمطلب۔

اور مادری نسب نامہ بیس پشتوں کے بعد حضرت شاہ ولایت مظہر العجائب والغرائب علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ سے اس طرح ملتا ہے:

مخدوم شاہ شرف الدین احمد یحییٰ منیری ابن بی بی رضیہ بنت سید شہاب الدین پیر جگجوت بن سلطان سید شاہ محمد بن سید شاہ احمد بن سید شاہ ناصر الدین بن یوسف بن سید حسن بن سید قاسم بن سید موسیٰ بن سید حمزہ بن سید داؤد بن سید رکن

الدین بن سید قطب الدین بن سید اسحاق بن سید اسمٰعیل بن سید امام جعفر صادق بن امام محمد باقر بن امام زین العابدین بن سید الشہداء حضرت امام حسین ﷜ بن اسد اللہ الغالب علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ۔

حضرت مخدوم جہاں رحمۃ اللہ علیہ کے جد اعلیٰ حضرت امام محمد تاج فقیہ حسب الارشاد حضرت رسالت مآب ﷺ بہ قصد جہاد 576ھ میں قدس خلیل (جو بیت المقدس کا ایک محلہ ہے) سے ہندوستان پہنچے اور قصبہ منیر شریف میں تشریف لائے۔ آپ کی زوجہ مطہرہ اور تین صاحبزادے شیخ اسرائیل، شیخ اسمٰعیل، شیخ عبدالعزیز ہمراہ تھے۔

بعض یہ لکھتے ہیں کہ حضرت مخدوم یحییٰ منیری بھی شامل تھے۔ اور بعض کا یہ خیال ہے کہ حضرت مخدوم یحییٰ منیری قدس سرہ منیر شریف میں تولد ہوئے۔ الغرض بعد فتح منیر حضرت امام محمد تاج فقیہ اپنے صاحبزادوں کو قابض و دخیل بنا کر خود بہ نفس نفیس بیت المقدس لوٹ گئے۔

حضرت مخدوم جہاں رحمۃ اللہ علیہ نے 29 شعبان 661ھ قصبہ منیر شریف میں اپنے آبائی دولت کدہ کو جمال دل افروز سے منور فرمایا۔ شرف آگین، جس سے 661ھ نکلتا ہے، آپ کی تاریخ ولادت ہے۔

حضرت مخدوم جہاں رحمۃ اللہ علیہ مادرزاد ولی تھے۔ رفتہ رفتہ وہ دن آئے کہ آپ مکتب میں بیٹھے۔ حسن اتفاق سے حضرت مولانا شرف الدین ابوتوامہ بخاری مصنف نامِ حق دہلی سے بنگال جارہے تھے۔ اثنائے راہ میں منیر شریف ملا تو مولانا ٹھہر گئے اور خدا کی شان حضرت مخدوم جہاں پر آپ کے کمالات اس طرح منکشف ہو گئے کہ مولانا کی صحبت مطبوع خاطر ہو گئی۔ اور آپ کے علم و فضل پر شیدا ہو گئے۔ یہاں تک کہ حضرت اپنے والد ماجد سے اجازت لے کر مولانا کے ہمراہ سنارگاؤں ملک بنگال تشریف لے گئے اور ایک مدت دراز تک تفسیر و حدیث، فقہ و فرائض وغیرہ تمام علوم متعارفہ کی تحصیل میں مشغول رہ کر تکمیل کی۔

غالباً انتیس برس کی عمر میں فاتحہ فراغ و رسم دستار بندی انجام پائی۔ ہنگام تعلیم و تعلم مولانا ابوتوامہ کی خواہش ہوئی کہ حضرت مخدوم جہاں کو اپنی دختر نیک اختر سے بیاہ دیں مگر علم کی مشغولی نے حضرت مخدوم جہاںؒ کو اجازت نہ دی۔ آپ نے عذر کیا مگر مشیت ایزدی تو ہو کر رہتی ہے۔ اتفاقاً حضرت مخدوم جہاں کو ایک مرض صعب لاحق ہوا۔ جس میں اطبا کے نزدیک بجز ازدواج اور کوئی علاج نہ تھا۔ مجبوراً آپ نے رضامندی ظاہر کی اور مولانا کی صاحبزادی سے شادی ہو گئی۔ خدا نے ایک لڑکا عطا فرمایا۔ آں کا نام (مخدوم) ذکی الدین رکھا۔

جب سے آپ سنارگاؤں تشریف لے گئے، یکسوئی قائم رکھنے کو گھر کے خطوط دیکھتے ہی نہ تھے۔ جب علم سے فراغت حاصل ہوئی تو ان خطوں کو نکال کر پڑھنا شروع کیا۔ حسب اتفاق پہلے وہی خط ملا جو سب سے پیچھے آیا تھا۔ اس میں واقعہ جانگزا حضرت مخدوم یحییٰ منیری کی رحلت کا مندرج تھا، کہ یازدہم شعبان 690ھ کو یہ حادثہ پیش آیا۔ والد ماجد کی جدائی اور وہ بھی دائمی جدائی نے آپ کے دل پر کچھ ایسا اثر ڈالا کہ فوراً منیر شریف کی روانگی کا ارادہ کیا اور مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے

اجازت لینے کے لیے حاضر ہوئے۔ مولانا نے بہ طوع خاطر اجازت دی۔ آپ نے اپنے صاحبزادے مخدوم ذکی الدین کو بھی ساتھ لیا اور منیر شریف پہنچے۔

کچھ دنوں بعد پیر کی تلاش ہوئی اور ایسی بے قراری ہوئی کہ اپنی والدہ محترمہ سے بے تابانہ یوں عرض کی: "لیجیے ذکی الدین حاضر ہے۔ اس کو بجائے شرف الدین کے سمجھیے اور شرف الدین کو آزاد کیجیے۔" چونکہ آپ کی والدہ محترمہ ایک خدا رسیدہ بزرگ تھیں یہ سن کر بہت خوش ہوئیں۔ اور الحمد للہ! کہ کر راہ طلب میں جانے کی اجازت دے دی اور ہزار جان سے دعائیں دیں اور فرمایا ؏ به سفر رفتنت مبارک باد!

حضرت مخدوم جہاںؒ اپنے بڑے بھائی حضرت مخدوم شیخ خلیل الدین قدس سرہٗ کے ساتھ (جو مخدوم جہاںؒ پر دل و جان سے والہ و شیدا تھے) دہلی تشریف لے گئے اور وہاں کے مشائخ عظام سے ملے۔ قطب دہلی حضرت محبوب الٰہی شیخ نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ملاقات کی۔ اُس وقت دربار محبوبیت میں مذاکرہ علمیہ ہو رہا تھا۔ حضرت مخدوم نے بھی پسندیدہ تقریر فرمائی، جس کی خوش بیانی پر حضرت محبوب الٰہیؒ نے تعظیم و تکریم کی اور فرمایا کہ سیمرغ است نصیب دام ما نیست اور ایک طبق پان دے کر رخصت کیا۔ آپ سمجھ گئے کہ میری بیعت یہاں نہیں ہونے کی۔ اسی دور میں مولانا (قاضی) ضیاء الدین سُنامی کی تذکیر میں بھی شریک ہوئے اور مخدوم جہاںؒ نے ان کو عالم ربانی سمجھا۔ شریعت غرا کا حامی مانا۔ مگر این دیده دیدار طلب راچه علاج طلب پیر کے جوش میں دہلی سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور پانی پت آ کر شیخ اجل حضرت شرف الدین پانی پتیؒ سے ملے۔ اُن کے احوال معاملات پر جب اطلاع ہوگئی تو یہ فرماتے ہوئے اُٹھے کہ: شیخ رسیده است اما مغلوب الحال است. به تربیت کسی نمی پردازد۔ اب کیا ہو! دہلی سے یوں آئے۔ پانی پت کا یہ انداز دیکھا۔ آخر اپنے بڑے بھائی صاحب سے دردِ دل کا حال کہا۔ حضرت شیخ خلیل الدینؒ نے کہا: افسوس! دہلی میں ایک بزرگ سے ملنا بھول گئے۔ یہ ممکن تھا کہ وہیں شرف بیعت حاصل ہو جاتا۔ وہ ایسے بزرگ ہیں اور وہ ایسے بزرگ ہیں۔

حضرت مخدوم جہاں رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جب قطب دہلی نے خالی پان دے کر رخصت کیا پھر دوسری جگہ سے کیا اُمید ہو سکتی ہے! حضرت مخدوم خلیل الدین نے کہا کہ ملاقات کرنے میں کیا مضائقہ ہے۔ اس پر آپ راضی ہوئے اور پانی پت سے دہلی پہنچے اور حضرت شیخ کبیر خواجہ نجیب الدین فردوسیؒ کی زیارت کو چلے۔

جب اُس آستانہ پر پہنچے تو دل پر دہشت غالب ہوئی اور عرق عرق ہوگئے۔ دل ہی دل میں کہا کہ هيبت حق است این از خلق نیست۔ یہ بات تو کہیں پیدا نہ ہوئی تھی۔ غرض اِسی حال سے اُس بارگاہ میں داخل ہوئے اور حاضر ہو کر حضرت کے سامنے مودب بیٹھ گئے۔ ارادت کا غلبہ ہوا۔ آپ نے فوراً بیعت کی درخواست کی۔ حضرت شیخ کبیر نے بیعت طریقت سے مشرف کیا اور وہ اجازت نامہ خلافت نامہ، وصیت نامہ اور تبرکات جو حضرت نے بارہ برس پہلے سے

مرتب کر کے رکھا تھا یہ کہ کر آپ کے سپرد کیا کہ بحکم حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ تم کو دیتے ہیں۔ مشکوٰۃ نبوت سے تمہاری تعلیم ہوگی اور پیروں کی ولایت حامی و مددگار رہے گی۔ تم اب لوٹ جاؤ اور کچھ اندیشہ نہ کرو۔ وقت وداع آپ نے کچھ زبانی تلقین بھی فرمائی اور یہ بھی فرمایا کہ اگر راہ میں کچھ خبر ملے تو ہرگز ہرگز واپس نہ آنا۔ چنانچہ حسب الحکم آپ دہلی سے روانہ ہوئے۔ ابھی ایک دو منزل پہنچے تھے کہ 6 شعبان 691ھ کو شیخ کبیر حضرت نجیب الدین فردوسی کے وفات کی خبر ملی۔ اس المناک واقعہ کو سن کر آپ کا دل ہل گیا۔ مگر شیخ کی وصیت یاد آگئی اس لیے صبر وسکون سے کام لیا اور منیر کی طرف چلے۔ جیوں ہی بہیا جنگل کے قریب پہنچے ایک مور کی دردناک آواز نے آپ کے حزن کی آگ کو بھڑ کا دیا۔ از خود رفتہ ہو کر جنگل کی راہ لی اور ایسے غائب ہوئے کہ تلاش کرنے پر بھی پتا نہ ملا۔ ناچار بڑے بھائی مغموم گھر پہنچے اور اپنی والدہ محترمہ کے حضور میں تبرکات پیش کر کے سب حال کہہ سنایا۔ آپ کی والدہ جو اسرار پنہاں سے واقف تھیں اس راز سے بھی واقف ہو گئیں اور فصبر جمیل کہہ کر دل کو ہاتھ سے جانے نہ دیا۔

حضرت مخدوم جہاں پر بہیا کے جنگل میں زیادہ تر کمال بے خودی کا غلبہ رہا کیا۔ عالم حیرت میں سالہا سال ایسے بے حس وحرکت کھڑے رہ گئے کہ حلق میں چونٹیاں جاتی آتی تھیں مگر آپ کو کچھ خبر نہ تھی۔ غالباً بارہ برس کے بعد بہیا سے آپ راجگیر کے جنگل آکر مقیم ہوئے۔ یہاں بھی سخت سے سخت مجاہدے اور کڑی سے کڑی ریاضتیں کیں۔ خاص طور پر بارگاہ نبوت سے تعلیم ہوئی اور مرتبہ شیخی وولایت تفویض ہوا۔

مصنف کتاب گوہر ستاں شاہ مولانا عزیز اللہ حسام الدین بناری کبروی جو عہد شاہجہانی میں تھے اپنی کتاب میں اس طرح نقل کرتے ہیں

حضرت عبداللہ شطار گوید که حالتی برمن کشف کردند و مرابه بالا بردند و درساق عرش القاب اکابر معرفت نگاشته بودند. جون نگاه کردم لقب شیخ بایزید بسطامی سلطان العارفین دیدم و لقب شیخ شرف الدین سلطان المحققین. اصحاب شریعت و طریقت همه بر بزرگی وی متفق اند. هیچ چیز در پیش آن حضرت از نفس خود خوار ترنبود. وارکمال فراخ حوصلگی هرگز بماسوا نپرداختی و درریاضت قهرنفس چندان قدمی داشت که چهل سال کامل بوی طعام بمشام اونرسید و تادوازده سال وی را احتیاج طهارت نیفتاد و در اثنای این ریاضت سیدالعارفین سید علی همدانی سیاحت کنان شرف لقای آنحضرت دریافت و سوال کرد. که بنده بمرتبه صمدیت رسیدیانه. فرمود چندگاه باشید تا حال این مطلب برشما آشکارا سازند. وی شش ماه در صحبت حضرت بسر برد. دید که احتیاج بشریت هیچ در آنحضرت نمانده است. خدشه که داشت از خاطر او مرتفع شد و از فرط نیاز مندی سند خرقه خلافت ازان حضرت به سید رسید و فراوان فیض و برکات از صحبت آن مرشد کامل اندوخته رخصت

سفر یافت. بعضیٰ روز بست روز روح مبارک وی را معراج شدی. وتن مبارک همچنان
بی حس و حرکت می بود ویک مرتبه که مردم آگاه شدند دانستند که وی ازین عالم
رحلت کرد. فریاد و فغان برداشتند از سیرگاه حقیقت عود نمود و بمعذرت خواب
تسلی مرد مان فرمود.

(ترجمہ: حضرت عبداللہ شطار قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ ہم پر ایک حالت میں عالم انکشاف کھلا۔ اس معراج روحی میں عرش اعظم تک رسائی ہوئی۔ ساقِ عرش بریں پر میں نے اکابرین طریقت کے القاب لکھے دیکھے۔ حضرت بایزید بسطامی کا لقب سلطان العارفین مسطور تھا اور مخدوم شیخ شرف الدین کا لقب سلطان المحققین درج لوح نظر آیا اور ان آنکھوں نے دیکھا۔ پھر کیوں نہ ہو حضرت مخدوم کی بزرگی پر اصحاب شریعت وطریقت کا اتفاق ہے۔ آپ کے نزدیک اپنے نفس سے بڑھ کر کوئی شے ذلیل تر اور خوار تر نہ تھی۔ اس قدر آپ میں فراخ حوصلگی تھی کہ اللہ کے سوا مقصود ذہنی تھا ہی نہیں۔ دنیا اور دولت دینا، عقبیٰ اور نعمت عقبیٰ سب کی سب نظر میں ہیچ تھیں۔ نفس کشی کی حد یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ چالیس سال کامل بوے طعام سے قوت شامہ تک مزا نہ لے سکی اور بارہ برس تک آپ کو حوائج ضروری کی مطلق حاجت نہ پڑی۔ جس زمانے میں آپ اس ریاضت شاقہ میں سرگرم تھے سید العارفین سید علی ہمدانی سیر و سیاحت کرتے ہوئے آپ تک پہنچے، شرف زیارت سے مشرف ہوئے۔ عندالتذکرہ سید العارفین نے سوال کیا کہ سالک کی رسائی مقام صمدیت تک ہوسکتی ہے یا نہیں؟ آپ نے فرمایا کچھ دنوں تک آپ یہاں تشریف رکھیں تو ممکن ہے یہ راز منکشف ہوجائے۔ چنانچہ سید العارفین چھ ماہ تک آپ کی خدمت میں رہے۔ خیال کرتے ہیں تو یہ دیکھتے ہیں کہ حاجت بشری آپ میں بالکلیہ باقی نہیں رہی ہے۔ یہ معاملہ دیکھ کر وہ عقدہ کھل گیا اور وہ مشکل حل ہوگئی۔ دل میں جو خدشہ تھا وہ بھی رفع ہوگیا۔ پھر تو اس قدر گرویدہ ہوئے کہ سند خرقۂ خلافت آپ سے حاصل کی اور بے انتہا فیوض و برکات اس مرشد کامل کی صحبت سے جمع کیے۔ ان مرحلوں کے بعد اجازت ملی اور سید العافین آپ سے رخصت ہوکر واپس آئے۔ ہنگام ریاضت ایسا بھی ہوتا تھا کہ بیس بیس روز تک آپ کی روح مبارک کو معراج ہوا کرتی اور جسم شریف محض بے حس وحرکت پڑا رہتا۔ چنانچہ ایک دفعہ لوگوں نے جو اس حال میں آپ کو دیکھا تو یہ سمجھ کر کہ اس جہان سے تشریف لے گئے رونے دھونے لگے۔ خیر آپ کو اس مقام سے جب نزول ہوا تو (بجائے اظہار کمال کے) گہری نیند کا عذر پیش کر کے لوگوں کی تسلی فرمادی)

آپ کے فضل وکمال وکشف وکرامت وخرق عادات محتاج بیان نہیں ہیں۔ مناقب الاصفیا، گلِ فردوس، وسیله الشرف، سیرت الشرف وغیرہ میں آپ کے احوال فیض اشتمال بصراحت موجود ہیں۔

تقریباً چالیس سال تک آپ نے کوہ وہاموں میں اقامت کی ہے۔ اس کے بعد جب جوہر شناسان معنی نے آپ کو پہچان لیا تو باصرار تمام راجگیر سے سرزمین بہار (خانقاہ) میں لاکر مسند ولایت وارشاد پر متمکن کیا اور ایک خس پوش مکان بنوادیا ؎

مژده ای دل که مسیحا نفسی می آید ٭ که زانفاس خوشش بوی کسی می آید

جس کو مجد الملک نے اپنے وقت (746ھ) میں اس کو پختہ بنوا دیا۔ اور سلطان محمد تغلق نے خانقاہ معظم کے مصارف کے لیے پرگنہ راجگیر نذرانہ پیش کیا جس کو حضرت مخدوم جہاں نے قبول نہیں کیا۔ مجد الملک نے جو تغلق کی فطرت سے ہراسان تھا بہت لجاجت سے عرض کیا کہ قبول فرمالیں۔ آپ نے فرمان لے لیا۔ اور خود دہلی جا کر واپس فرمایا۔ اس وقت فیروز تغلق کا زمانہ تھا۔ اس نے بہت اصرار کیا مگر آپ نے ایک نہ مانا۔

ایک بار فیروز تغلق بہار پہنچا اور حضرت مخدوم جہاں سے ملاقات کرنے کو آیا۔ آپ بہت اخلاق سے استقبال کو باہر تشریف لائے اور آگے چلنے کو فرمایا۔ فیروز تغلق نے کہا ؎

در پیش روم طریق حاجب ٭ ور پس بروم چنین ست واجب

حضرت مخدوم جہاں نے فرمایا ؎

گر پیش روی چراغ راهی ٭ ور پس بروی جهان پناهی

اور آگے بڑھا دیا۔ اسی خانقاہ معظم میں آپ بندگان خدا کی ہدایت فرماتے رہے۔ کم و بیش 51 برس تک رشد و ہدایت کا ایسا دریا جاری رہا جس سے سرزمین ہند آج تک شاداب ہے۔

حضرت مخدوم شاہ شعیب فردوسی (شیخپورہ) نے اپنی کتاب مناقب الاصفیا میں حضرت مخدوم جہاںؒ کے مریدوں کی تعداد ایک لاکھ لکھی ہے۔

حضرت مخدوم جہاں کی خانقاہ میں حسب ذیل کتابوں کا درس ہوتا تھا اور حقائق و معارف بیان ہوتے تفسیر زاهدی، عوارف المعارف شیخ الشیوخ ؒ، آداب المریدین حضرت ضیاء الدین ابو نجیب سهروردی ؒ، زبدة الحقائق حضرت عین القضاة همدانی ؒ، وصیت شیخ الشیوخ الملخص احیاء العلوم حضرت امام غزالی ؒ، مثنوی جلال الدین رومی ؒ، شرح تعرف، لوامع حضرت قاضی حمید الدین ناگوری ؒ، سراج العارفین حضرت سلطان المشائخ ؒ۔

حضرت مخدوم جہاں کی تصنیفات و تالیفات میں مندرجۂ ذیل کتابیں آج کل بہار میں مل سکتی ہیں۔

کل تصنیفات تو ستر سے (۷۰) نسخے مشہور ہیں۔ جن میں بعض (ملک) ہزمن میں ہیں

مکتوبات صدی، مکتوبات دو صدی، مکتوبات بست و هشت، فوائد رکنی، شرح آداب المریدین، عقائد شرفی، رساله ارشاد السالکین، ارشاد الطالبین، اجوبه کاکویه، اوراد خرد، اوراد اوسط۔ یہ مطبوعہ ہیں۔ فوائد المریدین، اجوبه زاهدیه، رسالهٔ اشارات، رسالهٔ مکیه، اوراد کلان - یہ غیر مطبوعہ ہیں۔

ملفوظات حضرت مخدوم الملک:

معدن المعانی، مخ المعانی، راحت القلوب، خوان پر نعمت یہ مطبوعہ کتابیں ہیں۔
اورکنزالمعانی جس کوبحرالمعانی بھی کہتے ہیں۔مغزالمعانی، گنج لایُفنٰی، مونس
المریدین، تحفہ غیبی، ملفوظ الصفر، مرآت المحققین۔یہ غیرمطبوعہ ہیں۔

آپ کا وصال پنجم شوال 782ھ شب پنجشنبہ نمازعشا کے وقت مقام بہار خانقاہ معظم میں ہوا۔بموجب وصیت جنازے کی نماز حضرت مخدوم سید اشرف جہانگیر سمنانی نے پڑھائی اور پنجشنبہ کو چاشت کے وقت مدفون ہوئے۔مادّہ وصال پرشرف ہے
782ھ

❁❁❁


ڈاکٹرمحسن رضارضوؔی
B-نورانی باغ،عالم گنج،پٹنہ-7


# استغاثہ

خون آلود ہے حالات سے اسلام کا دل ❁ پھر کشاکش میں ہے اللہ کے پیغام کا دل
پھر جدھر دیکھیے تاریکی ہی تاریکی ہے ❁ روحِ اسلام پہ پھر خواب گراں طاری ہے
زخم آلود مناظر ہیں، نظر زخمی ہے ❁ انتہا ہے کہ دعاؤں کا اثر زخمی ہے
لبِ اظہار پہ ہے شعلہ بیانی زخمی ❁ حرف مجروح ہے الفاظ و معانی زخمی
حق سے پھر مائلِ پیکار ہے شر کی قوت ❁ مضمحل ہونے لگی قلب و نظر کی قوت
امتحاں سخت ہے ایماں کے جگر بندوں کا ❁ خون ارزاں ہوا توحید کے فرزندوں کا
فتنۂ حشر بپا امن کے ایوان میں ہے ❁ جنگ پھر شام میں، لبنان میں، ایران میں ہے
پھر ہر اک سمت سے یلغار ہے بے دینی کی ❁ آنکھ والوں میں وبا آئی ہے کج بینی کی
سود در سود بڑھا جاتا ہے الحاد کا زور ❁ روح پر چلنے لگا برق کا، فولاد کا زور
پھر نئی جنگ ضروری ہے ہدایت کے لیے ❁ ضربِ لا چاہیے موجودہ سیاست کے لیے
گرمیِ روح دے پھر جذبۂ دل سوزی دے! ❁ اپنے پروانوں کو پھر ذوق خود افروزی دے!
پھر ہے سرگرمِ ستم حوصلۂ بولہبی ❁ المدد اے قمر ہاشمی و مطلبی!

حوصلہ نصرتِ ایماں کا عطا ہو مولا!
آج مقبول یہ رضوؔی کی دعا ہو مولا!

❁❁❁

محمد شفیع الرحمٰن شفیعؔ

# نذر مخدوم جہاںؒ

انسانیت کے کارواں سالار مخدوم جہاں ◉ مہر و مروت کے علم بردار مخدوم جہاں
اللہ کی بخشی ہوئی نعمت پہ شاکر دمبدم ◉ عشقِ خدا کے واقفِ اسرار مخدوم جہاں
ہیں مخزنِ علم ہدایت منبعِ رشد و سلوک ◉ عرفانِ رب کے پرکشش کردار مخدوم جہاں
صدیاں گذرنے پر بھی ہے عالم میں شہرہ آپ کا ◉ ہیں برگزیدہ قائدِ ابرار مخدوم جہاں
مکتوب یا ملفوظ کی صورت میں سب محفوظ ہے ◉ ہر حرف میں ہیں ابر گوہر بار مخدوم جہاں
پنہاں ہیں مکتوبات صد میں راز ہائے زندگی ◉ لکھے عبادت کے کبھی اطوار مخدوم جہاں
دراصل مکتوبات دو صد ہے منار آگہی ◉ عالم، فقیہ و شارحِ افکار مخدوم جہاں
کامل ولی یعنی فنا فی اللہ کی ضرب المثل ◉ بالکل سراپائے دلِ بیدار مخدوم جہاں
معدن معانی کے ہیں ملفوظات سارے بالیقیں ◉ اپنی مجالس میں رہے دُربار مخدوم جہاں
ہے خوان پر نعمت ہر اک منزل پہ بہر سالکاں ◉ آساں بنا دی ہر رہِ دشوار مخدوم جہاں
رکّی فوائد سے برابر استفادہ کیجیے ◉ جنت محل کے ہیں بڑے معمار مخدوم جہاں
گنجان آبادی ہو یا سنسان جنگل بے پناہ ◉ رب کی معیت میں سرِ کہسار مخدوم جہاں
اخلاق عالی، مہرباں اللہ کی مخلوق پر ◉ انساں کیا، حیوان کے دلدار مخدوم جہاں
انساں کو انساں کا بھائی بنا کر رکھ دیا ◉ درسِ محبت میں سدا سرشار مخدوم جہاں
فیضان کے چشمے ابلتے ہیں، کوئی جا دیکھ لے ◉ ہر غم زدہ کے ہیں بڑے غمخوار مخدوم جہاں
نازاں ہے صد رشک بہاراں آج بھی شہر بہار ◉ حسنِ ازل کے پروقار اظہار مخدوم جہاں

کب شرک و بدعت کی ہوا تک ان کو چھو پاتی شفیعؔ
وحدانیت کے آہنی دیوار مخدوم جہاں

◉◉◉

جناب آفتاب حسن شمس
دائرہ، بہار شریف، نالندہ

# خدمت مخدوم سے اُودنّتڈو یہار، بہار شریف ہوا

تاریخ میں ایسی کئی ہستیاں ہوئی ہیں جن کی شخصیت نے انسانی معاشرے پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ ان میں چند ایسے بھی ہوئے جن کے اثرات نے غیر محسوس طریقے سے ایسا انقلاب برپا کیا کہ معاشرے میں مثبت تبدیلی کا احساس تو ہوا، لیکن یہ کیوں کر ہوا اس کا اندازہ کرنا محال ہو جائے۔ ایسی ہر ایک شخصیت قابل احترام ہے جس نے سماج میں کسی مثبت تبدیلی کی کاوش کی ہو۔ تمام ایسے افراد کے کارہائے نمایاں قابل ستائش اور انسانوں کی ترقی کے میل کے پتھر ہیں۔ ہر وہ شخص خواہ وہ کرۂ ارض کے کسی حصے اور قوم سے تعلق رکھتا ہو، قابل احترام ہے، جس کے ذریعہ ایسا کوئی کام ہوا جو معاشرے میں کسی قسم کے مثبت اضافے کا حامل ہو۔ مثلاً نئے ایجادات، کمپیوٹر، جوہری دھماکہ وغیرہ۔ اسی چیز کو انسانوں کی ترقی کہا جاتا ہے، لیکن انسانیت کا فقدان ہو تو انسانوں کی ان ترقیوں کا انتہائی مضر استعمال ہوتا ہے اور انسانوں کی یہی ترقیات مفید ثابت ہوتی ہیں، اگر انسانیت کے ساتھ ان کا استعمال ہو۔ اس لیے وہ لوگ مزید محترم ہیں جنہوں نے انسانوں کی ترقی کے ساتھ انسانیت کی فلاح و بہبود اور اخلاقی قدروں کو اپنا مطمح نظر اور میدان کار بنایا۔

وطن عزیز میں ایسی کئی شخصیات پیدا ہوئیں۔ ان میں ایک نمایاں نام مخدوم شرف الدین احمد یحیٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ ان کی سرگرمیوں کا خاص مرکز صوبۂ بہار کا وہ خطہ رہا ہے جو ان کی آمد کے قبل اودنڈپوری اور اودنڈویہار پھر اودنت پوری اور اودنت بہار کہلاتا تھا۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر ڈی. آر. پاٹل کے خیالات ملاحظہ فرمائیں:

> ''اس شہر کے قدیم نام کے سلسلے میں پہلی معتبر تاریخی معلومات، بودھوں کے ایک تانبے کی مورت پر لکھی تحریر سے فراہم ہوئی جو بہار شریف میں ہی دریافت ہوئی تھی، اور اب بنگیہ ساھتیہ پریشد کی تحویل میں ہے۔ یہ کتبہ نارائین دیو پال کے زمانے (نویں صدی عیسوی) کا ہے اور اس پر رانگ تھاروک کا ذکر ہے۔ مقامی روایت جسے بکر ضبط تحریر میں لایا ہے، اس سے اس کی تصدیق ہوتی ہے کہ موجودہ بہار کی شناخت ہی اودنڈپوری کے طور پر کی گئی۔ بکر کے مندرجات کے مطابق مسلمانوں کے حملے سے پہلے یہ شہر بہار ڈانڈی

اور ڈنڈ ابہار کہلاتا تھا"۔ (The Antiquarian Remains in Bihar, P.44)

اس سلسلے میں ڈاکٹر ہریش چندر پریہ درشی نے اسمــاریکــا نــالنده اتسو 1996 میں ایک مقالے میں صفحہ 46 پر لکھا ہے:

"مہابھارت میں کوروکی حمایت میں لڑکر مرنے والے ڈنڈ دھرکی یہ راجدھانی تھی، اس سے اودنڈ پوری کہلائی"

بہر حال یہ طے ہے کہ مخدوم رحمۃ اللہ کی آمد سے قبل یہ اودنڈ پوری کہلاتا تھا۔ اس خطے کی وجہ تسمیہ پر غور وخوض مقصد مضمون نہیں، لہٰذا اس سے قطع نظر، نفس مضمون، گویا مخدوم رحمۃ اللہ کی سرگرمیوں اور دینی خدمات پر توجہ مرکوز کرنے کی کوشش کی جارہی ہے، جس کے انقلاب آفریں اثرات سے یہ خطہ اودنڈ سے شریف ہوگیا۔

بہار میں آپ رحمۃ اللہ کی تشریف آوری کا دور وہ دور ہے جسے سرزمین ہند پر مسلمانوں کی آمد وسکونت کا ابتدائی دور کہہ سکتے ہیں۔ مسلمانوں کی آمد سے قبل اس سرزمین سے بودھ مت کے اثرات معدوم ہوتے جارہے تھے۔ وہ آدی واسی، استحصال وبے توجہی کا شکار گروہ جس نے آئے دن کی صعوبتوں اور زیادتیوں سے بچنے کے لیے بودھ مت کے دامن میں پناہ تلاش کی تھی ایک بار پھر مزید شدت کے ساتھ ورن آشرم اور جاتی پرتھا کے نام پر ظلم وستم کا شکار ہونے لگا۔ ان میں وہ لوگ جو لمبی مسافت نہ طے کر پانے کی وجہ کر نقل مکانی سے قاصر اور دوسرے ممالک ہجرت کرنے سے معذور تھے، بستیاں چھوڑ کر آس پاس کے جنگلوں کی راہ ناپنے پر مجبور کردیے گئے۔ گویا آدی واسی ون واسی بنادیے گئے۔

ان حالات میں ان دشت وصحرا نورد مسلم علما نے، جنہوں نے خاص دعوتی مقصد کے لیے صحرا نوردی اختیار کی تھی اور عرف عام میں اہل تصوف کہلاتے تھے، دعوت دین کا زبردست کام انجام دیا۔ وہ لوگ جن کے سائے سے بھی نسلی برتری کے حامی ناپاک ہوجایا کرتے تھے، ان کے ساتھ کسی فرد کا خوردونوش ہی ان کے تسخیر قلب کے لیے کافی تھا۔ مزید یہاں کہ اس استحصال زدہ طبقے کا کوئی فرد بیمار ہوتو ان صحرا نورد علما کی بے لوث خدمت وتیمارداری اور علاج ومعالجہ ان کی صحت یابی کے بعد انہیں ان فقیروں کے عشق میں مبتلا کردیتے تھے۔ مخدوم رحمۃ اللہ کی سب سے بڑی تسخیری قوت بھی یہی تھی۔ یہ امر خاص توجہ کا طالب ہے کہ امراض، دوا، علاج کے سلسلے میں آپ رحمۃ اللہ کے اکثر اشعار زبان ہندی میں ہیں، جو یہاں کے عوام کے لیے بآسانی قابل فہم تھے، ورنہ فقط ادب وزبان کی چاشنی مقصود ہوتی تو انہیں عربی یا فارسی میں ہونا چاہیے تھا۔ چند اشعار بطور ثبوت پیش ہیں ؎

بات کسیلی کچھ ہرے، پھول رتوندی جائے ● جڑ کسیلی باکھر وکین، بیج سے بیج نہ سمائے

تل تسی دانہ تھر تال مکھانہ ● گھی شکر میں سانا کھائے زنانہ ہو مردانہ

لودھ پھٹکری مرداسنگ ● ہلدی زیرا ایک ایک ٹنگ

افیون چنا بھر مرچین چار ● ارد پھر ہوتا اس میں ڈار

پوست کے پانی پوٹلی کرے ❁ نینا پیرا پل میں ہرے
نون مرچ مجیٹھ لے آوے ❁ نیلا تھوتھا آگ جلاوے
لودھ پٹھانی کتھ پاپڑیا ❁ پیس برابر منجن کریا
منجن کرکے پان چباوے ❁ دانت کا پیرا کبھو نہ پاوے
ہر بہیڑا اونلا چیتا ❁ نمک سونٹھ ملا دے میتا
کھانسی سانسی سب جر جائے ❁ ان نہ جانوں کتنا کھائے

یہ اور اس طرح کے تمام دوہرے ہندوی میں ہیں جو اس دور کی عوامی زبان تھی اور عوام وہی پریشان حال اور استحصال زدہ گروہ۔

اُس پریشان حال اور استحصال زدہ گروہ سے ان مسلم فقیروں کی ملاقات نے جنگل کی تاریک راہوں کے لیے نئی مشعلوں کا کام کیا۔ اُن کے تعلقات وسیع اور پختہ ہوئے۔ تلخ کلامی، درشت گوئی، سخت سست سننے کے عادی لوگوں کو غیر متوقع عجز و انکسار، نرم گوئی، محبت و عزت افزائی کا موقع نصیب ہوا۔ نسلی بنیاد پر اعلیٰ و ادنیٰ کی تفریق کی جگہ انسانیت کی قدر و قیمت اور اخلاقی قدروں کا سبق ملا۔ نتیجۃً واردات قلب نے ان صحرانورد فقیروں کے گرد نئے ارادتمندوں کا ازدحام برپا کر دیا۔ جب یہ مشعل راہ فقرا جنگل سے بستیوں کی طرف پلٹے تو ارادتمندوں کا ہجوم بھی ان کے ساتھ ہی چلا آیا۔ اس طرح نئے ارادتمندوں کی نئی بستیاں آباد ہوئیں۔ موجودہ شہر بہار شریف اپنے ابتدائی دور میں ایک ایسی ہی بستی تھی جو اودنت پوری یا اودنڈ بہار کے قلعہ کے باہر آباد ہوئی۔ مخدوم شرف الدین احمد یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ کی مختصر روداد بھی یہی ہے۔

حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ کی تاریخ پیدائش 26 شعبان المعظم 661ھ مطابق 16 ستمبر 1262ء ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے والد کا اسم گرامی محمد یحییٰ تھا۔ ان کے دادا نے ترک وطن کر کے منیر میں سکونت اختیار کی تھی۔ احمد یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ کی ابتدائی تعلیم گھر پر ہی ہوئی۔ بعد ازاں اُس دور کے متبحر عالم شرف الدین ابوتوامہ رحمۃ اللہ علیہ کی سرپرستی میں علوم دینیہ کے علاوہ کیمیا، فلسفہ، ریاضی اور طب کے علوم حاصل کیے۔ اس سلسلے میں والدین کی اجازت سے مولانا ابوتوامہ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ سونار گاؤں بنگال (موجود بنگلہ دیش) چلے گئے تھے۔ استاد کی صاحبزادی سے ہی آپ کا نکاح ہوا۔ گھر واپسی کے پہلے والد کا انتقال ہو چکا تھا۔ کچھ دنوں والدہ کی خدمت میں رہ کر دہلی چلے گئے، کیوں کہ اس زمانے میں دہلی ہی ایسے بزرگوں کا مرکز تھا۔ دہلی میں خواجہ نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات ہوئی۔ کہا جاتا ہے کہ نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ نے نوجوان احمد یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ میں خوش آیند پہلو دیکھ کر توصیفاً ایک پان کا بیڑا بھی عنایت فرمایا تھا۔ شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ نے پانی پت، کرنال میں شیخ شرف الدین بوعلی قلندر رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ملاقات کی تھی۔ وہاں سے واپسی کے بعد 691ھ میں شیخ نجیب الدین فردوسیؒ

سے مہرولی میں ملاقات ہوئی اوران کے ارادتمندوں میں شامل ہوگیے۔ مرشد نے بیعت لے کر ارشاد فرمایا کہ اس کام میں منہمک ہو جاؤ۔ اس میں اس قدر انہماک چاہیے کہ دوسری کوئی بات اپنی طرف متوجہ نہ کر سکے۔ اللہ محافظ ہے۔ مرشد کے ارشاد کی تعمیل میں وہیں سے لگے۔ میدان کاردعوت ایسا وسیع ہے کہ قیامت سے پہلے اسکی حد نہیں۔ چنانچہ حکم مرشد کی تعمیل میں اس قدر منہمک ہوئے کہ خود مرشد کے انتقال کی خبر بھی اس کام سے بے توجہ نہ کر سکی۔ وہیں سے آگرہ کے جنگل میں داخل ہوگیے۔ برج کے علاقہ کی عمومی کیفیت اس دور میں وہی تھی جو تمام ہندوستان کی تھی، یعنی بستیوں سے زیادہ جنگل و بیاباں آباد تھے۔ کیونکہ ادنٰی ذات کے انسانوں کا سایہ کتے اور خنزیر سے زیادہ ناپاک سمجھا جاتا تھا۔ لہٰذا اعلٰی ذات کے لوگ ان ناپاک سایوں سے بچنے کے لیے خونخوار بھیڑیے بن جاتے تھے۔ چنانچہ انسان نما خونخوار بھیڑیوں سے ڈر کر وہ لوگ، جنہیں کتے اور خنزیر سے کم تر سمجھا جاتا تھا، بستیاں چھوڑ جنگلوں کو جاے پناہ بنا لینے پر مجبور تھے۔ مخدوم شرف الدین احمد رحمۃ اللہ علیہ تقریباً ایک دہائی تک انہی بن باسیوں میں کام کرتے رہے۔ پھر اس کام کی ضرورت اپنے وطن میں بھی تھی، لہٰذا آگرہ کے جنگلوں سے بہیا کے جنگل میں چلے آئے۔ یہاں بھی تقریباً اتنا ہی عرصہ گذرا۔ آخر یہی علاقہ سب سے زیادہ توجہ کا طالب تھا، کیونکہ اسی علاقے میں بودھوں کے مراکز آگ اور سورج کی پوجا کرنے والے مگھی برہمنوں کے مشق ستم کا خاص نشانہ تھے۔ اُن کے مراکز تباہ و برباد کر کے برہمنی مندر بنائے جاتے تھے۔ بڑگاؤں کا سورج مندر اس کی زندہ مثال ہے۔ یہ سورج مندر سے پہلے بودھوں کے مہاویہار نالندہ کا ہی ایک حصہ تھا جسے تباہ کر کے سورج مندر بنایا گیا۔ لیکن اس مندر کا ذیلی حصہ تمام فسانہ ہاے ستم سنانے کے لیے اب بھی موجود ہے۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر پاٹل نے لکھا ہے:

> "جند مندر جسے جاے وقوع نمبر 2 کا نام دیا گیا، ان بودھ مہاویہاروں کی قطار کے بعد جاے وقوع نمبر 7 اور 8 کے پیچھے، جس کا رخ اس کے بالکل مخالف سمت میں ہے۔ اس مندر کو اسپونر نے 1916ء میں تلاش کیا تھا۔ اس کے کھنڈرات مہاویہاروں کی طویل قطار سے قدرے تر چھے ہیں۔ ۔ ۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ نالندہ کی کھدائی میں نکلنے والے بودھ مندروں اور مہاویہاروں کے بالکل برعکس اس کا ملبہ زیادہ تر تخمیم تراشے ہوئے پتھروں پر مشتمل ہے، جو نہ صرف ذیلی حصہ اور بالائی مقدس مقام ہی میں ہے بلکہ تمام تر عمارت اسی کی ہے۔ اس کی بنیاد بھی پتھر کی ہے، جبکہ بودھ مندروں کی بنیاد اینٹوں کی پائی گئی ہیں۔ طرز تعمیر کے اعتبار سے بھی اس مندر اور نالندہ کے دیگر بودھ مندروں کے درمیان بین فرق ہے۔ جبکہ تھوڑی گہرائی، موجودہ بنیاد کے تقریباً 8 فٹ نیچے کھدائی کرتے ہوئے اسپونر کو اینٹوں کی تعمیر کردہ عمارت کی بنیادیں ملیں، جن کے اوپر یہ پتھر کا مندر بعد میں تعمیر کیا گیا۔"

(The Antiquarian Remains in Bihar : P326)

"اس کی نشاندہی بھی کی جا سکتی ہے کہ شاہ پور کے سنگی نگارشات و کتبات نالندہ کے پر عظمت اگراہارا (Agrahara) میں ایک مورت کی نصب کا حوالہ دیتے ہیں۔ شاید یہ سورج دیوتا کا ذکر ہے جو راجا ادیتیہ سین کے دور حکومت میں ایک اعلی فوجی ذمہ دار (بل ادھیکاری) سالا پکشچھا نے 7 ویں صدی عیسوی میں نصب کیا تھا۔

بودھوں کے لیے نالندہ اپنے ویہار اور مہا ویہاروں کی وجہ کر ہمیشہ محترم و مخصوص اہمیت کا حامل رہا ہے۔ اور اگر اہارا کا ذکر لازمی طور پر یہاں کچھ ہندو تعمیرات اور مندروں کی نشاندہی بھی کرتا ہے، جو شاید سورج دیوتا کو نذر کیے گیے تھے۔ اس کی تائید بیگم پور کے قریب اس مشہور تالاب یا پوکھر کی موجودگی سے بھی ہوتی ہے جو سورج پوکھر کہلاتا ہے۔ اور آج بھی مقدس و متبرک سمجھا جاتا ہے۔''

(The Antiqurian Remains in Bihar : P327)

''بڑگاؤں کے کھنڈرات: - وہ جائے وقوع، جہاں کھدائی کی گئی، بڑگاؤں کے حدود میں شامل ہے۔ یہاں جائے وقوع نمبر: 14 اور 11 کے درمیان اینٹوں کی ایک چہار دیواری ہے۔ گرچہ یہ آثار قدیمہ کی کھدائی والے حصے سے ملحق ہے، لیکن فی الحال اس کا حصہ نہیں۔ اس کے اندر بیٹھے ہوئے بودھ کا ایک کیم وشیم مجسمہ دھرم چکر مدرا میں ہے۔ یہ 8 فٹ بلند مجسمہ ہے۔ گاؤں کے لوگ ہندو دیوتا بھیرو یا تیلیا بابا کہ کر اس کی پوجا کرتے ہیں۔ اس مجسمہ پر تیل مل کر اس کی پوجا کی جاتی ہے۔ اس کے حدود میں بودھ دھرم سے تعلق رکھنے والے اور بھی اصنام ہیں۔ یہ وثوق سے نہیں کہا جاسکتا کہ یہ اس بات کی علامت ہے کہ ایا یہاں پر بھی کوئی بودھ مندر تھا یا ان مجسموں کو کسی قریبی بودھ مندر سے اُٹھا کر لایا گیا ہے۔''

(The Antiquarian Remains in Bihar : P329)

مختصراً ان سے یہ تو پتا چلتا ہی ہے کہ بودھوں اور ان کی عبادت گاہوں کے ساتھ کیا سلوک ہو رہا تھا۔ انہی حالات میں وہ لوگ جنہوں نے ظلم و زیادتی اور بدسلوکی سے بچنے کے لیے بودھ مت اختیار کیا تھا، جب یہاں بھی چین سے محروم کر دیے گیے تو ان بن باس پر مجبور لوگوں کے لیے راجگیر ایک بہترین جائے پناہ ثابت ہوا۔ لہٰذا ان لوگوں کی کثیر تعداد یہاں کے جنگلوں اور پہاڑوں میں پناہ گزیں ہوگئی۔ ان غمزدوں اور انسانی ہمدردی سے محروم لوگوں کو ہمدردی اور محبت کی سخت ضرورت تھی۔ حضرت مخدوم شرف الدین احمد یحیٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ نے ان لوگوں کے ساتھ وہی کیا جو انسانیت کا تقاضا اور اخلاقی فریضہ تھا۔ لیکن وہ جنہیں اب تک انسان ہی نہ سمجھا گیا ہو ان کے ساتھ کوئی اخلاقی اور انسانی سلوک کرے تو ان کے لیے بہت بڑی بات تھی۔ چنانچہ وہ لوگ مخدوم رحمۃ اللہ علیہ کے ایسے گرویدہ ہوئے کہ جوق در جوق ان کے ارادتمندوں میں شامل ہونے لگے۔ خود مخدوم جہاں رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد حضرت مخدوم حسین نوشہ توحید بلخی رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں: ''اس دور میں آپ رحمۃ اللہ علیہ کے ارادتمندوں کی تعداد ایک لاکھ سے بھی تجاوز کر گئی تھی۔'' ظاہر ہے کہ مسلمانوں کی اتنی بڑی آبادی تو ہجرت کر کے یہاں آئی نہیں تھی۔ لہٰذا وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ ان کے ارادتمندوں میں کثیر تعداد مقامی لوگوں کی ہی تھی، جو نومسلم تھے۔ لیکن حیف صد حیف کہ ہماری کم نگاہی نے مخدوم رحمۃ اللہ علیہ کی خدمات کو افسانوی رنگ دے رکھا ہے، بلکہ حد تو یہ ہے کہ انہی افسانوی باتوں کو طرۂ امتیاز بنا کر پیش کیا جاتا ہے۔ حالانکہ ہم جانتے ہے کہ مخدوم شرف الدین احمد رحمۃ اللہ علیہ ایک متبحر عالم تھے اور اچھی طرح جانتے تھے کہ لا رھبانیۃ فی الاسلام کا مفہوم کیا ہے۔ نیز خود آپ کے مکتوبات و ملفوظات میں متعدد مقام پر ایسے ارشادات موجود ہیں جن میں خدمت انسانی کی انتہائی تاکید ہے۔ ایک جگہ تو اسے نفل

صوم وصلواۃ سے بڑھ کر بتایا گیا ہے۔ اپنے ایک مکتوب میں اس دور کے ایک معزز اور انتہائی بااثر و رسوخ شخص ملک خضر کو لکھتے ہیں:

''اس دور تاریک میں اپنے قلم وزبان، مال واسباب اور اثر ورسوخ سے ضرورت مندوں کو فائدہ پہنچاؤ۔ نفل صوم وصلواۃ اپنی جگہ پر اچھی چیزیں ضرور ہیں لیکن دلوں کو خوش کرنے سے بڑھ کر نہیں''

پھر یہ تصور بھی محال ہے کہ وہ اپنے ہی قول کی خلاف ورزی کرتے ہوئے خدمت خلق نہ کر کے مراقبہ اور ورد وظائف میں اپنا زیادہ وقت دے رہے ہوں۔ آپ کے مکتوبات صدی میں مکتوب نمبر:24 میں فقیر کی تعریف میں ہے:

''ان کی رحمت وشفقت کی روشنی بھی ساری جگہ پھیلی رہتی ہے۔ خود نہ کھائیں گے لیکن اللہ کے بندوں کو کھائیں گے۔ خود اچھا کپڑا نہیں پہنیں گے مگر ضرورت مندوں کو پہنائیں گے۔ تلخ کلامی سنیں گے پر اسے برداشت کریں گے۔ ظلم سہیں گے مگر ظالم سے بدلہ نہ لیں گے بلکہ اس کی امداد کے لیے تیار رہیں گے۔ جفا کے بدلے وفا کریں گے، گالی کے بدلے دعا دیں گے۔ تم جانتے ہو اس قدر بے نفسی کی وجہ کیا ہے؟ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ان کا محافظ اللہ ہے۔''

ضرورت ہے کہ تاریخ وتحقیق کی روشنی میں جہاد اسلامی کے عظیم مجاہد حضرت مخدوم شرف الدین احمد یحیٰی منیری رحمۃ اللہ علیہ کے زبردست مجاہدے کے اس پہلو سے لوگوں کو آگاہ کیا جائے۔ مخدوم جہاں رحمۃ اللہ علیہ نے اس دار فانی میں ایک سو بائیس سال ایک ماہ اور نو روز گزار کر 6 شوال 782ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ اس تاریخ کو آج بھی آپ رحمۃ اللہ علیہ کے مقبرے کے پاس بڑی درگاہ (بہار شریف) میں چراغاں ہوتا ہے۔ ہزاروں ہزار افراد قرب وجوار سے اس موقع پر آتے ہیں۔ ان میں کچھ فاتحہ خوانی اور کچھ گن گان کر کے چلے جاتے ہیں اور اسی میں آپ رحمۃ اللہ علیہ کی قدردانی سمجھی جاتی ہے۔ حالانکہ سبھی جانتے ہیں کہ محترم وہی شخصیت ہے جس کے کارہائے نمایاں محترم ہیں۔ پھر ان اچھے کاموں پر عمل کرنے کی جگہ محض تعریف وتوصیف سے محبت کا دعویٰ اور محبت، عقیدت مندی کی نمائش تو بے دلیل عقیدت نہیں۔ اس کی اصل دلیل یہ ہوگی کہ اس مقصد کے لیے جس کے لیے حضرت مخدوم جہاں رحمۃ اللہ علیہ نے سخت مجاہدہ کیا تھا، ہم بھی کچھ جد وجہد کریں کہ

ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد۔

اور کسی کی اس سے بڑی خدمت کیا ہو سکتی ہے کہ اس کی دنیا تو دنیا آخرت بھی سنوارنے کی فکر کی جائے۔

مسٹر بسواجیت سین
آریہ کمار روڈ، پٹنہ

مترجم: احمد بدر
شعبۂ اردو، کریم سٹی کالج، جمشید پور

# ہندوستان میں اسلام کی مقبولیت کے اسباب

تبدیلی مذہب ہمارے ملک میں بحث کا موضوع ہے۔ بیچارگی اور بے توجہی کے شکار مسلم معاشرے کو، بلکہ میں یہ کہنے کی معافی چاہتا ہوں کہ ان کے آباواجداد پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ انہوں نے ماضی کے دھندلے ایام میں تلوار کی نوک پر مجبور و معصوم ہندوؤں کا مذہب تبدیل کرایا۔ ان کے مطابق غیر ملکی حملہ آوروں کے نشانے پر ہونے کی وجہ سے یہ ملک مسلم بنیاد پرستوں کے لیے بھی پسندیدہ شکارگاہ بنا رہا۔

یہ امر بھی دلچسپی سے خالی نہیں کہ یہ شگوفے اس دور میں چھوڑے جا رہے ہیں جب ہندوستان آزادی کے بعد کے زمانے کے ایک نازک ترین دور سے گذر رہا ہے۔ پبلک سیکٹر کے بڑے بڑے ادارے بند ہونے کی راہ پر ہیں۔ بے روزگاروں کی طویل قطار اپنی ملازمت کی درخواستوں کے ساتھ منسلک کرنے کے لیے بینک ڈرافٹ حاصل کرنے کو کھڑی ہے۔ لوگ اخلاقی گراوٹ کی انتہا پر پہنچے ہوئے ہیں۔ ایسی صورتحال میں یہ متوقع تھا کہ میڈیا اور عوامی تقریبات میں ایسے مسائل زیر بحث آتے جو حسب حال ہوتے۔ ایسا نہ ہو کر تبدیلی مذہب اور گئوکشی وغیرہ جیسے مسائل خصوصی توجہ کے لائق سمجھے جاتے ہیں۔

ایسے مسائل کو اچھالتے وقت چالاکی اور بددیانتی سے غیر تاریخی حقائق کو تاریخ کہہ کر پیش کیا جاتا ہے۔ افسانے حقیقت کی جگہ لے لیتے ہیں۔ یہ بہت حیرت کی بات بھی نہیں، ایسا ماضی میں بھی ہوتا رہا ہے۔ ہٹلر نے آریوں کی برتری کا شوشہ چھوڑ کر جرمنوں کو فرمانبردار پالتو جانوروں میں تبدیل کر لیا۔ یہ غور کرنے کا مقام ہے کہ یہ جرمن ہی تھے جن میں کارل مارکس، اینگلس، ریلکے، بیتھوون اور آئنسٹائن جیسے لوگ پیدا ہوئے۔ جرمنی بہترین خیالات و اقدامات کا گہوارا ہوا کرتا تھا۔ لیکن چالاکی بھرے پروپگنڈے اور حقائق پر جھوٹ کے بے رحمانہ تسلط سے ہٹلر نے اپنا مقصد حاصل کر لیا۔ گویا

ہم آج ہندوستان میں جو دیکھ رہے ہیں وہ پہلے بھی کہیں اور واقع ہو چکا ہے۔

ضرورت اس کھیل کا پردہ فاش کرنے اور سچ کی بالادستی قائم کرنے کی ہے۔ سچائی میں جھوٹ کو شکست دینے اور دھوکے سے حاصل کیے گئے مقام سے اسے بے دخل کرنے کی طاقت ہے۔ لیکن اس کے لیے ایک جہدِ مسلسل درکار ہے۔

چوں کہ انتہا پسند ہندو ذہن تلوار کی نوک پر تبدیلی کے اردگرد گھومتا رہتا ہے، اس لیے یہ سیدھی سی بات ان کے گوش گزار کرنی ضروری ہے کہ والمیکی کی رامائن یا ویاس کے مہابھارت میں کہیں بھی اجتماعی مندر کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ یہ ایک دلچسپ حقیقت ہے کہ ذاتی مندر یا پوجا کرنے کے انفرادی مقامات کے تذکرے وہاں بے شک موجود ہیں۔ راون، شیو کی پوجا کرتا تھا۔ رام نے طاقت کے حصول کے لیے درگا کی پوجا کی۔ اسی طرح مہابھارت کے کردار کٹھور تپسیا کے عمل سے زندگی میں کئی بار گذرے تا کہ اپنے معبود کی رضا حاصل کر سکیں۔ لیکن کہیں کوئی اجتماعی عبادت گاہ دکھائی نہیں دیتی، آخر کیوں؟

اس کا جواب اس حقیقت میں پوشیدہ ہو سکتا ہے کہ اس وقت تک دھرم عوامی سطح تک اس طرح نہیں پہنچا تھا جیسا کہ ہم آج دیکھتے ہیں۔ تب تک دھرم شاہی طبقے کا ہی معاملہ تھا۔ وہ اپنے اپنے معبود کے ساتھ ذاتی تعلق کے قائل تھے۔ ان کی عبادت بھی چند مخصوص خواہشات پر ہی مرکوز تھی۔ راون نے شیو کی عبادت کی تا کہ وہ رام سے مغلوب نہ ہو۔ رام نے درگا کی پوجا کی تا کہ وہ راون کو شکست دے سکیں۔ مہابھارت کے ہیرو اس لیے سخت ریاضتیں کرتے ہیں تا کہ ان کی مرادیں پوری ہوں۔ ان کی خواہشات کا دائرہ بھی جنگ میں فتح حاصل کرنے تک ہی محدود تھا۔ کچھ اور کہانیاں بھی ہیں جن میں راجا اور رانیاں پوجا کرتے ہیں تا کہ اولاد، زیادہ تر اولادِ نرینہ، پیدا ہو۔ راجا دشرتھ نے بیٹے کے حصول کے لیے یگیہ کا انعقاد کیا۔ یہ الگ بات ہے کہ اس میں بڑی تعداد میں عوام بھی شامل ہوئے، لیکن اپنی کسی آرزو کی تکمیل کے لیے نہیں، بلکہ صرف اس لیے کہ راجا کو اولاد حاصل ہو جائے۔

مذہب کا بھی اس وقت وہ مفہوم نہیں تھا جو آج ہے۔ دھرم کے معنی تھے، وہ جو قابو میں رکھتا ہے، مثلاً ایک قسم کا نظم و ضبط، فرض وغیرہ۔ اس مفہوم میں بڑی وسعت ہے اور اس کی من چاہی تاویلیں کی جا سکتی ہیں۔ ایک شکاری کا دھرم یعنی فرض ہے کہ وہ شکار کرے، جانوروں کو ہلاک کرے۔ آج کسی مذہبی ویشنو پر اس مفہوم سے دہشت طاری ہو سکتی ہے، لیکن دھرم کا بنیادی مفہوم یہی تھا۔ دھرم کا دوسرا مطلب بعد میں نکالا گیا۔ اس بنیادی معنی سے کوئی بآسانی یہ نتیجہ برآمد کر سکتا ہے کہ یہ دھرم ایک فرض یا ایک نظم و ضبط کی شکل میں اوپر سے لوگوں پر تھوپا گیا تھا، جس پر انہیں ہر قیمت پر کاربند رہنا تھا۔ اس کا ایک معنی پیشہ یا کاروبار بھی ہے۔ مہابھارت کے وایو پرو میں ایک دھرم ویادھ کی کہانی موجود ہے جو شکار کیے ہوئے جانوروں کا گوشت بیچتا تھا۔ کوشک رشی کو حکم ہوا کہ اس سے جا کر ملیں اور دھرم کا مطلب سمجھیں۔ کوشک نے دیکھا کہ وہ اپنے والدین کی خدمت میں انتہائی مستعد ہے اور اپنے پیشے میں بہت ایماندار ہے۔ حالانکہ اس

کے پورے جسم پر مارے گئے جانوروں کے خون کے چھینٹے تھے۔ ان کے دریافت کرنے پر دھرم ویادھ نے جو جواب دیا وہ آج کے ھندتو نوازوں کو مشتعل کر دینے کے لیے کافی ہے۔ دھرم ویادھ نے کوشک کو بتایا: ''میں اپنی پیدائشی برادری کے مطابق عمل کرتا ہوں۔ پیدا کرنے والے نے جو دھرم مجھے دیا ہے میں اس پر کاربند ہوں۔ میں بوڑھے والدین کی خدمت کرتا ہوں، سچ بولتا ہوں، حسد نہیں کرتا، اپنی صلاحیت کے مطابق خیرات دیتا ہوں، میں کھانا تب کھاتا ہوں جب اپنے دیوتاؤں، مہمانوں اور نوکروں کو کھلا لیتا ہوں۔ میں جانوروں کو خود نہیں مارتا۔ میں سوروں اور بھینسوں کا گوشت بیچتا ہوں جنہیں دوسروں نے مارا ہو۔ میں خود گوشت نہیں کھاتا۔ کسی غیر عورت سے تعلق نہیں رکھتا۔ دن میں روزہ رہتا ہوں اور رات میں کھانا کھاتا ہوں۔ معبود، والدین، مہمان اور رشتہ دار سب کی خدمت گوشت سے کی جاتی ہے اور اس طرح مردہ جانور بھی دھرم کا مقرر کردہ معیار حاصل کر لیتا ہے۔

شرتی کے مطابق: ''غلّے کی طرح دوائیاں، پودے، مارے گئے جانور اور پرندے بھی انسان کی خوراک ہیں۔ راجارتی دیو کے باورچی خانے میں روز دو سو گایوں کا گوشت پکتا تھا۔ اگر معینہ قاعدوں کے مطابق ہو تو گوشت خوری میں کوئی گناہ نہیں''۔ یہ ذکر بھی بے محل نہیں کہ راجارتی دیو جین اساطیر میں ایک قابل احترام شخصیت ہے اور جین برصغیر میں سب سے کٹر سبزی خور ہیں۔

یہاں ایک دلچسپ بحث کا آغاز ہو سکتا ہے۔ کیا ھندوازم کو کسی بھی طرح ایک مذہب کہہ سکتے ہیں؟ اس بحث میں الجھنے کی بجائے اسے ایک طرز زندگی کہنا بہتر ہے۔ یہ ایک رسم و رواج کا مجموعہ ہے۔ یہ دنیا میں رائج مذاہب سے بالکل الگ ایک مذہب ہے۔ اس نے اسی طرح تشکیل پائی جس طرح اس ملک ہندستان نے ھندوازم کے ان تمام روحانی اقدار کو سمیٹ لیا جو اس کے رابطے میں آئیں۔ اسی لیے ھندوازم میں ہمیں ایسے بے شمار روحانی مکاتب فکر ملیں گے جن پر اسلام کا ایک واضح اثر موجود ہے، جو ایک عالمی مذہب ہے اور ہندستان میں تاجروں، فوجیوں اور صوفیوں کے ذریعہ پہنچا۔ یہ مکاتب فکر بھگتی تحریک کے بڑے دائرے میں سمیٹے جا سکتے ہیں۔ کئی ویشنو فرقے (جن میں سے کچھ اپنی اصلی شکل سے بالکل بدل بھی چکے ہیں) اسلام کی جھلک پیش کرنے سے نہیں چوکتے۔ بنگال کے ویشنو اور باؤل مکتبۂ فکر کا ایک فرقہ صاحب دھنی سمپردایہ کے نام سے موسوم ہے۔ خیال ہے کہ صاحب ایک عربی لفظ ہے۔ یہ فرقہ بیر بھوم ضلع کے دلتوں اور اچھوتوں کے درمیان مقبول ہے۔ ایک اور ویشنو باؤل فرقہ کرتا بھجا سمپردایہ کے نام سے ہے جس کا بنگلہ سے ترجمہ ہوگا 'جو لوگ خدا کی عبادت کرتے ہیں'۔ یہ غیر مرئی خدائے واحد کے پرستار ہیں اور تمام ویشنو کی طرح گوشت نہیں کھاتے۔

ایک زمانے میں ویشنو ازم کی یہ تحریک ایک زبردست اصلاحی تحریک تھی۔ ویشنو مت کے بانی چیتنیہ مہاپربھو نے عبادت الٰہی میں اجتماعیت پر زور دیا ہے۔ اس سے قبل ہندو انفرادی طور پر ہی عبادت کرتے آئے تھے۔

مندروں کی تعمیر کے بعد بھی بنگال کے پچھڑوں اور ہریجنوں کو مندر میں داخلے کی اجازت نہیں تھی۔ عبادت میں اس امتیاز بے جا کو دور کرنے کے لیے کیرتن رائج کیا۔ ان کے ماننے والوں کو، چاہے امیر ہو یا غریب، کیرتن میں شریک ہونا ہی ہوتا تھا۔ کیرتن دراصل حمدیہ نغموں کو اجتماعی طور پر گانے کا طریقہ تھا جو اس سے پہلے رائج نہیں تھا۔ ویشنومت نے پریم کو خدا کی عبادت کے طور پر پیش کیا۔ اس طریقۂ عبادت کو مقبول بنانے کے لیے کرشن اور رادھا کے عشق کو ایک مقدس عمل کی حیثیت دی۔ کرشن اس وشنو کے اوتار تھے جن کے ناف پر یہ دنیا ٹکی ہوئی ہے۔ اونچے اور نیچے، امیر اور غریب کو ایک مذہبی وثقافتی رشتے میں باندھنے کا یہ محبت بھرا طریقہ صوفی فکر اور نماز، باجماعت یعنی اسلام کے دو اعمال کے اثرات کے مظہر ہیں۔ یہ عناصر ہندوستان میں عرب ایرانی تاجروں، فوجیوں اور صوفیوں کے ساتھ ہی آئے۔ ویشنومت کے ماننے والوں کی بڑی تعداد کا تعلق غیر اشراف ذاتوں سے تھا اور ان میں گوپ یا یادو سب سے زیادہ تھے۔ چونکہ کرشن یادو تھے اس لیے ویشنومت کا یہ رنگ ان کے ذہنوں پر زیادہ کامیابی سے اثر انداز ہوا جو خود کو سناتن دھرم کے ماننے والوں کے ہاتھوں حاشیے پر ڈال دیے گئے محسوس کر رہے تھے۔

چیتنیہ مہاپربھو صرف نظریہ ساز نہیں تھے بلکہ سماجی اصلاح کے عامل بھی تھے۔ پوری میں ان کی موت (جس پر ابھی تک اسرار کا پردہ ہے) بھی اسی بات کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ پوری کا راجا ان کا بڑا معتقد تھا۔ اس وقت پوری کے مشہور مندر کے دروازے ہریجنوں کے لیے نہیں کھلے تھے۔ مہاپربھو نے راجا کو قائل کرنے کی کوشش کی تاکہ اچھوتوں کا داخلہ مندر میں ہو سکے۔ ایسا کر کے انہوں نے پوری کے مندر کے پجاریوں کی دشمنی مول لے لی۔ انہوں نے مہاپربھو کو قتل کر کے مندر کی سیڑھیوں کے نیچے دفن کر دیا اور یہ افواہ پھیلا دی کہ جوار بھاٹے کے دوران سمندر کے پانی میں چاند کا عکس دیکھ کر ان پر ایک جنونی کیفیت طاری ہو گئی اور وہ پانی میں چھلانگ مار کر ڈوب گئے۔

ان کی موت کی وجہ چاہے جو رہی ہو، اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ بنگال اور اس سے متصل صوبوں میں سماجی زندگی پر ان کا زبردست اثر تھا۔ وہاں کی مبینہ نچلی ذات کے لوگوں نے ویشنومت کی تعلیمات کی بدولت ایک آواز، ایک پہچان اور ایک بھروسا حاصل کر لیا۔ حالانکہ چیتنیہ مہاپربھو کی زندگی کا عرصہ مختصر رہا پھر بھی انہوں نے سناتن سماجی ڈھانچے پر کاری ضرب لگائی اور ہمیشہ کے لیے اسے کمزور کر دیا۔ مہاپربھو کے بعد بنگال اور اطراف کی سماجی مذہبی زندگی کبھی حسب سابق نہ ہو سکی۔ سناتن دھرم وہ فوقیت پھر نہ حاصل کر سکا جو چیتنیہ مہاپربھو کی آمد سے قبل تھا۔

یہ ہمارے پیش نظر ہے کہ ویشنومت نے مضبوطی حاصل کرنے کے لیے تصوف کے عناصر سے استفادہ کیا۔ لیکن ایسا کرنے کی کچھ وجوہ بھی رہی ہوں گی۔ وہ کیا تھیں؟

یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ جب ہندوستانی فلسفے، طرز حکومت اور عوامی زندگی کو نئی جہتوں سے ہمکنار کرنے والے بدھ مت کا زریں دور زوال پذیر ہوا تب سناتن نے دھیرے دھیرے اس کی تخریب شروع کر

دی۔ بدھ، جو گویا خدا کے وجود کے ہی منکر تھے، وشنو کے بارہویں اوتار قرار دیے گئے اور ہندو دیوتاؤں میں شامل کر لیے گئے۔ ساتھ ہی ساتھ بدھ فلسفے کی مابعد الطبعیاتی دھار کند کر کے اسے سناتن ھندوازم کی ہی طرح رسوم و رواج کے ایک اور مجموعے جیسا بنا دیا گیا۔ یہ مقصد حاصل کر لینے کے بعد سناتن اپنی انتقامی مہم میں سرگرم ہو گئے۔ برھمنیت سماج کے کندھوں پر ایک ناگزیر بوجھ کی طرح لاد دی گئی۔ عوام کو راجا اور برہمن دونوں کو ٹیکس دینے کی مصیبت تھی۔ غالباً اسی دور میں عوام سے لی جانے والی رقم کا کسی حد تک جواز پیدا کرنے کے لیے برہمنوں نے اجتماعی یا عوامی پوجا گھروں کی تعمیر شروع کی۔ جیسے ویشنومت تصوف سے متاثر تھا ویسے ہی مندر سازی میں برہمنیت بدھ مت ہے۔ بدھوں کے وھار (جہاں بیٹھ کر تارک الدنیا سادھو اجتماعی ریاضت کرتے تھے) کا تصور برہمنیت نے لے تو لیا مگر اس کے ایک مثبت پہلو کی اندیکھی کر دی گئی، یعنی، رنگ، نسل، ذات اور جنس کی تمیز کے بغیر سماجی زندگی بسر کرنا۔ مندر ایسے مقام ہو گئے جہاں لوگ آتے، پوجا کرتے اور دیوتاؤں یا بتوں وغیرہ کو چڑھاوے چڑھاتے۔ یوں مندر ریاست کے درمیان ریاست کے طور پر ابھرے اور خاصی دولت کے مالک بن گئے۔ ٹیکس لینے کے اس نظام کی کئی شکلیں تھیں۔ اس کی ایک دلچسپ شہادت ہمیں رمئی پنڈت کے شنیہ پُران میں ملتی ہے، جو یہ بھی واضح کرتا ہے کہ کیسے برہمنیت اور اس کے مظالم سے تنگ آ کر لوگوں نے اسلام کو آزادی کے مذہب کے طور پر قبول کیا:

> جاج پور میں برہمنوں کے سولہ سو گھر ہیں جہاں صرف شرپسند ہی رہتے ہیں۔ وہ رقم وصولنے نکلتے ہیں اور جو نہ دے سکے اس کے ساتھ اتنا اذیت ناک سلوک کرتے ہیں کہ اس کے تن بدن میں آگ لگ جاتی ہے۔ مالدہ میں رقم کی جبری وصولی ہوتی ہے اور اس میں تعلقات کا پاس بھی نہیں رکھا جاتا۔ وہ جابر ہیں اور جب ان میں سے دس بیس یکجا ہوتے ہیں تو وہ اپنے ہم مذہب لوگوں کو تباہ کر ڈالتے ہیں۔ وہ وید پڑھتے اور آگ اگلتے ہیں، جس سے عوام دہشت زدہ رہتے ہیں۔ ایسے ہی ستم زدہ لوگوں نے خدا سے شکایت کی اور انصاف مانگا۔ دھرم دیوتا بہشت میں تھے۔ انہوں نے سارے معاملے کو سمجھا اور ایک طرح کی فرضی تاریکی پیدا کی۔ دھرم دیوتا نے بدیسیوں کا لباس پہنا اور ایک کالی ٹوپی سر پر رکھی۔ بھالے اور توپ کو ہتھیار کے طور پر لیا۔ وہ پوری شان و شوکت سے سوار ہو کر آیا اور تینوں جہان (آسمان، زمین اور تحت الثریٰ) کو ایک ہی خدا کا نام لینے کو کہا، جو ہر طرح کی زیب و زینت اور شکل و صورت سے مبرّا ہے اور صرف اس کا نام ہی لے سکتے ہیں۔ سارے دیوتاؤں نے اس سے اتفاق کیا اور سب نے پاجامے پہن لیے۔ برہما محمد ہو گئے، وشنو پیغمبر ہو گئے۔ شیو آدم، گنیش غازی اور کارتک قاضی۔ سارے رشی منی فقیر ہو گئے۔ نارد نے اپنا لباس ترک کیا اور شیخ ہو گئے اور اندر مولانا۔ سورج اور چاند جیسے دیوتا سپاہی بن گئے اور جنگی نقارے بجانے لگے۔ چنڈیکا دیوی حیابی بی بن گئی اور پدماوتی دیوی نور بی بی۔ پھر سارے دیوتاؤں نے مشورہ کیا اور جاجپور آئے۔ انہوں نے مندروں کی عمارتیں اور چہار دیواریاں توڑنا شروع کیں۔ سارا کھانا چھین کر کھا گئے اور ہر جگہ قیام کرتے ہوئے آگے بڑھے۔ انہوں نے لوگوں کو پکڑا اور اپنی طرح بولنے اور کرنے کا حکم دیا۔ رمئی پنڈت دھرم دیوتا کی قدم بوسی کرتا ہوا اس انقلاب عظیم کے گیت گاتا ہے۔

شنیہ پران کا یہ اقتباس اس بات کی وضاحت کر دیتا ہے کہ اسلام کی آمد اور فروغ کو عوام اور برہمنوں کا ایک محروم طبقہ (رشی پنڈت بھی برہمن تھے) کس تناظر میں دیکھتا تھا اور وہ کون سے عوامل تھے جنہوں نے اسلام کو مقبول عام کیا۔ یہ تلوار کی طاقت سے نہیں پھیلا جیسا سناتن دھرم والوں نے مشہور کیا بلکہ انہیں کے ذریعہ پیدا کی گئی گہری سماجی کھائی نے اسلام کی راہ ہموار کی۔ بلا شبہ اس دوران کچھ کشت و خون بھرے تصادم بھی ہیں اور کچھ مندر بھی توڑے اور لوٹے گئے ہیں۔ چونکہ یہ مندر ریاست کے اندر ریاست کی طرح تھے اور اس کی بنیاد میں عوام کو فریب دے کر جمع کی گئی بے شمار دولت تھی، اس لیے ان کے ٹوٹنے سے عوام کے ذہن میں کوئی ردعمل پیدا نہ ہوا بلکہ عوام عبادت خانوں کے تباہ کیے جانے کا منظر دیکھنے کے عادی تھے۔ سناتنیوں نے بودھوں کے دھار مسمار کیے۔ کبھی کبھی بودھوں نے بھی ہندو مندر توڑے۔ جنوبی ہند میں جینیوں اور شیومت والوں کے درمیان خون آمیز لمبی لڑائیاں چلیں جن میں ہزاروں جینیوں کے قتل عام کے علاوہ بڑی تعداد میں ان کی عبادت گاہیں بھی برباد ہوئیں۔ ایک دوسرے کی عبادت گاہوں کے تباہ کرنے کا یہ نظارہ عہد وسطی تک چلتا رہا۔ تب تک مذہب عوام کی ایک بڑی پہچان بن چکا تھا اور حکومت پر قابض ہونے کے دوران لوگوں کی مذہبی شناخت کو تباہ کرنا بھی ضروری تھا۔ فاتح طاقت مفتوح کی مذہبی علامتوں کو تاراج کر کے خود کو محفوظ سمجھتی تھی۔ اگر مغلوب قوم خود سے ایسا نہیں کرتی تھی تو فاتح طاقت کے زور پر ایسا کراتے تھے۔

ہندستان میں اقتدار کی تلاش میں کچھ جماعتیں جن کا نہ کوئی معقول سماجی معاشی ہدف ہے نہ مستقبل میں ترقی کا کوئی لائحہ، ماضی کی طرف انگشت نمائی کرنے کے علاوہ ان کے پاس کوئی چارہ کار نہیں ہے۔ اسی سے ان کی نالائقی پر پردہ پڑ سکتا ہے۔ اسی مقصد سے عوام کا ذہن ایسے موضوعات کی طرف موڑا جاتا ہے جن کی کوئی اصل نہیں۔ تبدیلی مذہب اور گئو کشی وغیرہ موضوعات پر زوردار مباحثے اچھالے جاتے ہیں اور انسانی گوشت کے سوداگر ہر جواب دہی سے پاک ہیں۔ یہ ایک عجیب و غریب بلکہ انسانی تاریخ میں غالباً سب سے حیرت انگیز دہرا رویہ ہے۔ لیکن ہمیں امید رکھنی چاہیے کہ معاشرہ ہر دور میں اسے محسوس کرے گا اور اس مسخرہ پن کا پردہ چاک کرے گا جو 'تاریخی انصاف' (Historical Justice) کے نام پر کی جاتی ہے۔

⁕ ⁕ ⁕

> اس کائنات کا ہر ذرہ اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا ایک ذریعہ ہے، لیکن قریب ترین اور آسان ترین راستہ یہ ہے کہ کسی کا درد بانٹ لیا جائے۔
>
> (حضرت مخدوم جہاںؒ)

حضرت سید شاہ شمیم الدین احمد منعمی

# معدن الاسرار فی بیان خاندان مشرب شطار

## تعارف، تجزیہ اور ترجمہ

مؤلف: حضرت شیخ فیض اللہ ابو محمد المعروف بقاضن عُلا شطاری

تقدیم: حضرت سید علی بن محمد ابن جکن العلوی المعروف بہ منجھن سید جیوا الحسینی

سلسلہ شطاریہ کے بانی حضرت شیخ عبداللہ شطار نوری البخاری (م890ھ/ 1458ء) ہیں جن کے مدفن کا شرف اسی ہندوستان کے شہر منڈو کو حاصل ہے۔ وہ لمبی سیاحت کے بعد ہندوستان پہنچے تھے اور اس دوران انہوں نے ایک سو تیرہ مشائخ کرام سے استفادہ فرمایا تھا جن میں تین نام بہت اہم ہیں:

(1) حضرت شیخ حاجی محمد بن عارف فاریابی (2) حضرت شیخ مظفر کنکانی خلوتی نیشاپوری

(3) حضرت موحد ربانی سید علی ہمدانی سہروردی

سلسلہ شطاریہ ان تمام فیوض و برکات کا مجموعہ ہے جو حضرت شیخ عبداللہ شطاری کی ذات میں مجتمع ہو گئے تھے۔ ہندوستان میں آپ کے دو خلفا مشہور زمانہ ہوئے:

(1) شیخ محمد علا المعروف بہ شیخ قاضن شطاری (2) شیخ حافظ جونپوری

شیخ حافظ جونپوری سے بھی سلسلہ شطاریہ کا فیضان ہوا تھا لیکن اس سلسلے کا اصل فیضان حضرت شیخ محمد علا المعروف بہ شیخ قاضن اور ان کے خلفا کے ذریعہ عام ہوا اور ہنوز جاری ہے۔

**معدن الاسرار کی اہمیت:** معدن الاسرار کے بعد سلسلہ شطاریہ سے متعلق جتنی کتابیں تالیف ہوئیں یا تعلیم وارشاد کا دفتر کھلا سب کا سب بالواسطہ یا بلاواسطہ معدن الاسرار کا خوشہ چین ہے۔ اس رسالے میں سلسلۂ شطاریہ کے افکار، اشغال اور اذکار کا مستند تعارف ہے۔ شطاری طرز و طریقۂ سلوک کو جاننے کے لیے یہ ایک عمدہ اور ثقہ ذریعہ ہے۔ اس تالیف میں جہاں سلوک کی بلندیوں اور ترقیوں کا ذکر ہے وہیں فی زمانہ راہ سلوک کی سختیوں اور

مجاہدات سے جی چرانے کا مرثیہ بھی ہے۔ نام نہاد صوفیوں کی قلعی بھی کھولی گئی ہے۔ معدن الاسرار جہاں ایک طرف شطاری طریقے سے راہ سلوک طے کرنے والوں کے لیے نعمت بیش بہا ہے وہیں دوسری طرف مطالعہ تصوف کے شائقین کے لیے شطاری طرز اور آہنگ کو سمجھنے کا ایک عمدہ ذریعہ بھی ہے۔

نویں صدی ہجری کے اواخر میں بہار نہ صرف سلسلۂ شطاریہ کے اہم ترین مرکز کی حیثیت اختیار کر گیا تھا بلکہ حضرت قاضن علا شطاری کی شخصیت یکتائے روزگار شیخ زمانہ کی حیثیت سے چمک اٹھی تھی۔ معدن الاسرار اس عروج کی گواہ ہے۔

معدن الاسرار کی زبان عربی آمیز فارسی ہے اور نویں صدی ہجری کی شمال مشرقی ہندوستان میں رائج فارسی کی نمایندہ ہے۔ بعض جگہوں پر مقامی، ہندی الفاظ کا برجستہ استعمال بھی اس کی انفرادیت ہے مثلاً ایک جگہ فرماتے ہیں:

واگر درین مدت مستر شد برمرشد چیزی را التماس شغل کند مرشد مستر شد را دھکہ زدہ ور کند.

ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

در آن میان مقتضای قدر خدمت شیخ احمد محمد عبدالحکیم را زحمت مرجھی شدہ. وقت نماز بمثین طریق حالت نزع شدند. (معدن الاسرار).

حضرت عبداللہ شطار سے متعلق اطلاعات کے لیے بھی بہترین ماخذ ہے اور خود حضرت قاضن علا شطاری کی عظیم شخصیت بھی اس تالیف سے نمایاں ہوتی ہے۔

سلسلۂ شطاریہ کی علمی یادگاریں زیادہ تر عدم توجہ کا شکار ہیں۔ شطاری لٹریچر میں سب سے زیادہ مقبولیت جواہر خمسہ مؤلفہ حضرت شیخ محمد غوث گوالیاری کو ملی لیکن خود حضرت غوث گوالیاری کی دوسری تالیفات ہنوز نایاب ہیں۔ حضرت شیخ عبداللہ شطار نے خود لطائف غیبیہ کے نام سے ایک رسالہ تالیف فرمایا تھا اس رسالے کی شرح جواهر الاسرار فی شرح اللطيفة الغيبية کے نام سے عربی میں شیخ عماد الدین محمد عارف عثمانی معروف بہ عبدالنبی شطاری (م 1020ھ) نے کی تھی۔ حضرت شیخ حافظ جونپوری نے بھی ورثة الحق کے نام سے شطاریہ سلسلہ کے بعض مصطلحات کی شرح حضرت شیخ عبداللہ شطار کے ملفوظات کی شکل میں جمع فرمایا تھا لیکن یہ کتابیں اب نایاب ہیں۔ معدن الاسرار کے بعد ان کتابوں کے تعارف کی بھی کوشش کروں گا ان شاء اللہ تعالیٰ! لطائف غیبیہ کے بعد معدن الاسرار سلسلۂ شطاریہ کی دوسری قدیم ترین اور مستند علمی یادگار ہے۔

**معدن الاسرار کے قلمی نسخے:** خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ میں اس کے دو قلمی نسخے موجود تھے جن میں سے ایک نسخہ اپنی شکستگی و ربودگی کی وجہ کر ناقابل قرأت ہے۔ دوسرا نسخہ اوراد امام الدین شطاری کے ساتھ مجلد تھا اور اس نسخے سے ڈاکٹر فضیل احمد قادری نے اپنی کتاب تاریخ مشرب شطار میں استفادے کا تذکرہ کیا

ہے۔لیکن اب شاید یہ خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف کے کتب خانے میں اپنی جگہ سے بے جگہ ہوگیا ہے۔ معدن الاسرار کا ایک نسخہ منیر شریف میں بھی موجود تھا لیکن مجھے اب تک اس نسخے تک باوجود کوشش کے رسائی نہیں ہوئی ہے۔ معدن الاسرار کا ایک خوش خط نسخہ درگاہ پیر محمد لائبریری احمد آباد گجرات میں موجود ہے جس سے میں نے استفادہ کیا اور اسی نسخے کی زیراکس کاپی مجھے حضرت مولانا محمود رفاقتی صاحب مدظلہ العالی، بھوانی پوری، مظفر پور سے بھی حاصل ہوئی۔ جزاہ اللہ تعالیٰ خیرا لجزا ! یہی نسخہ میرے ترجمے کے لیے اساسی نسخہ ہے۔ معدن الاسرار کا ایک نسخہ مولانا ابوالکلام آزاد عربک اینڈ پرشین ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، ٹونک راجستھان میں بھی موجود ہے اور میں نے اس سے بھی استفادہ کیا ہے۔ معدن الاسرار کا ایک اقتباس خانقاہ بلخیہ فتوحہ، پٹنہ کی ملک ہے۔ میں نے اس سے بھی رجوع کیا ہے۔

## دیگر مصنفین کی معدن الاسرار

معدن الاسرار کے نام سے بعض لوگوں کو غلط فہمی بھی ہوئی ہے اس لیے یہ وضاحت ضروری ہے کہ فارسی زبان میں معدن الاسرار کے نام سے تین قلمی کتابیں اور ملتی ہیں جس کے مصنف دوسرے ہیں:

(1) معدن الاسرار مصنفہ فیض اللہ بن زین العابدین بن حسام بلبانی الخاطب بملک القضاۃ۔ یہ دراصل امام غزالی کے دو رسالے مصؤن علی غیر اهله اور مصؤن علی اهله کے ترجمہ، تشریح اور اضافے پر مشتمل ہے۔اس کے نسخے ٹونک، رام پور اور دہلی یونیورسٹی میں موجود ہیں۔

(2) معدن الاسرار مصنفہ اعظم الحسینی الچشتی بن سید محمد شاہ مرزا 1191ھ میں مؤلفہ۔اس رسالے کا ایک قلمی نسخہ سالار جنگ میوزیم میں محفوظ ہے۔

(3) معدن الاسرار مصنفہ حضرت شاہ فیض اللہ فرحتؔ عظیم آبادی (م 1278ھ)۔اس کا اردو ترجمہ عبدالرزاق حیدرآبادی نے کیا تھا اور یہ گلدستہ دار القرار کے نام سے چھپ چکا ہے۔اب نایاب ہے۔

(4) فن تجوید پر معدن الاسرار کے نام سے ایک رسالہ عربی زبان میں آصفیہ لائبریری حیدرآباد میں بھی ملتا ہے۔

## معدن الاسرار کا زمانہ تالیف

معدن الاسرار کا زمانہ تالیف اندرون متن کہیں درج نہیں ہے۔لیکن یہ حقیقت بالکل واضح ہے کہ اس رسالہ کی تالیف حضرت عبداللہ شطاری کے وصال 890ھ/1458ء کے بعد اور حضرت شیخ فیض اللہ ابو محمد المعروف بہ قاضن علا شطاری کے وصال 901ھ/1495ء کے پہلے ہوئی ہوگی۔

## کیا معدن الاسرار ملفوظات کا مجموعہ ہے؟

معدن الاسرار کے سلسلے میں بعض فہرست نگاروں اور تذکرہ نگاروں کو دو طرح کی غلط فہمیاں ہوئی ہیں:

(1) بعض نے معدن الاسرار کو حضرت سید علی منجھن شطاری کی تالیف لکھ دیا ہے جو سراسر غلط ہے۔[1]

(2) بعض نے معدن الاسرار کو حضرت قاضن علا شطاری کا ملفوظ لکھتے ہوئے اس کا جامع حضرت سید علی منجھن شطاری کو قرار دیا ہے جبکہ یہ اطلاع بھی صحیح نہیں ہے۔[2]

معدن الاسرار دراصل حضرت قاضن علا شطاری کی اپنی تالیف ہے چنانچہ خود فرماتے ہیں:

(1) بندۂ ناچیز محمد بن علا المعروف به قاضن ترهتی مؤلف این رساله مسمی معدن الاسرار. (فصل:50 دربیان توحید)

(2) مؤلف این رساله معدن الاسرار محمد علا المعروف بقاضن ابن علا ترهتی ۔ (فصل:59،دربیان بعضی اسماء)

معدن الاسرار کے مقدمہ میں خود مقدمہ نگار حضرت میر سید علی منجھن شطاری بھی فرماتے ہیں:

حضرت سلطان المشایخ ......... شیخ فیض الله ابو محمد المعروف به شیخ قاضن علا نورالله مضجعه ...... هریکی از اشغال و احوال بر سبیل تفسیر به شصت ویك فصل ...... بیان فرمود ...... و این مجموعه را برساله معدن الاسرار فی بیان خامدان مشرب شطار نام نهاد.

مناهج الشطار میں حضرت بیج امام الدین راجگیر ی شطاری بھی یہی لکھتے ہیں:

نسخه معدن الاسرار تصنیف حضرت مخدوم شاه قاضن علا شطاری افاض علینا برکات روحه.[3]

لہذا یہ بات بالکل واضح ہے کہ معدن الاسرار، فوائد الفواد، معدن المعانی، راحة القلوب، خیر المجالس اور لطائف اشرفی وغیرہ کی طرح ملفوظ نہیں ہے بلکہ یہ خود حضرت قاضن علا شطاری کی تالیف ہے اور حضرت مؤلف نے بذات خود اسے 61 فصلوں میں تقسیم کرکے اپنی اس تالیف کا نام معدن الاسرار رکھا تھا لیکن اپنی اس تالیف کے قبل مقدمہ یا پیش لفظ تالیف نہیں فرمایا تھا چنانچہ حضرت میر سید علی منجھن شطاری نے صرف اس تالیف میں مقدمہ کی کمی کو پوری کی ہے اور ایک مقدمہ تالیف فرما کر اس تالیف کے شروع میں منسلک کر دیا ہے۔

## معدن الاسرار کے مؤلف حضرت شیخ فیض اللہ ابو محمد المعروف بہ قاضن علا شطاری

حضرت قاضن علا شطاری منیر شریف، پٹنہ کے مشہور و معروف خانوادۂ تاج فقیہی کے چشم و چراغ تھے۔ آپ کے جد اعلیٰ حضرت امام محمد تاج فقیہ ہے آپ کا سلسلہ نسب یوں ملتا ہے:

حضرت شیخ قاضن علا شطاری ابن قاضی شیخ علاؤالدین ابن قاضی شیخ عالم ابن قاضی شیخ جمال الدین ابن شیخ علی ابن شیخ سلیمان بن مخدوم شاہ صلاح الدین بن حضرت مخدوم شاہ اسمٰعیل ابن حضرت امام محمد تاج فقیہ۔[4]

حضرت امام محمد تاج فقیہ نسباً زبیری وہاشمی تھے یعنی آپ کا سلسلہ حضور نبی کریم ﷺ کے چچا زبیر بن عبدالمطلب سے جا ملتا ہے۔ شمال مشرقی ہندوستان میں تبلیغ ودعوت اسلام کے حوالے سے حضرت امام محمد تاج فقیہ کا نام نامی بہت اہم اور کلیدی ہے۔ افسوس ہمارے پاس ان کی اور ان کی خدمات سے متعلق معلومات نہیں کے برابر ہیں لیکن اس کے نتائج ہر طرف نمایاں ہیں۔ ان کے تینوں صاحبزادے شیخ اسرائیل، شیخ اسمٰعیل اور شیخ عبدالعزیز نے مقصد کی حصولیابی کے لیے خود کو منتشر کرلیا تھا چنانچہ شیخ اسرائیل منیر میں رہے، شیخ اسماعیل نے ترہت کا علاقہ اختیار کیا اور شیخ عبدالعزیز کے اخلاف نے جنوبی بہار کا رخ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان تینوں بھائیوں کی اولاد میں خوب خوب برکتیں عطا فرمائیں اور یہ خاندان تاج فقیہی پھلتا پھولتا رہا۔ آٹھویں اور نویں صدی ہجری میں بے شمار علما صوفیا قضاۃ ومشائخ اس خاندان میں ہوئے اور ان کی خدمات کے دوررس نتائج برآمد ہوئے اور ہورہے ہیں۔ شجروں کے مطالعہ سے پتہ ملتا ہے کہ شیخ اسمٰعیل کی اولاد میں کئی پشتوں تک عہدۂ قضا رہا۔ شیخ اسمٰعیل کی چھٹی پشت میں قاضی علاؤالدین کو جو شیخ علا کے نام سے مشہور تھے اللہ تعالیٰ نے شیخ قاضن علا شطاری جیسا فرزند عطا فرمایا جنہیں شیخ اسمٰعیل کی اولاد میں سب سے زیادہ شہرت و بزرگی حاصل ہوئی۔ شیخ قاضن علا شطاری کی نشو ونما اور تعلیم وتربیت کے بارے میں تذکرے خاموش ہیں۔ صرف یہ پتا چلتا ہے کہ انہوں نے بارہ برس ضلع سارن کے شیخپورہ میں حضرت شیخ زین العابدین المعروف میران سید زاہد سارنی کی خانقاہ میں علم ظاہر کی تحصیل فرمائی۔ شیخ زاہد سارنی عالم تبحر اور شیخ زمانہ تھے۔ انہیں اپنے ماموں حضرت شیخ محمد عیسیٰ تاج صدیقی جونپوری سے شرف دامادی کے ساتھ ساتھ اجازت وخلافت کا بھی شرف حاصل تھا اور انہوں نے ملک العلما کی تفسیر الاحکام کی ایک شرح خزانۂ زاھدی کے نام سے تالیف فرمائی تھی۔ (5) حضرت قاضن علا شطاری تعلیم وتربیت سے فراغت کے بعد اجازت و خلافت سے بھی سرفراز ہوئے اور استاد نیز مرشد روحانی نے آپ کو اس قدر پسند فرمایا کہ اپنی صاحبزادی بی بی مکہ کو آپ کی زوجیت میں دے کر اپنا داماد بھی بنالیا۔

حضرت قاضن علا شطاری جن مشائخ کرام سے فیضیاب ہوئے اور خرقۂ خلافت پہنا ان کی تفصیل یہ ہے:

(1) حضرت شیخ ایوب کاہی فردوسی (2) حضرت شیخ علی بداؤنی فردوسی (3) حضرت شیخ رکن الدین ابلیہ دار سہروردی (4) حضرت شیخ رحمت اللہ سہروردی (5) حضرت میران سید زاہد سارنی چشتی (6) حضرت شیخ ابراہیم ادریس ستارگامی چشتی (7) حضرت شیخ عبدالوہاب ابن عبدالرحمٰن بن جمال الدین صدیقی القادری (8) حضرت شیخ حسام الدین سلامتی جونپوری مداری (9) حضرت شیخ عبداللہ شطار۔

یہ کہنا مشکل ہے کہ سب سے پہلے حضرت شیخ قاضن علا شطاری کس شیخ سے وابستہ ہوئے۔ قیاس اغلب ہے کہ انہوں نے سب سے پہلے حضرت شیخ ایوب کاہی فردوسی سے شرف بیعت حاصل کیا ہوگا اور سلسلۂ فردوسیہ میں مجاز ہوئے ہوں گے کیوں کہ انہوں نے اپنی تالیف معدن الاسرار کے آخری باب میں جہاں تمام سلاسل کے شجرے جمع کیے ہیں

ان میں سب سے حضرت ایوب کاہی کی فردوسی نسبت کا ذکر فرمایا ہے۔

حضرت قاضن علا شطاری غیر معمولی استعداد کے مالک تھے چنانچہ مختلف سلاسل کی نعمتوں سے فیضیاب ہونے کے باوجود هل من مزید کے شب وروز جویا تھے۔ یہ کیفیت 881ھ تک یعنی عمر کی 43ویں منزل میں بھی اپنے شباب پر تھی اور کسی شیخ کامل اور اس کے نعمتوں کی تلاش آپ کو حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری ؒ کے آستانہ پر جہاں اکثر آپ کی حاضری ہوتی رہتی تھی لے جاتی ہے۔ اس موقع پر کیا ہوا خود معدن الاسرار میں تالیف فرماتے ہیں:

یہ ضعیف محمد المعروف قاضن بن علا بن عالم ترہتی ثم المنیری ثم الہاشمی اپنی بے نوائی کے وقت میں حضرت مخدوم جہاں کے متبرک روضہ میں نگاہ کرم کی امید سے مقیم تھا۔ شیخ محمد عبدالحکیم نے مجھ سے حضرت عبداللہ شطار کے قافلے کی کیفیت بیان کی لیکن میں ان کی جانب ملتفت نہ ہوا۔ محمد عبدالحکیم اکثر حضرت عبداللہ شطار کا ذکر چھیڑتے اور ان کی باتیں کرتے تھے چنانچہ اس خاکسار نے حضرت مخدوم جہاں کی جانب متوجہ ہوکر اپنا کل معاملہ ان کے حوالے کردیا اور فیصلہ ان کے اشارے پر چھوڑ کر وہاں سے اٹھ گیا اور اس چہار دری میں آکر بیٹھ گیا کہ جہاں حضرت مخدوم ملک العشاق شیخ مظفر بلخی رہتے تھے۔ پھر میں نے اپنے دینی بھائی مولانا سعد اللہ کو حضرت مخدوم جہاں کے روضۂ متبرکہ میں اسی نیت سے متوجہ ہونے کے لیے بھیجا۔ انہیں ایک قیمتی طبق میں بیڑ ہ پان کے ساتھ یہ بشارت عطا ہوئی کہ اس خاکسار کو ارشاد باطن کے لیے حضرت شیخ عبداللہ شطار کے حوالہ کر دیا۔ بشارت کے بعد خاکسار، شیخ احمد محمد عبدالحکیم کے ہمراہ شادیاباد جو منڈو کے نام سے مشہور ہے حضرت شیخ عبداللہ شطار کی خدمت میں پہنچا اور قدم بوسی کی دولت سے مشرف ہوا۔ تین دنوں تک حضرت شیخ نے کچھ دھیان نہ دیا۔ تین دنوں کے بعد صبح صادق کے وقت اس خاکسار کو طلب فرمایا اور کچھ ایسی توجہ فرمائی کہ میں ذوق سے معمور ہوا۔ پھر کرم فرمائی ہوئی۔ گرمی کے دن میں منڈو کا پہاڑی علاقہ تپ رہا تھا اور میں نحیف وکمزور نازک مزاج تھا لیکن آپ کی خدمت میں سچے دل اور پکے اعتقاد کے ساتھ قرار پا گیا۔ پھر جب یہ بندہ حضرت کے روبرو ہوتا تو دور سے ہی زمیں بوسی کا شرف حاصل کرتا اور سچے دل سے سجدۂ نیاز بجالاتا۔ میری عاجزی وانکساری وفور محبت کے ساتھ بڑھتی گئی لیکن حضرت اس خاکسار پر پھر ملتفت نہیں ہوئے۔ پھر ایک روز حکم ہوا کہ شیخ محمد عاطی کے روزے کی نیت کرو چنانچہ منگل بدھ اور جمعرات کو طے کے روزے میں گذارا۔ اسی درمیان قضا وقدر کے نتیجے میں شیخ احمد محمد عبدالحکیم سخت بیمار پڑے یہاں تک کہ اگلی نماز تک طبیعت اتنی بگڑی کہ ان کی حالت نزع جیسی ہوگئی۔ حضرت ان سے متعلق تشویش میں مبتلا ہوئے۔ کفن ودفن کے انتظام کر لیے گئے۔ اس کے بعد شیخ احمد کو سنت نبوی ﷺ کے طریقے کے مطابق کر دیا گیا اور ہر کوئی ان کی زندگی سے ناامید ہو گیا۔ اس کے بعد حضرت نے مجھے حکم دیا کہ اپنا ہاتھ ان کی پیشانی پر رکھ کر سچے دل، صحیح اعتقاد اور صحت کا تصور کر کے اس اسم کو پڑھو۔ چنانچہ حضرت کے حکم کی برکت سے میرا پڑھنا بابرکت ہو گیا اور حق تعالیٰ کے کرم سے شیخ احمد محمد عبدالحکیم رو بہ صحت ہوئے اور کہنے لگے کہ مجھے میرے گھر پہنچا دو۔ میں نے ان کی مدعا حضرت کی خدمت میں پیش کی تو حکم ہوا کہ تم کیا چاہتے

ہو؟ میں نے عرض کیا کہ یہ خاکسار سخت مشکل میں ہے کہ اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں کو چھوڑ کر پانچ سو کوس کی راہ طے کر کے حضرت کی نگاہ کرم کا امیدوار بن کر آیا ہوں۔ پھر جب فرمان ہوا کہ طی کی نیت کرو تو یہ مطابق حکم طے کیا اور اسی درمیان قضاو قدر سے شیخ احمد محمد عبدالحکیم اس حد تک پژمردہ ہوئے کہ امید زیست جاتی رہی۔ اللہ تعالیٰ کی برکت نے انہیں نئی زندگی عطا فرمادی۔ اب شیخ احمد محمد عبدالحکیم مجبور کر رہے ہیں کہ مجھے میرے گھر پہنچادو تاکہ اپنے ماں باپ کا دیدار کرلوں۔ اگر ان کی بات نہ مانوں تو بے وفائی ہوگی ہے اور اگر ان کے ساتھ جاتا ہوں تو اس عظیم کام سے محروم ہو جاؤں گا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ عجب مشکل میں ہوں۔ پھر فرمان ہوا کہ اب کیا کرنا چاہوگے؟ اس خاکسار نے عرض کیا کہ دین کی طرف واپس پلٹ آوں گا لیکن اپنی پیشانی پر داغ بے وفائی نہیں لگانا چاہتا ہوں۔ میری یہ بات سن کر حضرت خوش ہو گئے اور فرمایا کہ جب تک طالب حق دین و دنیا دونوں سے نہیں گذرتا حق تک نہیں پہنچتا۔ حضرت کی گفتگو سے مجھے ایسی فرحت اور خوشی نصیب ہوئی کہ بیان سے باہر ہے۔ اس کے بعد صبح سویرے یہ خاکسار شیخ احمد محمد عبدالحکیم کو ساتھ لے کر ان کے گھر کی طرف روانہ ہوا۔ جب تیسری منزل تک پہنچے تو شیخ احمد مذکور خود کو پوری طرح صحت یاب محسوس کرنے لگے چنانچہ وہیں سے ان کو خوشی خوشی رخصت کر کے ان کی اجازت سے میں اور برادر دینی شیخ سعد اللہ بیدل ہی اپنے شیخ کی طرف واپس ہوئے۔ چار دنوں کے مشقت بھرے سفر کے بعد حضرت کے پاس پہنچے۔ حضرت کو خبر ہوئی کہ شیخ محمد علا آیا ہے۔ حضرت باہر تشریف لائے اور بندہ کے بارے میں پوچھا۔ خاکسار نے حالت سفر بیان کی۔ حضرت بڑے خوش ہوئے اور اس خاکسار کا ہاتھ پکڑ کر گھر کے اندر لے گئے۔ دسترخوان بچھا تھا۔ خود اپنے ہاتھ سے اس خاکسار کو کھلایا اور فرمایا کہ تم کو ذی الحجہ کی 4 تاریخ کو جو شب جمعہ ہے خاص الخاص مشرب شطار تلقین کروں گا۔ بفضلہ تعالیٰ حضرت سلطان المرشدین نے 4 ذی الحجہ 881ھ کو اس خاکسار کو خاندان مشرب شطار خاص الخاص تلقین فرمایا اور اس سے پہلے تلقین کے شرائط بیان فرمائے۔

حضرت قاضن علا شطاری اجازت و خلافت سے مشرف ہو کر واپس بہار تشریف لائے اور علاقہ ترہت میں سجادۂ رشد و ہدایت بچھایا۔ مختلف سلاسل طریقت کے فیوض برکات کے ساتھ ساتھ سلسلہ شطاریہ کی تازہ تازہ گرمی تاثیر نے آپ کی شخصیت کو منفرد اور ممتاز بنا دیا تھا۔ دور دور سے طالبان حق آپ کے پاس اپنی پیاس بجھانے کے لیے جمع ہونے لگے اور بہت جلد آپ کی خانقاہ مرجع خاص و عام بن گئی۔ ملفوظات رکنیہ سے آپ کی خانقاہ میں سلطان حسین شرقی (862-911ھ)=(1458-1505ء) کی حاضری کا پتا چلتا ہے۔ آپ کے تینوں صاحبزادے آپ ہی کی تربیت میں پایۂ کمال کو پہنچے اور آپ سے مشرف بہ خلافت ہوئے۔ آپ کا انداز تربیت کیا تھا اس کا اندازہ حضرت شیخ رکن الدین شطاری جند ہوی (م 1117ھ) کے اس بیان سے ہوتا ہے جس میں سلطان حسین شرقی کی آمد کا ذکر ہے۔

حضرت شیخ ابوالفتح ہدیۃ اللہ سرمست کی عمر جب 14 سال ہوئی تو انہیں طے کا روزہ رکھنے کا حکم دیا اور طے کی روزہ کی مدت عمر کے مطابق 14 روز مسلسل متعین فرمایا چنانچہ جب اس روزہ کا گیارہواں دن تھا اسی روز سلطان حسین

شرقی، خانقاہ میں حاضر آیا۔ اس وقت حضرت کے صاحبزادے شیخ ابوالفتح ایک ستون سے پیٹھ لگائے مؤدب کھڑے تھے اور عالم یہ تھا کہ دنیا و مافیہا سے بالکل بے خبر تھے مگر نگاہ ظاہر و باطن پورے ہوش وحواس کے ساتھ اپنے والد و شیخ کے چہرے انور پر مرکوز تھی۔ سلطان حسین کو ایک نوخیز ونحیف کی ایسی خود رفتگی اور انہماک نے غیر معمولی طور پر متاثر کیا۔ اس نے خانقاہ کے خادموں سے دریافت کیا کہ یہ بچہ کون ہے۔ خادموں نے عرض کیا کہ یہ حضرت کے صاحبزادے ہیں۔ انہیں چودہ دنوں کے طے کے روزے کا حکم ہوا ہے اور آج گیارہواں دن ہے۔ سلطان نے حضرت کی خدمت میں عرض کیا کہ اس کمسنی میں ایسی سخت ریاضت نقصان دہ ہے۔ حضرت قاضن علا شطاری نے ارشاد فرمایا کہ یہ ریاضت بجائے نقصان کے باطنی قوت پیدا کرتی ہے۔ یہ سن کر سلطان کی آنکھیں تر ہو گئیں اور کہنے لگا سبحان اللہ! یہ اللہ والے اپنی خلقت میں سارے عالم سے جدا ہیں۔ (6)

حضرت قاضن علا شطاری کی خانقاہ کا محل وقوع ٹھیک ٹھیک متعین کر پانا تا ایں دم تحریر ممکن نہیں۔ قیاس اغلب ہے کہ آپ کی خانقاہ بھی ویشالی کے بنیا بساڑھ میں اسی گڑھ سے قریب کہیں تھی جہاں آج آپ کا مزار مبارک موجود ہے۔

حضرت قاضن علا شطاری کی زوجہ بی بی ملکہ حضرت میران سید زاہد ساری کی صاحبزادی تھیں۔ ان کے بطن سے حضرت قاضن علا شطاری کو تین صاحبزادے اور ایک صاحبزادی پیدا ہوئی۔

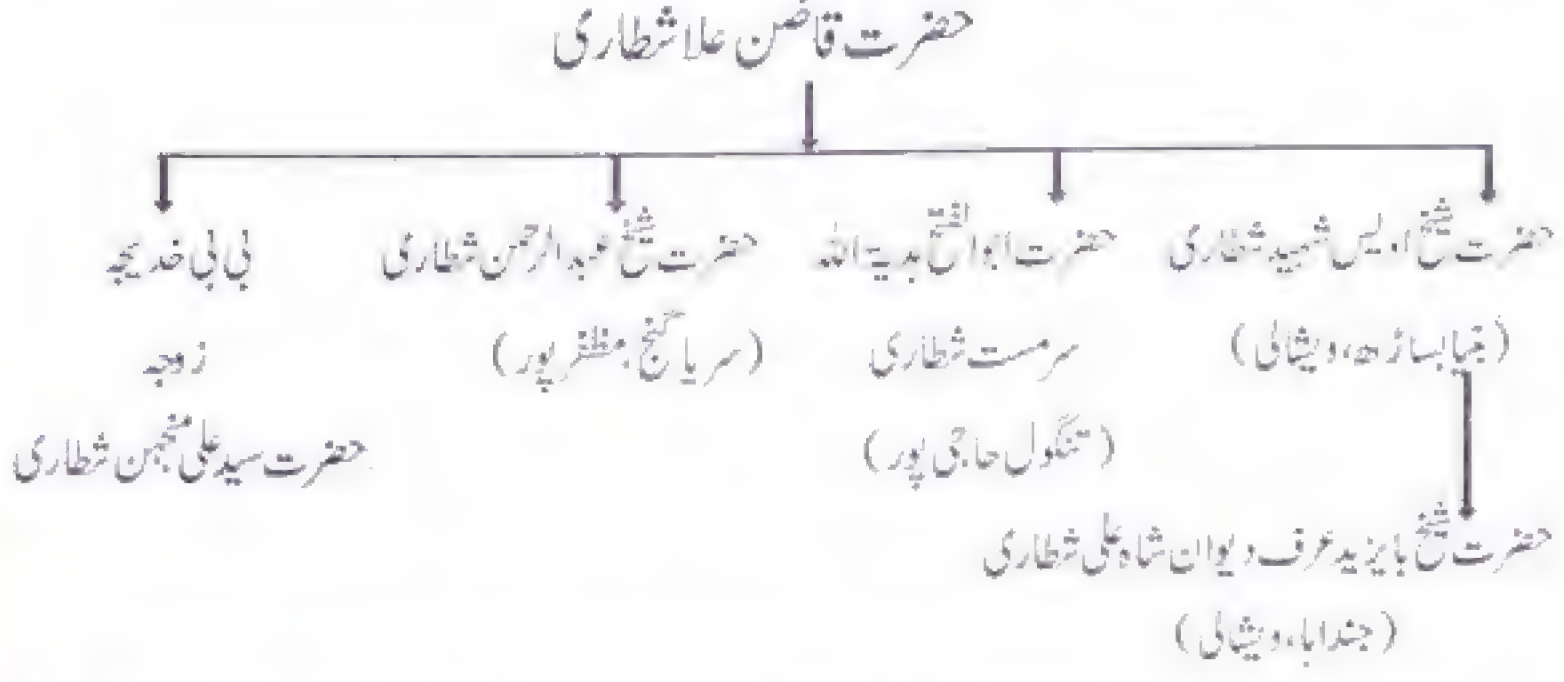


معدن الاسرار کے علاوہ حضرت قاضن علا شطاری نے ایک اوراد کا مجموعہ بھی مرتب فرمایا تھا۔ چونکہ یہ مجموعہ آپ نے اپنے صاحبزادے حضرت ہدیۃ اللہ سرمست کے لیے ترتیب دیا تھا اس لیے اس مجموعہ کا ذکر اوراد حضرت ابوالفتح ہدیۃ اللہ سرمست کے نام سے بھی ملتا ہے۔ دیباچہ سے پتا چلتا ہے کہ حضرت مخدوم جہاں کے اوراد میں مزید اضافہ کرکے یہ مجموعہ مرتب کیا گیا ہے۔ اس کا خطی نسخہ خانقاہ حضرت پیر دمڑیا، بھاگلپور میں موجود ہے اور اس کی ایک نقل خانقاہ منعمیہ قمریہ میتن گھاٹ، پٹنہ سیٹی میں بھی محفوظ ہے۔

حضرت قاضن علا شطاری کے مکتوبات کا بھی پتا چلتا ہے۔ چنانچہ حضرت دیوان سید ابوسعید محمد جعفر قادری

بنو یوری ثم باڑھوی نے اپنے سفینے میں آپ کے چار مکتوب نقل فرمائے ہیں اور اس سے یہ واضح اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کے مکتوبات کا باضابطہ کوئی مجموعہ رہا ہوگا جس سے یہ مکتوبات نقل کیے گئے۔ اس کا قلمی نسخہ خانقاہ بلخیہ رائے پورہ فتوحہ کے کتب خانے میں محفوظ ہے۔

حضرت قاضن علا شطاری نے 901ھ میں وصال فرمایا۔ تاریخ وصال میں اختلاف ہے بعض نے 3 صفر لکھا ہے اور بعض نے 24 شوال تحریر کیا ہے۔ مزار مبارک بنیا بساڑھ ضلع ویشالی میں مرجع خلائق ہے۔ (7)

## معدن الاسرار کے مقدمہ نگار حضرت میر سید علی منجھن شطاریؒ

سادات حسنی میں سے ایک مستند بزرگ حضرت میر سید محمد حسنی البغدادی ہجرت کرتے ہوئے خراسان کے بعد ہندوستان وارد ہوئے اور یہیں بس گئے۔ آپ کا سلسلۂ نسب اس طرح حضرت امام حسن ابن حضرت علی رضی اللہ عنہما سے جاملتا ہے۔

میر سید عماد الدین حسنی البغدادی بن سید تاج الدین بن سید محمد بن عزیز الدین حسین بن محمد القرشی بن ابو محمد بن علی مرتضی والیٔ عراق بن رضی الدین بن علی بن حسین بن احمد بن محسن بن حسین بن ہبیرہ بن محمد بن حسین القوتی بن علی بن حسین بن علی بن حسن بن حسن الفتح بن اسمٰعیل الدیباج بن ابراہیم القمری بن حسن المثنیٰ بن امام حسنؓ۔ (8)

حضرت میر سید علی منجھن شطاری کا سلسلۂ نسب میر سید عماد الدین حسن البغدادی سے اس طرح ملتا ہے:

حضرت میر سید علی منجھن شطاری ابن میر سید محمد المعروف بہ سید جیو دانشمند ابن میر سید جگن دانشمند ابن سید عبداللہ دانشمند ابن سید احمد دانشمند دہلوی ابن سید محمود ابن سید تاج الدین ثانی ابن حضرت میر سید عماد الدین حسنی البغدادی۔ (9)

حضرت میر سید علی منجھن شطاری کے دادا حضرت میر سید جگن نے دہلی سے ہجرت کر کے جونپور میں اقامت اختیار کر لی تھی۔ حضرت میر سید جگن کے صاحبزادے حضرت سید محمد المعروف بہ سید جیو دانشمند سلطان فیروز شاہ کے داماد تھے اور اس طرح وہ حضرت بدر الدین بدر عالم زاہدی کے ہم زلف تھے (10)

حضرت سید محمد المعروف بہ سید جیو کا شمار یکتائے روزگار مشائخ میں ہے۔ انہیں بارگاہ نبوت ﷺ سے بلاواسطہ فیض اویسی حاصل تھا۔ عالم رویا میں انہیں سرکار دوعالم حضرت نبی کریم ﷺ سے بواسطہ حضرت سیدنا علی ابن طالب خرقہ بھی عطا ہوا تھا۔ آپ جونپور سے ہجرت کر کے بہار شریف کے محلہ مریم ٹولہ میں آبسے تھے۔ یہ محلہ حضرت بدر الدین بدر عالم زاہدی کے مزار شریف چھوٹی درگاہ بہار شریف سے بالکل قریب تھا۔ حضرت میر سید علی منجھن شطاری آپ ہی کے صاحبزادے تھے جو حضرت شیخ قاضن علا شطاری کا شہرۂ فیاضی سن کر حاضر خدمت ہوئے اور پھر مجاہدے سے گذر کر تلقین مشرب شطار سے مشرف ہوئے۔ حضرت قاضن نے اپنی صاحبزادی بی بی خدیجہ دولت کو آپ کی زوجیت میں دیا اور خوب

خوب نوازا۔ حضرت میر سید علی منجھن کو یہ شرف بھی حاصل ہوا کہ انہوں نے ہی اپنے پیرو مرشد کی تالیف معدن الاسرار پر مقدمہ یا پیش لفظ تحریر فرمایا۔ حضرت میر سید علی منجھن علم ظاہر اور علم باطن دونوں میں ید طولی رکھتے تھے۔ عربی و فارسی کے علاوہ ہندوی زبان پر بھی دسترس اور قدرت تھی۔ منجھن تخلص فرماتے۔ شطاریہ سلسلہ کے نامور عارفوں میں آپ کا شمار ہے اور اس سلسلہ کی علمی یادگاروں میں آپ کی تالیفات گراں قدر اور مہتم بالشان ہیں۔ اب تک آپ کی جن تصانیف کا پتا چلا ہے وہ اس طرح ہیں:

(1) فوايد الشطار شرح رسالہ حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ ولی تراش[11] (2) سلوك شهابی (3) مطلوب المحققين (4) كشف البطون۔

حضرت منجھن شطاری نے بزبان ہندوی عشقیہ مثنوی مدھو مالتی بھی تالیف فرمائی جو اہل علم وفن کے نزدیک اپنے زبان وبیان کے اعتبار سے اہم بھی ہے اور ہندی و اردو کی تاریخی ولسانی ارتقا کی ایک اہم کڑی بھی۔ اس کا زمانہ تالیف 952ھ/1545ء ہے۔ اس کے قلمی نسخے بنارس کی ہندو یونیورسٹی اور رضا لائبریری، رام پور میں محفوظ ہیں۔ یہ مثنوی ایڈٹ ہو کر ہندی کے ماہرین کے ذریعہ چھپ چکی ہے۔ اردو والے اب تک اس سے بے نیاز ہیں۔ اس مثنوی پر ایک تفصیلی گفتگو آئندہ کبھی کی جائے گی۔ حضرت میر سید علی منجھن شطاری کا مزار مبارک اپنے والد ماجد کے ساتھ مریم ٹولہ بہار شریف ضلع نالندہ میں واقع ہے۔ راجگیر کا معروف علمی وروحانی خاندان آپ ہی کا اخلاف تھا۔ آپ کو بی بی خدیجہ دولت بنت حضرت قاضن علا شطاری سے تین بیٹے اور دو بیٹیاں ہوئیں۔

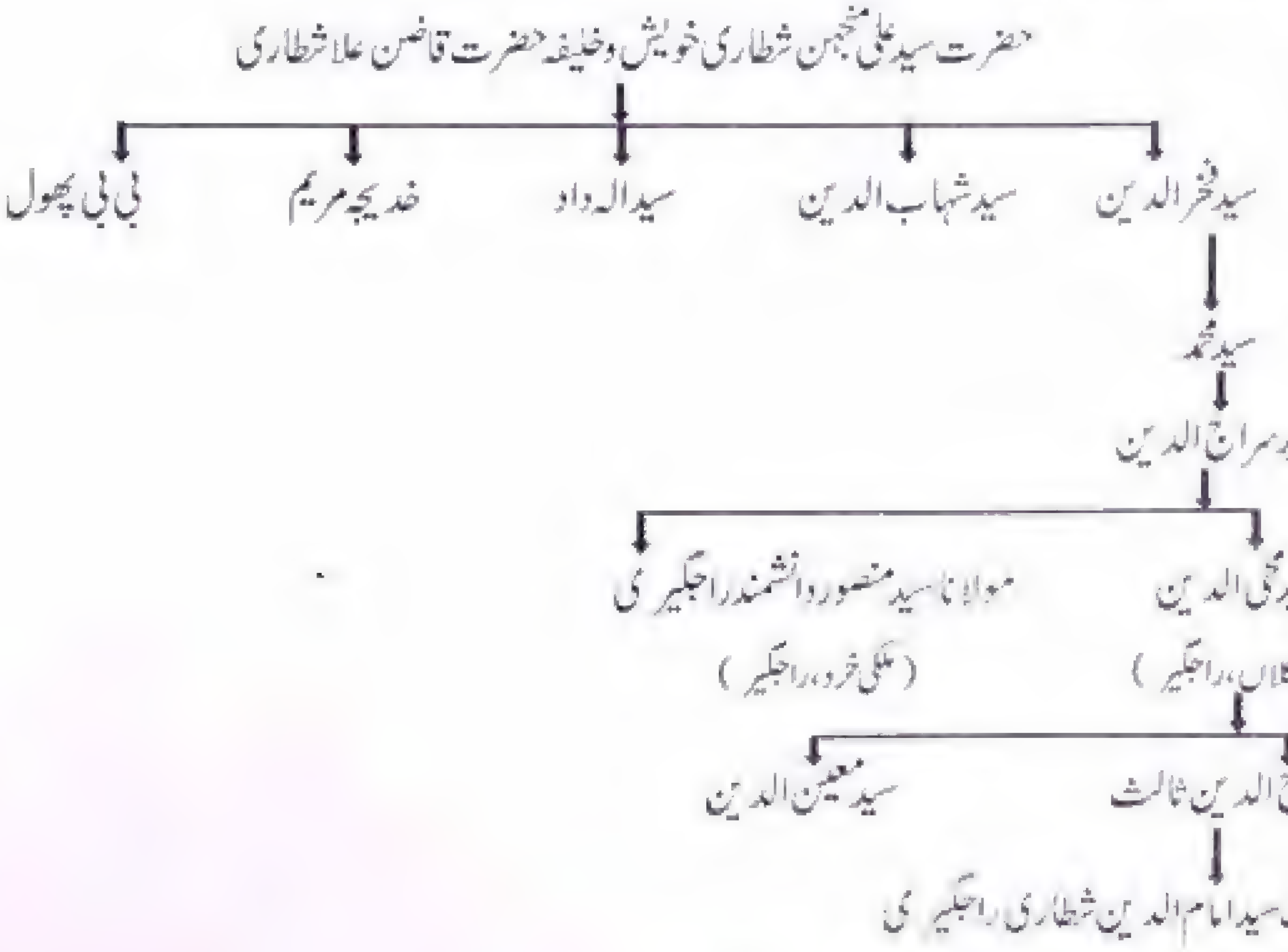

# معدن الاسرار کا ترجمہ

معدن الاسرار کے ابتدائی خطبے کا حمد وصلوٰۃ والا روایتی حصہ جوں کا توں پیش کردیا گیا ہے کیوں کہ اس کی نثر ترجمے کے نتیجے میں اپنا حسن کھو بیٹھے گی اور مفہوم بھی واضح نہیں ہو سکے گا۔ معدن الاسرار کا ترجمہ کرتے ہوئے لفظی ترجمے سے پرہیز کیا گیا ہے اور مفہوم و معنی واضح کرنے پر زیادہ توجہ دی گئی ہے۔ آیات قرآن و احادیث کریمہ نیز اشعار کا متن بھی پیش کردیا گیا ہے اور آیات قرآنی کی تخریج بھی کردی گئی ہے۔

## معدن الاسرار فی بیان خاندان مشرب شطار

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

اما بعد حمد و ثنای فراوان و سپاس و ستایش بی پایان مرمبدع موجودات عیانی و مخترع مکوّنات ازاعیان و اخلاق و معانی راکه بلبلان خوش نوا و طوطیان شکر خا و دمساز ارواحِ پاکِ عارفان ربانی وعاشقانِ جانبازِ معرکۂ سبحانی که دربساتین لامکان قرب یزدانی با ریاحین گلهای گلستان رحمانی جوار رحمت ذی الجلال و قربت کمال لایزال بعیش و خرمی نشاطِ انبساط می ورزید ند وبروح راحت وصال، و باتصاف اتحاد و اتصال، هر طرفی پروبال میکشودند و حظوظ ذوق، ولذوذشوق میگرفتند و دانه اتصاف کمالاتِ قدس برای پرورش استکمال و استوای روح انسی باستماعِ خطابِ تربیت یاعبدی انتِ عاشقی و محبی وانا محبٌ و عاشق لک بود می چیدند و بتحصیلِ قابلیتِ کمالاتِ اوصافِ الوهیت و نعوت مظهریت وآئینه ربوبیت میکردند وحاصل می آوردند و بصفات حق موصوف میشدند که ناگاه بی آگاه از بهر کمالِ عرفانِ وحدت کنت کنزا مخفیا فاحببت ان اعرف از قرب و وفا وصفاجداکرده که بحکم فاذا سوّیته و نفخت فیه من روحی بدریرده ودر عالمِ کثرت بقفصِ قالب متقفص ساخته واز خود دور دور انداخته تا النهایات هی الرجوع الی البدایات حاصل آورده لا جرم بهوای همان نسیم حق استتار تا هرنا محرمی پیرامن این اسرار نگردد بنیاد نهاد. قوله تعالیٰ ولله الاسماء الحسنی فادعوه بها ای فاذکر واسم ذاته بضم اسمآء صفاته وقوله تعالیٰ واذکرا سم ربک وتبتل الیه تبتیلا وهو الانقطاع عن الغیر والاستغراق فی ذات جمال المذکور وصفاته حبّاًو عشقاً دال علیه وفی المدارک عند تفسیره دم علی ذکره فی اللیل والنهار و هو یقتضیٰ ان یستوعب ویستغرق فی المذکور بحیث ان لا یذکرفی کل نفس من المخرج الی المنتهی الا الله کیلا یحصل النسیان عن الذکر فی جزء من

اجزاء نفس الذاکر و لایکون جزء من اجزاء النفس خالیا عن جزء من اجزاء هذاالذکر والتاء مستفاد منه لا نه مخرج الدم والواو ایضا لا نه عینه و الشین والمیم داخلان فی الالف والیاء من قوله تعالی یا ایهاالذین امنوا اتقوالله وابتغوا الیه الوسیلة لا نه وسیلة بین الطالب والمطلوب والصاد ایضا و سیلة کما جاء فی المناجات اللهم انی اتوسل بصفاتک الی ذاتک والمیم الاخری مستفاد من الصاد لان العبرة للمعنی لا للصورة وسائر الارکان من المقومة والکملة ظاهرة علی عیون قلوب کل ذی محرم لهذه الاسرار بین عمال مشرب الشطار فلاحاجة لنا ان نطلع بهم القلم والقرطاس غیر محرمین لهذه الاسرار فی کل نفس من الانفاس و استحکام ان بنیاد به بنای مبانی.

دین نو بهاری باهزاران درد دل آزاری وامطراراضطراری فریاد های[12] بیقراری برآوردن گرفتند. بیت

ما ز بی جا ئیم بیجا کی رویم ● مازبا لائیم بالاکی رویم

وازهر ذره از ذرات عالم موجودات را وصول همان دیار خدایا باد بادل و جان می جستند که ع آدم اول سوی هرذرّه شتافت

وبند بند قالب را بدین هوا پرواز عشقبازی می گسستند. بیت

عاشقا نرادر خدایاد می بینم وطن ● نی حریم کعبه آنجا نی سرای اهر من

ولی هیچکه از نسیم صبا آن باغ صفا و گلزار و فا بمشام جان و دماغ روان خود چون بهیچ نوع نمی یافتند و دست خواهش را بدامن مقصود رساندن نمی توانستند بضرورت بلسان حال می سرائیدند. رباعی

پیغام بلبلان بگلستان که می برد ● احوال دردمند بدرمان که می برد

یعقوب را ز مصر که می آورد پیام ● یازوخبر یوسف کنعان که می برد

ونیز بزبان مقال می نالیدند. رباعی

رسان زمان بجمال تو خون شود دل ما ● زهی خجسته خیالی سر شته درگل ما

نه وصل یار میسر نه اجتناب ازو ● نه کس که حل کند این هر دو کار مشکل ما

آنگاه از کمال مراحم ربانی و وفور مکارم یزدانی مبانی سلوک معرفت و وصول بطریقهٔ سرعت اصول حصول منافع اندک ویسر برای تنبیه وفی انفسکم افلا تبصرون ع

تا بخود او ره نیافت او ره نیافت

به بنای خاندان عشقیه مشرب شطار خیر من صلحاء الاخیا روز هادالابرار بکلام مجید خود برسبیل.

و توحید باتباع سیدالمرسلین در گفتار و کردار و آثار نور مبین ورحمة للعالمین گردایند و بمتابعت هر سه جاده نبویه المخاطب به لولاك لما اظهرت الربوبیة قل ان کنتم تحبون الله فاتبعونی بمقام محبوبیت یحببکم الله رسانید وصلوات نامتناهیات و تحیات غیر مخصوصات بروح پاك خاصه مرسلان و تاج سرمحبان وسرور عارفان و عاشقان. محمود صفات سبحانی احمد همراز ربانی امجد ممجد مجتبی خاتم مرسل محمد مصطفیٰ علیه من الصلوات افضلها ومن التحیات اکملها و علی آله الطاهرین المتطهرین واصحابه الذین هم قاموا بنصرة الدین رضی الله تعالیٰ عنهم اجمین.

اپنے رب، جس کی شان یہ ہے کہ وہ احد بھی ہے صمد بھی جس کی کوئی اولاد نہیں اور نہ وہ کسی کی سنتان ہے، ازل سے ابد تک جس کا کوئی شریک نہیں اور جس کی برابری کوئی ہرگز نہیں کرسکتا، کے دروازے کا فقیر اور اس سے امید مغفرت رکھنے والا بندہ، خاندان نبوت سے منسوب **علی بن محمد ابن جکن العلوی المعروف بہ منجھن سید جیوا الحسینی** کہتا ہے کہ حضرت سلطان المشائخ والمرشدین، غواص دریاے دین، معدن لالی متلالی بحر یقین، آن شمع عالم اخلاص، وآن محرم حرم خاص الخاص، وآں سالک شریعت بالاقوال وآن مجاہد طریقت بالافعال وآن مخلص حقیقت فی الاحوال مالامال شیخ فیض اللہ ابومحمد المعروف بشیخ قاضن علا (اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو اپنے نور معرفت سے منور فرمائے اور ان کی قبر کو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ بنائے) نے علم شطار حضرت سلطان المرشدین شیخ عبداللہ حسام النوری البخاری السہر وردی الصدیقی سے، اور دوسرے مستند اشغال باطن کو بڑی محنت وجانفشانی کے ساتھ اپنے مرشدوں سے حاصل کیا۔ اور ایک لمبی مدت کی کوشش کے بعد صاحب حال ہوئے اور اس راہ کے ہر ایک اشغال اور احوال کو وضاحت کے ساتھ 61 حصے میں اس طرح بیان فرمایا کہ توبہ اور برزخ سے لے کر جو کچھ اس راہ کے طالب کے لیے ضروری ہے سب جمع ہو گیا۔ تا کہ ہر ایک طالب اپنے مرشد حقیقی کی رہنمائی کے طفیل سراب کو حقیقت سمجھنے سے بچ جائے اور جب بصیرت ہو جائے تو اس کے مطالعہ سے محنت کے بغیر ترقی کرنے کے لائق ہو جائے اور ہمیشہ اسے پیش نظر رکھے۔ اور جو کچھ ترقی سلوک میں ظاہر ہوا سے اس کتاب کی مناسب فصل سے موازنہ کرے اگر موافق نظر آئے تو شکر الٰہی بجالائے اور اس کی ہمیشگی کی کوشش کرے اور نعوذ باللہ اگر مخالف نظر آئے تو اپنے مرشد کی جانب متوجہ ہو کر اس سے پرہیز کرے اور استغفار کرے اور گذشتہ گناہوں سے پیچھا چھڑانے میں مشغول ہو جائے اور نیک اعمال کے لیے بھر پور کوشش کرے اور اس مجموعے کا نام رسالہ معدن الاسرار فی بیان خاندان مشرب شطار رکھا وهو الهادی الی الرشاد و رزقنا الله وجمیع الطالبین هذه النعمة العظمیٰ والفضیلة الکبریٰ۔

# فہرست فصول


فصل 1۔ توبہ
فصل 2۔ برزخ
'' 3۔ تصور و واسطہ
'' 4۔ تحت وشد اور فائدہ
'' 5۔ مد و فائدہ
'' 6۔ ذکر اسم ذات اور اس کی تفسیر
'' 7۔ اسمائے صفاتی اور اس کے ثمرات
'' 8۔ مراقبہ
'' 9۔ محاسبہ
'' 10۔ مواعظ
'' 11۔ کل نفس واحد
'' 12۔ محاربہ اکبر اور اس کے فوائد
'' 13۔ صبح وشام کا ذکر
'' 14۔ مراقبہ باطنی
'' 15۔ ملفوفات
'' 16۔ دو ملفوف
'' 17۔ وصول حق
'' 18۔ اخوات
'' 19۔ استغراق کا ملاحظہ
'' 20۔ حضوری
'' 21۔ سات بطن
'' 22۔ ذکر نفی و اثبات
'' 23۔ ہوش دردم و خلوت درانجمن
'' 24۔ شغل و ملاحظہ
'' 25۔ خطرہ نفسانی و خطرہ رحمانی
'' 26۔ تلوین و تمکین
'' 27۔ ارادہ توحید
'' 28۔ مشرب شطار کے مطابق مرد خدا
'' 29۔ مجاہدۂ ظاہری و باطنی
'' 30۔ خودی و بیخودی
'' 31۔ مشرب شطار و دین کامل
'' 32۔ خاص الخاص کے ارادے سے ذکر نفی و اثبات
'' 33۔ اعمال و اوراد ظاہر و باطن
'' 34۔ ذکر ھو، ھی، آہا اور پاس انفاس
'' 35۔ مرید کی تلقین اور اس کی شرائط
'' 36۔ ذکر ہشت رکن
'' 37۔ تلقین ذکر سنت ہے
'' 38۔ مرید کی سچائی اور اعتقاد
'' 39۔ صحو و سکر
'' 40۔ غیب و حضور
'' 41۔ جمع و تفرقہ
'' 42۔ فنا و بقا
'' 43۔ شریعت
'' 44۔ طریقت
'' 45۔ مراتب حقیقت
'' 46۔ اللہ تعالیٰ کی معیت
'' 47۔ سلوک اور سیر الی اللہ اور سیر فی اللہ
'' 48۔ نفس، دل، روح اور سر
'' 49۔ عشق محض اور اس کی ماہیت اور حقیقت
'' 50۔ توحید اور اہل کشف کے اعتقاد
'' 51۔ شیخی و مقتدائی
'' 52۔ اہل کشف کے اعتقاد
'' 53۔ اربعین (چلّے) میں بیٹھنے کی سند
'' 54۔ بیان توبہ بطرز دیگر
'' 55۔ مختلف اشغال
'' 56۔ اسمائے عظام کے دعوت کی سند
'' 57۔ دعوت کا آغاز
'' 58۔ اسمائے حق
'' 59۔ بعض آیت اور اسما
'' 60۔ بعض اسمائے مکاشفات
'' 61۔ مشائخ کے سلاسل۔

فصل-1

# توبَہ

اس راہ (سلوک) میں اصل چیز توبہ ہے کہ مرید کو توبہ کے بغیر کوئی بھی منزل اعلیٰ تک نہیں پہنچا سکتا۔ اس لیے مرید کو سب سے پہلے توبہ کرنی چاہیے اور توبہ کے بعد حضرت قدس (حق تعالیٰ) کی بارگاہ کا قصد وارادہ کرنا چاہیے تاکہ مرید صادق اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور مرشد حقیقی کی رہنمائی کے نتیجے میں مقصود تک پہنچ جائے اور مطلوب حاصل کر لے۔ انشاء اللّٰہ تعالیٰ۔

توبہ دو طرح کی ہے: توبۂ عوام اور توبۂ خواص۔ عوام کی توبہ یہ ہے کہ گناہ، لہو ولعب اور سرکشی سے توبہ کرے۔ یعنی ان سب سے منہ پھیر کر حق تعالیٰ کی جانب متوجہ ہو جائے۔ جب بندے نے اللہ پاک کی جانب رجوع کیا تو محبوب حق ہو گیا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ان اللّٰہ یحب التوابین [13] (بے شک اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے)، اور گناہوں سے پاک ہو گیا چنانچہ رسول اللہ صلی اللّٰہ علیہ وآلہ و صحبہ و بارک وسلم نے فرمایا ہے: التائب من الذنب کمن لاذنب لہ (گناہ سے توبہ کرنے والا اس شخص کی مانند ہے جس کے ذمہ کوئی گناہ نہیں۔) اور ارشاد باری تعالیٰ ہے توبوا الی اللّٰہ جمیعا ایھا المومنون لعلکم تفلحون [14] (اے ایمان والو تم سب اللہ کی جانب توبہ کے ساتھ رجوع کرو شاید کہ فلاح پا جاؤ۔)

اور خواص کی توبہ یہ ہے کہ خود سے توبہ کرے یعنی اپنے وجود سے تائب ہو جائے۔ یہ بات بہت گہری ہے اور ایک مدت کی محنت کے بعد اس کا راز کھلتا ہے۔ جب مرید اپنے وجود سے تائب ہو گیا تو وہ حقیقی توبہ کی منزل تک پہنچ گیا، یعنی توبہ کی حقیقت کما حقہٗ اسے حاصل ہو گئی۔ جیسا کہ کہا گیا ہے: التوبۃ ھی الرجوع من غیر اللّٰہ الی اللّٰہ تعالیٰ بالارادۃ کما ان بالموت رجوعا من غیر اللّٰہ الی اللّٰہ تعالیٰ بغیر الارادہ (غیر اللہ سے اللہ کی جانب بالارادہ پلٹنے کا نام توبہ ہے ٹھیک اسی طرح جس طرح موت غیر اللہ سے اللہ تعالیٰ کی جانب بغیر ارادہ پلٹنے کو کہتے ہیں۔) جیسا کہ باری تعالیٰ کا فرمان ہے: ارجع الی ربک [15] (اپنے رب کی طرف پلٹ جاؤ)۔ دراصل توبہ سارے گناہوں سے نکل جانے کا نام ہے اور خواص کے نزدیک گناہ نام ہے اس چیز کا جو دنیا وآخرت وغیرہ کسی بھی مرحلے میں اللہ تعالیٰ سے محجوب کر دے۔ اس لیے طالب پر واجب ہے کہ اللہ پاک کے علاوہ ہر مطلوب اور مقصود سے خود کو خارج کر لے یہاں تک کہ اپنے وجود سے بھی۔ جیسا کہ کہا گیا ہے کہ: وجودک ذنب لا یقاس بھا ذنب (تمہارا وجود ہی جب گناہ ہے تو اس سے سوائے گناہ کے اور کیا قیاس کیا جا سکتا ہے!)

حضرت امام غزالی اپنی کتاب الاربعین میں فرماتے ہیں:

(سالک کے لیے) توبہ پہلی منزل ہے اس لیے کہ سالکین کی راہ یہیں سے برآمد ہوتی ہے اور مریدوں کو سعادت کی کنجی یہیں سے ملتی ہے۔ جیسا کہ نبی صلی اللّٰہ علیہ والہ وصحبہ وبارک وسلم نے فرمایا ہے:

التائب حبیب اللّٰہ (توبہ کرنے والا اللہ کا دوست ہے)

اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ بھی فرمایا:

ان اللّٰہ افرح بتوبۃ عبدہ المومن من رجل نزل منزلا فی الارض رویتہ مھلکۃ و معہ راحلۃ و علیھا طعامہ و شرابہ فوضع راسہ فنام نومۃ فاستیقظ وقد ذھبت راحلۃ فطلبھا حتی اذا اشتد علیہ الحر والعطش او ماشاء اللّٰہ قال ارجع الی المکان الذی کنت فیہ فانام حتی اموت فوضع راسہ علی ساعدہ لیموت فاستیقظ فاذا رای راحلۃ عندہ وعلیھا زادہ و شرابہ فاللّٰہ اشد فرحا بتوبۃ العبد المومن من ھذا براحلتہ۔

(اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اللہ پاک اپنے مومن بندے کی توبہ سے ایسے آدمی کی خوشی سے زیادہ خوش ہوتا ہے جو کسی ایسی منزل پر پہنچا جہاں جینا مشکل ہو لیکن اس کے ساتھ سواری ہو جس پر اس کا کھانا اور پانی بار ہو تو وہ بجائے پریشان ہونے کے چین کی نیند سو گیا پھر جب وہ جاگا تو اس کی سواری (کہیں) چلی گئی اور وہ اسے تلاش کرتے کرتے دھوپ اور پیاس کی شدت سے بے چین ہوا تھا اور جو کچھ اللہ کو منظور تھا وہ ہوا یہاں تک کہ تھک ہار کر اس نے سوچا کہ وہیں پلٹ چلو جہاں تم تھے اور آنکھ بند کر کے مرنے کے لیے لیٹ جاؤ چنانچہ اپنا ہاتھ سر کے نیچے رکھ کر وہ مرنے کے لیے سو گیا پھر جو آنکھ کھلی تو اس کی سواری، سامان خورد ونوش کے ساتھ اس کے پاس کھڑی تھی۔ یہ دیکھ کر جیسی بے مثال خوشی اسے حاصل ہوئی اس سے کہیں زیادہ خوشی اللہ تعالیٰ کو اپنے مومن بندے کی توبہ سے ہوتی ہے۔)

درحقیقت توبہ (منزل سے) دور پڑ جانے کے بعد پلٹ آنا ہے۔ لیکن یہ واپسی رکن، مبدا اور کمال کے طرز پر ہونی چاہیے۔ اس کا مبدا تو ایمان ہے یعنی قلب میں نور معرفت کی کرن اس طرح پہنچے کہ اس میں گناہوں کا مہلک زہر واضح ہو جائے اور خوف وندامت کی آگ مشتعل ہو جائے اور انہیں شعلوں کے ذریعہ سچی رغبت اور اس کی تلافی کا جذبہ دل میں پیدا ہو جائے۔ فی الحال یہ کیفیت گناہوں کے ترک کا سبب بنتی ہے اور زمانہ مستقبل میں گناہوں کو متروک رکھنے کے لیے عزیمت کی شان پیدا کرتی ہے اور زمانہ ماضی کا احساس حتی الامکان اس کی تلافی پر مائل کرتا ہے تب جا کر کمال ایمان حاصل ہوتا ہے۔ لہٰذا توبہ کو ہر حال میں لازم کر لو۔

فصل-2

# بَرزَخ

برزخ دوطرح کی ہے برزخ کبریٰ اور برزخ صغریٰ۔

برزخ کبریٰ حضرت رسالت صلی اللّٰہ علیہ والہ و صحبہ و بارک وسلم کی روح پاک ہے۔

اور برزخ صغریٰ روح مرشدانا من نور اللّٰہ والمومنون من نوری ۔(میں اللہ کے نور سے منور ہوں اور ایمان والے میرے نور سے) برزخ کوتصور، واسطہ ورابطہ بھی کہتے ہیں۔خاندان مشرب شطار کی اصطلاح میں برزخ، تصور، واسطہ اور رابطہ، چاروں سے مرشد مراد ہے، اور مرشد طالب ومطلوب کے درمیان واسطہ ہے۔ یہاں تک کہ مرشد، مسترشد کواللہ پاک کے حضور بینا کردیتا ہے۔یعنی شناسا بنادیتا ہے تاکہ مسترشد کی رسائی حقیقتِ حق تک ہوجائے۔یعنی خودکواور کل کائنات کوہستیِ حق اوراس کی حقیقت میں گم کردے بلکہ خودکی اور کل کائنات کی گم شدگی کے شعور سے بھی پاک ہوجائے۔

تو مباش اصلا کمال این است و بس ۞ تو ز خود گم شو وصال این است و بس

(اصل کمال تو یہی ہے کہ تو تو نہ رہے۔وصال تو بس یہ ہے کہ تو اپنے آپ سے اوجھل ہوجائے۔)

برزخ کبریٰ (ﷺ) بھی اس مقام سے یوں گویا ہوتے ہیں۔ انا من نور اللّٰہ و المومنون من نوری ۔(میں اللہ کے نور سے منور ہوں اور مومنین میرے نور سے )۔اوراسی مقام سے سمجھنے کی کوشش کروکہ صورت انسانی وجہ اللّٰہ کا ثبوت ہے جیسا کہ نبی صلی اللّٰہ علیہ والہ و صحبہ و بارک وسلم نے فرمایا ہے:

ان اللّٰہ خلق آدم علی صورتہ ای علی صفتہ (بےشک اللہ پاک نے آدم کواپنی صورت اور صفت پر تخلیق فرمایا)

اوراسی راز ونیاز کومولانا رومؒ یوں فرماتے ہیں: بیت

بصورتِ بشرم هان وهان غلط نکنی کہ عقل سخت ضعیف است عشق سخت غیور

(بےشک میں بشر کی صورت میں ہوں لیکن اس سے دھوکا مت کھاؤ کیوں کہ عقل نہایت کمزور ہے اور عشق غیرت سے مجبور۔)

فرستادیم آدم را بہ بیرون ۞ جمال خویش در صحرا نهادیم

جمال ما ببین زین راز پنہان ۞ اگر چشمت بود پیدا نهادیم

وگر چشمت نباشد آنچنان دان ۞ کہ گوہر پیش نابینا نہادیم

(ہم نے آدم کو ظاہر کر کے اپنا جمال صحرانشیں کر دیا ہے۔ اگر آنکھ رکھتے ہو تو میرے جمال کو اس راز سربستہ سے سمجھو اور اگر آنکھوں سے محروم ہو تو سمجھو کہ اندھے کے آگے میں نے جواہرات ڈال دیے ہیں۔)

آدم معنی جمال دوست دان ۞ ہر چہ غیرِ آدم است آن پوست دان

(آدم کو جمال دوست سمجھو اور جو کچھ ہے سب کو فضول جانو۔)

اور یہی وہ راز ہے جس کی بنا پر انسان کو (جلوۂ الٰہی کا) مظہر خاص کہا گیا ہے۔ اور جو کچھ اٹھارہ ہزار عالم میں ہے، بلکہ بقول بعضے جو کچھ اسی ہزار عالم میں ہے، یا ایک قول کے مطابق جو کچھ تین سو ساٹھ ہزار عالم میں ڈھونڈتے ہو وہ سب اس انسان کے اندر موجود ہے۔ مگر طالب اپنی خودی کے غرور میں گرفتار ہو کر اس دولت سے محروم رہ جاتا ہے۔ ہاں، جب خوش قسمتی سے کسی دانا پیر اور مرشد محقق کی صحبت اور خدمت نصیب ہو جاتی ہے تو اللہ پاک کی مدد اور توفیق کے ذریعہ اس پندار خودی سے نجات و خلاصی میسر آتی ہے۔ بندگی حضرت سلطان المرشدین شیخ عبداللہ بن حسام الدین بن عبداللہ بن رشید بن ضیاالدین بن نجم الدین بن حمادالدین بن عمر المعروف بہ شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروردی قدس اللہ تعالیٰ سرہم العزیز نے طالبانِ حق سے متعلق ایک حکایت بیان فرمائی کہ خراسان میں ایک سچا طالب جب مرشد حقیقی کی صحبت میں پہنچا تو مرشد نے اس کو تجرید کے عمل سے گزارا۔ چنانچہ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دنیا اس کے آگے بے حقیقت ہو گئی۔ مقام تجرید تک پہنچ جانے کے بعد اسے ایک روئی کی کلنپک پہنائی۔ اس کے بعد طالب حق مسترشد کو بارہ برس تک خانقاہ میں جھاڑو دینے، پانی بھرنے اور خانقاہ کے صوفیوں کے آب خانے کی صفائی کرنے پر مامور کیا گیا۔ چنانچہ بارہ برس تک اس مسترشد نے خانقاہ میں جھاڑو دی، پانی بھرتا رہا اور خانقاہ کے صوفیوں کی چہار چوب کو پاک کرتا رہا اور اگر اس مدت میں کبھی مسترشد مرشد سے کچھ چاہتا، تو مرشد دھکا دے کر بھگا دیتے۔ اسی طرح بارہ برس مسترشد نے مرشد کے حکم کے مطابق پوری تن دہی سے رات دن ایک کر کے کام انجام دیا۔ جب مرشد نے دیکھا کہ مسترشد اپنے اعتقاد میں پکا ہے اور اپنے کام میں ثابت قدم رہا ہے تو اس کے بعد مرشد نے مسترشد کو تصور برزخ سے واقف کرایا۔ جب تصور برزخ طالب کے دل میں گھر کر گیا تب ذکر ظاہر و باطن کی تلقین فرمائی گئی۔ لیکن میں نے ہندوستان میں ایسا کہیں نہ دیکھا نہ سنا۔ سوائے اس کے کہ چند روز اپنی مرضی کے مطابق مجاہدہ کیا، تصوف کی دو ایک کتابیں پڑھ لیں اور یہ سمجھ بیٹھے کہ اللہ تعالیٰ تک جا ہی پہنچے۔ کشف و کرامات میں الجھ گئے اور گمراہ ہو گئے۔ نعوذ باللہ منہا۔ ایسے لوگ اس راہ کی اصل حقیقت سے محروم ہو

گئے اور غرور وتکبر کے شکار ہو گئے، اس لیے اس راہ میں مرشد کی پیروی اور اتباع اصلی چیز ہے، اور سچے مرشد کے بغیر اس راہ میں بھٹکنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں۔ اس راہ میں مرشد کی طلب بے حد ضروری ہے اور طریقۂ الٰہی ہے۔ اللہ کا طریقہ ہر قسم کی تبدیلی سے پاک ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

**فلن تجد لسنة اللّٰه تبديلا ولن تجد لسنة اللّٰه تحويلا**[16]

(تو تم ہرگز اللہ کے دستور کو بدلتا نہ پاؤ گے اور ہرگز اللہ کے قانون کو ٹلتا نہ پاؤ گے)

لہٰذا حق کے طالب کے لیے سب سے اہم بات یہ ہے کہ اپنے دل کا تعلق مرشد حقیقی کے ساتھ خوب اچھی طرح مضبوط کرے۔ چنانچہ مستِ الست یزدانی حضرت عین القضاۃ ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ تمہیدات میں فرماتے ہیں کہ مرید پیر پرست ہوگا تو خدا پرست ہو جائے گا۔ اور یہ بات سچے مریدوں کے نصیب میں ہے، اپنے نفس کے مرید اسے کیا جانیں۔ حضرت خواجہ رکن الدین فردوسی قدس اللہ روحہ اپنے رسالہ میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جسم، جوہر اور عرض سے پاک ہے اور ہر وہ چیز جو وہم وفہم اور عقل کی پہنچ میں ہے اس سے بھی اللہ تعالیٰ پرے اور پاک ہے۔ اس لیے جب چاہے کہ اللہ تعالیٰ کو پہچانے تو اپنے دل پر پیر ومرشد کا تصور نقش کرے۔ **فهم من فهم** (جس نے سمجھا اس نے سمجھا)۔ گویا مرشد کے بغیر راہ حق طے کرنا محال ہے اسی لیے مکتوبات میں لکھا ہے۔

کور ہرگز کی تواند رفت راست ❁ بیعصا کش کور را رفتن خطاست

(نابینا ہرگز سیدھا راستہ نہیں چل سکتا، بغیر لاٹھی پکڑے نابینا کا چلنا ہی بھول ہے)

راہ دور است و پر آفت ای پسر ❁ راہ رو را می بباید راہبر

(اے عزیز راستہ لمبا اور خطرناک ہے، مسافر کو ایک رہبر چاہیے)

بی رہبر اگر برون نہی گام ❁ در بادیہ گم شوی سر انجام

(رہبر کے بغیر اگر باہر قدم نکالا تو جنگل میں بھٹک جانا ہی مقدر ہوگا)

لہٰذا اس راستے میں طالب حق کے لیے مرشد حقیقی کی طلب فرض ہے اس لیے واسطہ ووسیلہ ناگزیر ہے۔ حق تعالیٰ کا فرمان ہے:

**يا ايها الذين اٰمنوا اتقوا اللّٰه وابتغوا اليه الوسيلة وجاهدوا في سبيله لعلكم تفلحون**ؐ[17]

(اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈھو اور اس کی راہ میں جہاد کرو اس امید پر کہ فلاح پاؤ)

یعنی طالب کے لیے وسیلہ اور جہاد کا حکم ہے تاکہ اس کا بھلا ہو، اور جب تک یہ فلاح نصیب نہیں ہوگی بندگی کے اس عیب سے نجات نہیں۔ اس لیے طالب کے واسطے فلاح کا حصول سب سے ضروری ہے اور فلاح کے

لیے وسیلہ وواسطہ چاہیے اور وہ مرشد حقیقی کی ذات ہے جو خود تو فانی ہے مگر حق کی نسبت سے باقی ہے۔ ایسا مرشد نہیں جو خود پرست اور خود ساختہ ہو۔ اپنے علم کی قوت اور لفاظی کے بجائے برسوں برس مرشد حقیقی کی خدمت کرنی چاہیے تاکہ اس راہ کی حقیقت ان کی خدمتوں کی بدولت پالے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کونوا مع الصادقین [18] (سچوں کے ساتھ ہو جاؤ) اور یہ راہ مرشد کے بغیر ہاتھ نہیں آتی الاماشاء اللّٰہ۔ شاذ و نادر اگر کبھی ایسا ہوا بھی ہو تو وہ نہ ہونے کے برابر ہے۔

پھر جب مسترشد کا دل اپنے مرشد کے دل سے مربوط و مقابل ہو جائے تو جس قدر قربت اور ربط پیدا ہوگا اسی قدر دل پر اس کا اثر ظاہر ہوگا۔ یہ ربط و تعلق تحریری و زبانی ہونے کا محتاج نہیں ہے۔ یہ صلاحیت کسی کے وہم و گمان سے بالاتر ہے اور مسترشد کے لیے بے حد ضروری ہے کیوں کہ اسی کے ذریعہ مرشد کی ساری نعمتیں مسترشد کے دل میں سرایت کر جاتی ہیں۔ چنانچہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرماتے ہیں:

ماصبّ اللّٰہ شیئاً فی صدری الاوقد صببتہٗ فی صدر ابی بکر (جو کچھ اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں نازل فرمایا اسے میں نے ابوبکر کے سینے میں ڈال دیا)

هر کسی بر میخورد اندازهٔ ربط دلش ❁ ورنه کافر از کجا بهره گرفتن پیش بت

(ہر ایک کا اپنا دلی ربط اور رجحان ہوتا ہے ورنہ کافر بت کے سامنے کیا پاتا ہے۔)

جو پیروں کی نعمت کو خوب خوب حاصل کرنا چاہتا ہے تو اس کے لیے یہی کافی ہے کہ اپنے دل کا رشتہ شیخ کے ساتھ مضبوط کر لے یعنی اپنے قول و فعل سے ظاہری و باطنی طور پر شیخ کی پوری متابعت اور پیروی کرے، یہاں تک کہ شیخ کی تمام خوبیاں اس کی برائیوں کی جگہ لے لیں، بلکہ اس کی ذاتی پہچان بھی باقی نہ رہے۔ پھر تو دیکھتے ہی دیکھتے مرید کل من علیہا فان کی دولت سے مشرف ہو جائے اور یبقی وجہ ربک ذو الجلال والاکرام کی نعمت لازوال سے مالا مال ہو جائے۔ اور اس فقیر کو اللہ رب العالمین کی بخشش و عنایت اور اپنے پیر و مرشد حضرت سلطان المرشدین شیخ عبداللہ النوری البخاری السہروردی الصدیقی قدس اللہ سرہ العزیز کی تربیت کے نتیجے میں یہ دولت حاصل ہوئی اور اس نعمت تک رسائی ہوئی الحمد للّٰہ علی ھذہ النعمۃ العظمی والفضیلۃ الکبریٰ۔

❁❁❁

(حواشی صفحہ 41 پر)

جسٹس سید شاہ نیّر حسین
پٹنہ ہائی کورٹ
سجادہ نشیں خانقاہ حضرت محمد پیر دمڑیاؒ، پٹنہ

# سلسلۂ مخدومانِ پیر دمڑیا

سلسلۂ پیر دمڑیا کی ابتدا سیدنا مخدوم میر عبدالغفار ارشدالدین سید حسن دانشمند حسینی زیدی دلوی واسطی بخاری سے ہوتی ہے جو تقریباً 900ھ (1495ء) میں میرٹھ سے سیوان تشریف لائے اور اس زمانے میں یہاں رشد و ہدایت اور تعلیم و تربیتِ روحانی کی شمع جلائی جب سارے ہندوستان میں بدامنی اور طوائف الملوکی کی آندھیاں چل رہی تھیں۔

سیدنا مخدوم سید حسن دانشمند کا سلسلۂ نسب اس طرح ہے۔ سیدنا مخدوم سید حسنؒ دانشمند بن حضرت سید قاسم میرٹھی بن حضرت سید حامد شرف جہاں میرٹھی بن حضرت سید یحییٰ کرم اللہ بخاری بن حضرت سید جعفر عطاء اللہ بن حضرت سید ظہیر الدّین ابونجیب دہلوی بن حضرت سید طاہر واسطی بن حضرت سید سلطان ابوبکر واسطی بن حضرت سید احمد بن حضرت سید محمد بن حضرت سید حسین زاہد بن حضرت سید اسماعیل بن حضرت سید علی ابوالحسن بن حضرت سید حسین الفارس نقیبِ کوفہ بن حضرت سید یحییٰ ابوالحسن بن حضرت سید حسین نصاب ابوعبداللہ بن حضرت سید احمد محدث شاعر کوفہ بن حضرت عمر کوفی بن حضرت سید یحییٰ محدث کرمانی بن حضرت حسین ذوالعزت بن حضرت زید الشہید بن امام المتقین حضرت امام زین العابدین بن امام الشہدا حضرت حسین ؓ بن امام الاولیا حضرت علی ؓ۔

سیدنا حضرت امام حسین ؓ کی شہادت کے بعد آپ کے صاحبزادے سیدنا حضرت امام زین العابدین ممالک کے بجائے قلوب کو فتح کرنے کے لیے مدینۃ الرسول میں سجادہ نشین ہوگئے اور وہیں سے سارے عالم اسلام میں اور اس کے باہر بھی رشد و ہدایت اور تعلیم و تربیت روحانی کی روشنی پھیلائی شروع کی جس کا سلسلہ نسلاً بعد نسلٍ چلتا رہا۔ کہتے ہیں کہ سیدنا حضرت امام زین العابدین کو بھی 95ھ (714ء) میں حاکمِ اموی ولید بن عبدالملک نے زہر دے کر شہید کرادیا۔

آپ کے گیارہ صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں تھیں۔ ان میں سے حضرت زید کی ولادت 80ھ (700ء)

میں ہوئی اور اپنے عظیم مناقب وفضائل کی بنا پر حلیف القرآن کہلائے لیکن آپ کے والد ماجد کی شہادت کے بعد آپ کو مدینۃ الرسول چھوڑنے پر مجبور کیا گیا جس کے بعد آپ نے عراق میں بہ مقام واسط قیام فرمایا لیکن پھر ہشام بن عبد الملک حاکم اموی کی ریشہ دانیوں سے تنگ آ کر آپ کو چالیس ہزار کوفیوں کے ساتھ میدانِ جنگ میں آنا پڑا لیکن عین حالت جنگ میں کوفیوں نے اپنی خصلت کے مطابق آپ کا ساتھ چھوڑ دیا مگر اس کے باوجود آپ جنگ کرتے رہے یہاں تک کہ ایک تیر آپ کی پیشانی مبارک پر لگا جس سے آپ جانبر نہ ہو سکے اور آپ کو خفیہ طور پر دفن کر دیا گیا لیکن دشمنوں نے سراغ لگا کر نعش مبارک کی بے حرمتی کی بھی جسارت کر ڈالی۔ آپ کی شہادت 122ھ (740ء) میں ہوئی تھی۔ آپ کے چار صاحبزادے تھے جن کی اولادیں سادات زیدی الواسطی کہلائیں اور مختلف مقامات میں پھیل گئیں۔

سیدنا حضرت زید الشہید کے صاحبزادوں میں سے ایک حضرت سید حسین ذوالعزت کرمان کی طرف روانہ ہوئے جہاں ان کے لڑکے حضرت سید یحییٰ اپنے زمانے کے مشہور محدثین میں ہوئے۔ ان کے بعد ان کے لڑکے سید عمر کوفہ تشریف لے گئے جہاں ان کے لڑکے حضرت سید احمد وہاں کے مشہور محدث اور شاعر ہوئے۔ پھر تقریباً نو پشت تک یہ خاندان کوفہ ہی میں رہا اور تعلیم وتربیت روحانی کا سلسلہ چلتا رہا لیکن اس کے بعد حضرت سید سلطان ابوبکر وہاں سے واسط تشریف لائے جو کوفہ اور بصرہ کے درمیان واقع ہے اور تین پشتوں تک آپ کا خاندان وہیں یا پاس کے شہر ذلو میں آباد رہا۔

واسط عراق کا ایک مشہور ومعروف شہر تھا جو کوفہ اور بصرہ کے درمیان 83ھ (703ء) میں بادشاہ عبد الملک بن مروان کے حکم سے فوجیوں کے لیے دریائے دجلہ کے کنارے آباد کیا گیا تھا۔ یہاں کے قلم بہت مشہور تھے جس کے متعلق میر عبد الواحد بلگرامی کا ایک شعر ہے ؎

دانی کہ خوش نویسی ما از برای چیست ❁ مائیم واسطی و قلم نیز واسطی

یہ شہر کئی سو سالوں تک آباد رہا یہاں تک کہ 641ھ (1243ء) میں عباسی بادشاہ مستنصر باللہ نے وفات پائی اور اس کا بیٹا عبد اللہ المعتصم باللہ تخت نشین ہوا۔ اس کا وزیر مؤید الدین ابن علقمی نا اہل تھا جس کی وجہ سے بغداد میں آئے دن مسلکی اور مذہبی جھگڑے اور فسادات ہوتے رہے۔ خلیفہ خود تنگی میں تھا جس کی وجہ کر فوج میں تخفیف کر دی اور باقی کی تنخواہیں بھی وقت پر ادا نہیں ہونے لگیں۔ انہیں دنوں دار الخلافہ اور آس پاس کے شہروں اور قصبوں میں آتش فساد مشتعل ہو گئی جس کا فائدہ اٹھا کر ہلاکو نے حملہ کر دیا اور بغداد اور واسط وغیرہ کو برباد وتاراج کر دیا جن وجوہ کی بنا پر واسط کے باشندے دوسرے ممالک اور علاقوں کو منتقل ہو گئے جس کے بعد وہ علاقہ ویرانہ ہو گیا اور اب اس کے قریب بندرگاہ احمرہ آباد ہو گیا ہے۔

ذلو بھی عراق کا ہی ایک قریہ ہے جو واسط سے تقریباً پانچ میل جنوب میں ہے اور یہ فرات کے مشرق میں دجلہ کے کنارے واقع ہے۔ یہ بہت زرخیز قریہ ہے اور آج بھی دھان کی اچھی کھیتی ہوتی ہے۔ یہ عراق کے ضلع فلوجہ میں وہ علاقہ

ہے جہاں سے پیر دمڑیا کے جد امجد ترک وطن کر کے ہندوستان تشریف لائے۔ جب ہلاکو خاں نے 656ھ(1258ء) میں بغداد، واسط وغیرہ شہروں پر حملہ کر کے بہت بڑی تباہی مچانا شروع کر دی اور اس غارت گری میں لاکھوں کی تعداد میں انسانوں کو قتل کر دیا گیا اور ہزاروں کی تعداد میں کتب خانوں اور درس گاہوں کو جلا کر برباد کر دیا گیا تو اسی سال حضرت سید ظہیرالدین ابونجیب بن حضرت سید طاہر واسطی بن حضرت سید سلطان ابوبکر واسطی بخارا اور ملتان (اُوچہ) سے ہوتے ہوئے اپنے دو بھائیوں سید اسدالدین اور سید زین الدین کے ہمراہ 679ھ(1278ء) میں وارِدِ دہلی ہوئے۔ ان میں سے سید اسدالدین معروف بہ آفتاب ہند نے جونپور کے پاس ظفرآباد موضع میں سکونت اختیار کی اور وہیں آسودۂ لحد ہوئے اور ان کا خاندان وہیں آباد ہوا۔ سید زین الدین نے فرخ آباد میں سکونت اختیار کی، وہیں آسودۂ لحد ہوئے اور ان کا خاندان وہیں رہا۔

حضرت سید ظہیرالدین ابونجیب زیدی الحسینی نے خواجہ حضرت نظام الدین اولیاء سے سلسلۂ چشت میں بیعت کر کے لال قلعہ سے تین چار کوس جنوب میں واقع موضع بسارن میں بہ عہدِ غیاث الدین بلبن مقیم ہوئے۔ آپ کو تصوف اور شعر و شاعری سے بہت لگاؤ تھا۔ عہد خلجی میں آپ شاعر سلطنت ہوئے اور پھر عہد تغلق میں آپ کو میر منشی سلطنت مقرر کیا گیا۔ آپ نے تصوف کی ایک کتاب رموز المعانی تصنیف کی تھی جس کا تذکرہ مولینا عبدالحیٔ نے اپنی کتاب نزھة الخواطر میں بھی کیا ہے۔ پھر آپ نے اپنے کلام کا مجموعہ دیوانِ ظہیر کے نام سے مرتب کیا تھا۔ آپ نے سہروردیہ سلسلہ میں حضرت رکن الدین ابوالفتح ملتانی سے بھی بیعت و خلافت حاصل کی تھی۔ آپ کی وفات تقریباً 785ھ(1383ء) میں ہوئی اور حوض شمسی پر مدفون ہوئے۔

حضرت سید ظہیرالدین ابونجیب زیدی الحسینی دلوی واسطی دہلوی کے دو صاحبزادے ہوئے جن میں بڑے سید علاء الدین خوند ایک مہم میں محمد شاہ تغلق کے ساتھ دکن گئے اور وہیں مقیم ہوئے۔ گلبرگہ کے مغرب میں حسین آباد میں آپ کا روضہ ہے۔ دوسرے صاحبزادے حضرت سید جعفر عطاء اللہ دہلوی نے حضرت مخدوم سید جلال الدین بخاری جہانیاں جہاں گشت سے شرف بیعت و خلافت حاصل کیا اور آپ کی دامادی کا شرف بھی حاصل ہوا۔ آپ کو حضرت خواجہ نصیرالدین چراغ دلی سے بھی خلافت ملی۔ آپ کے صاحبزادے حضرت سید یحییٰ کرم اللہ اپنے نانا کی نسبت سے بخاری بھی کہلائے اور دلی ہی میں آسودہ لحد ہوئے۔ جب 801ھ(1399ء) میں امیر تیمور نے دلی پر حملہ کر کے اسے تاراج کر دیا اور وہاں سے صوفیائے کرام، مشائخ اور علما وغیرہ دوسرے علاقوں کی طرف منتقل ہونے لگے ان کے لڑکے حضرت سید حامد شرف جہاں عرف میٹھے شاہ دلی سے میرٹھ تشریف لے آئے۔ آپ کا مزار موضع سردھنا میں عیدگاہ کے پاس ایک بلند ٹیلے پر پختہ بنا ہوا ہے۔ آپ کے آٹھ صاحبزادے تھے (حضرت سید قاسم میرٹھی، سید عبدالغفار، سید محمد مجنوں، سید اسماعیل، سید محمود، سید جلال، سید طاہر ثانی اور حضرت قطب سید محمد افضل عرف سید بڈھن مسکین) یہ سبھی صاحبان علم و عرفان تھے اور سبھوں سے

مختلف سلاسل جاری ہوئے۔ ان میں سے حضرت قطب سید محمد افضل عرف سید بڈھن مسکین اپنے زمانے کے مشہور بزرگ ہوئے اور موضع بہرائچ میں آپ کا مزار اسٹیشن کے قریب ایک ٹیلے پر موجود ہے۔

حضرت سید حامد شرف جہاں عرف میٹھے شاہ کے بڑے صاحبزادے حضرت سید قاسم زیدی الحسینی ذلوی واسطی بخاری شہر میرٹھ کے جس علاقے میں قیام پذیر ہوئے آپ کی بزرگی کی وجہ کر اس علاقے کا نام آپ کے ہی کے نام سے موسوم ہو گیا یعنی قاسم پورہ جہاں آپ کا مزار عیدگاہ کے پاس مخدوم صاحب کے مزار کے نام سے مشہور ہے۔ آپ کے چار صاحبزادے تھے۔ اول حضرت سید حسن دانشمند جن سے مخدومان پیر دمڑیا کا سلسلہ شروع ہوا۔ دوسرے اور تیسرے لڑکے یعنی سید جمال الدین اور سید بار بادونوں وادی یعنی ضلع مظفر نگر بھوارہ کی طرف چلے گئے۔ سادات بار ہا اور سادات بھوارہ انہیں کی اولادیں ہیں جن میں سید جمال الدین کی نسل سے معروف ادیبہ قرۃ العین حیدر ہوئیں جنہوں نے اپنے خاندان اور خاندانِ پیر دمڑیا کے تعلق کا تذکرہ اپنی کتاب کار جہاں دراز ھے میں بھی کیا ہے۔ چوتھے لڑکے میر سید سلونی بھی اپنے دور کے مشہور بزرگوں میں ہوئے جن کا مزار سلون شریف میں ہے جو پرتاب گڑھ (اتر پردیش) کے پاس ہے۔

**حضرت مخدوم سید حسن دانشمند:** حضرت مخدوم سید حسن دانشمند کی ولادت تقریباً 855ھ (1450ء) میں اپنے والد حضرت سید قاسم کے مکان واقع اندر شہر میرٹھ میں ہوئی۔ آپ کا نام حسن تھا اور اپنے علم وفہم کی وجہ کر آپ کا عرف دانشمند ہوا۔ خانوادۂ قادریہ اور سہروردیہ سے آپ کو عبد الغفار کا لقب ملا اور خانوادۂ چشتیہ سے آپ کو ارشد الدین کا لقب عطا ہوا۔ دیگر القاب آپ کے اس طرح ہیں: عالم وفاضل زماں، عامل وکامل جہاں، فضائل پناہ، خدا آگاہ، صاحب فضل وکمال، قطب الاقطاب، اولوالالباب، سراج السالکین، سلطان العارفین، درۃ التاج اولیاء، نافذ احکام قدر و قضا، واقف اسرار ذوالمنن، تاج العلماء، سید الاصفیا، حامل قرآن، محبوب رحمان، (بیاض فارسی قلمی سید شاہ شمس الدین میر کلاں)۔

ہندوستان کے عہد وسطیٰ میں مخدوم حضرت سید حسن دانشمند کا زمانہ وہ زمانہ ہے جس سے فوراً قبل سلطان علاء الدین عالم شاہ بن محمد شاہ نے 849ھ (1445ء) سے 855ھ (1450ء) تک حکومت کی لیکن اس کا پورا دور طوائف الملوکی کی حالت میں گذرا یہاں تک کہ جب اس نے 855ھ (1450ء) میں سلطان بہلول لودھی بن ملک کالا کو بدایوں کے علاوہ پوری سلطنت حوالہ کی تھی اس وقت دلی کے آس پاس کے گاؤں کے علاوہ سلطنت میں کچھ باقی نہیں رہ گیا تھا۔ ملتان، سنبھل، میوات، گوالیار وغیرہ سب ہی جگہوں کے حاکم آزاد ہو چکے تھے۔ اس کے بعد سلطان بہلول لودھی نے اپنی 38 سالہ حکومت کے دوران بڑی سرگرمی سے مقامی سرداروں کی بغاوت فرو کی۔ جونپور کے حکمراں سے لڑ کر اس کی حکومت کو ختم کیا۔ غرضکہ اس کا زیادہ تر وقت جنگ میں گذرا، اس لیے وہ حکومت کے نظم ونسق کو زیادہ بہتر طریقہ پر از سر نو قائم نہ کر سکا اور 894ھ (1488ء) میں مر گیا۔ اس کے بعد اس کا لڑکا سلطان سکندر لودھی 923ھ (1517ء) تک حکمراں رہا۔ اس کا ابتدائی زمانہ خانہ جنگی اور بھائیوں سے جنگ میں گذرا۔ گرچہ اس نے اپنی حکومت بہار تک مستحکم کر لی تھی اور بنگال سے

صلح بھی کر لی تھی لیکن پھر بھی وہ افغانوں سے مطمئن نہیں رہا اور مجبور ہو کر اپنا دار السلطنت دلی سے آگرہ لے گیا جہاں سے وہ آس پاس کے حاکموں کو آسانی سے قابو میں رکھ سکتا تھا۔ غرضکہ سلطان سکندر لودھی کا بھی زیادہ تر وقت باغیوں کے سرکوبی میں گذرا۔ مگر اس نے ملک کے نظم ونسق اور علم وہنر کو بھی ترقی دی جو اس کے دور کے آخر کی باتیں ہیں۔ بہر حال اس کے مرنے کے بعد اُس کے بیٹے اور جانشین سلطان ابراہیم لودھی نے اپنی بدمزاجی اور بداخلاقی کے باعث نہ صرف ہندوستان کی حکومت گنوائی بلکہ 932ھ (1525ء) میں اپنی جان بھی گنوادی۔

مزید براں جب دار السلطنت فتنوں کی آماجگاہ ہو جائے تو سب سے پہلے اس کی مرکزیت ختم ہو جاتی ہے اور ساری خصوصیات ناپید ہو جاتی ہیں۔ جس طرح استحکام سلطنت کی بدولت دار السلطنت تمام محاسن وخوبیوں کا مرکز بن جاتا ہے اسی طرح انحطاطِ حکومت کے ساتھ ساتھ ساری خوبیاں اوران کی مرکزیت زوال پذیر ہو جاتی ہے۔ وہی دلی جو قطب الدین ایبک محمد تغلق اور فیروز شاہ وغیرہ کے عہد میں صوفیا، علما، شعرا اور ماہرین علم وفنون سے بھری ہوئی تھی اور جس کی شہرت سن سن کر مصر وشام، بغداد وطلیطلہ، سمرقند وبخارا، ایران وروم، ترکستان وچین سے صاحبانِ دل اور اکابر علم وہنر کھینچے چلے آرہے تھے اور جہاں تہذیب وتمدن کے نئے نئے سانچے روزانہ ڈھالے جارہے تھے، جہاں وعظ وپند کی ہمہ وقت مجلسیں گرم رہتی تھیں، جہاں سے صلحاے امت روحانیت کی کرنیں ساری دنیا میں پھیلا رہے تھے، جہاں قال وحال سے لوگوں کی دنیا بدلی جارہی تھی اب اسی دلی میں روزانہ بادشاہوں کو قتل کیا جانے لگا تھا اور نیا بادشاہ بنایا جاتا، سازش وبے اعتادی میں صوفیا اور علما کی بے حرمتی کی جانے لگی اور قتل وقتال کا بازار گرم رہنے لگا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسجدیں، خانقاہیں، مدارس اور علم وہنر کے مراکز ویران ہو گئے، صفیں الٹ گئیں، درس وافتا کی مسندیں خالی ہو گئیں اور جن خانوادوں کا بادشاہوں اور شہزادوں کے پاس جتنا رسوخ تھا وہ خاص طور پر تختۂ مشق بنائے جانے لگے۔ سادات، جن کی قدر ومنزلت سے دلی گونج رہی تھی، کربلا کا میدان بن گئی۔ دلی کے اطراف وجوانب پر بھی اسی طرح کے چھاپے پڑنے لگے۔ شرفا کا دلی یا دلی کے قریب کے شہروں میں رہنا اجیرن ہو گیا۔

ایسے حالات میں تعلیم وتربیت اور درس وتدریس کے لیے وہ جگہیں بالکل نامناسب ہو گئیں۔ چونکہ نہ تو وہاں سکون میسر تھا نہ ویسا ماحول، اس لیے صوفیاے کرام، مشائخ، علما، شعرا، ماہرین فن وغیرہ ان علاقوں کو چھوڑ کر ان فتنوں سے بچنے کے لیے دار السلطنت سے دور دراز قصبوں اور قریوں میں پناہ لینے لگے جن سے وہ سب علاقے فیضیاب اور بہرہ ور ہونے لگے۔ انہیں علاقوں میں ایک شہر میرٹھ بھی تھا۔ جسے مخدوم حضرت سید حسن دانشمند کے بزرگوں کے قدموں کی برکت نصیب ہوئی، جنہوں نے اسے تعلیم وتربیت روحانی اور رشد وہدایت کا مرکز بنا دیا۔

اسی طرح سابق حکمرانوں کے وہ متعلقین اور امرا جنہیں جاہ وحشم کی لالچ نہیں تھی، ان فتنوں سے بچنے کے لیے دار السلطنت سے دور دراز قصبوں اور قریوں میں پناہ لینے لگے۔ چونکہ یہ لوگ خود علم وہنر کے حامل ہوتے تھے اس لیے

دارو گیر سے بچنے کے لیے کچھ تو گوشہ نشین ہو گئے، کچھ نے اپنی زندگی عبادت الٰہی کے لیے وقف کر دی اور کچھ نے مسندِ درس بچھا کر ویرانوں کو آباد کیا۔ انہیں بزرگوں میں سے ایک حضرت میر ملک فتح اللہ تھے جو مخدوم حضرت سید حسن دانشمند کے استاد، پیر اور خسر تھے۔ ان کے بارے میں روایت کہتی ہے کہ یکی از شہزادگان ملک مغرب بودند۔ وہ جونپور پہنچتے ہیں اور پھر انقلابات دنیا سے دور ایک غیر معروف قصبہ عشری (سیوان) میں درسگاہ کی بنیاد ڈال کر درس و تدریس اور تعلیم و تربیت میں درویشی کی حالت میں مشغول و مصروف ہو جاتے ہیں۔

مخدوم حضرت سید حسن دانشمند کی ابتدائی تعلیم میرٹھ ہی میں آپ کے والد ماجد حضرت سید قاسم کے زیر نگرانی ہوئی جو خود ایک بلند پایہ صوفی بزرگ اور عالم دین تھے۔ وہیں میرٹھ میں آپ کی پہلی شادی ایک خاتون سے ہوئی جن کے بطن سے ایک بچی پیدا ہوئی لیکن کچھ ہی دنوں بعد دونوں کا انتقال ہو گیا۔ ان کے انتقال سے قبل ہی آپ میرٹھ سے جونپور مزید تعلیم و تربیت روحانی اور رشد و ہدایت کے لیے تشریف لائے اور حضرت میر ملک فتح اللہ کے درس و تدریس کے لیے مشہور مدرسے میں آپ نے درسیات کے سبق لیے اور فیوض باطنی سے فیضیاب ہوئے۔

جس وقت مخدوم حضرت سید حسن دانشمند حصول علم کے لیے میرٹھ سے نکلتے ہیں اس وقت دلی اجڑ چکی تھی اور جونپور ہندوستان کا شیراز بنا ہوا تھا، جہاں عرب و عجم کے مختلف ممالک سے طالبِ علم کی تشنگی بجھانے آتے رہتے تھے۔ امیر تیمور کے حملے کے بعد دلی کے معززین اکابر، علما، امرا اور فنکار جونپور میں ابراہیم شاہ کا نام سن کر پناہ گزیں ہونے لگے۔ مشائخ، علما اور فنکاروں کا اس قدر اجتماع ہوا کہ جونپور، دلی ثانی ہو گیا اور شیراز ہند کے نام سے پکارا جانے لگا۔ ہر ایک کو علی قدر مراتب، جاگیر اور عہدوں سے نوازا گیا۔ ابراہیم شاہ شرقی کے عہد میں ایک وقت میں مشائخ اور علما کی چودہ سو پالکیاں نماز جمعہ و عیدین میں نکلتی تھیں۔

خصوصیت کے ساتھ حضرت میر ملک فتح اللہ اور ان کے والد حضرت شمس الدین بڑے حقانی کی علمیت اور درس کا شہرہ دور دور تک پھیلا ہوا تھا اور مشہور تھا کہ ان کا درس بہت بابرکت ہوتا ہے، چنانچہ اس بابرکت درس کے شہرے نے دور دور کے طلبا اور علوم روحانی کے متلاشیوں کو آپ کے مدرسے میں اکٹھا کر دیا۔ شاید اسی لیے حضرت سید حسن طاہر دہلوی اور حضرت سید حسن دانشمند میرٹھی نے ایک ساتھ اسی مدرسے میں نہ صرف درس حاصل کیا بلکہ دونوں سید حسن کو طاہر اور دانشمند کے القاب اسی خانوادے سے ملے۔ مزید براں ان دونوں کی شادیاں اسی خاندان میں ہوئیں۔ یعنی حضرت سید حسن طاہر دہلوی (متوفی 909ھ) کی شادی حضرت مخدوم عیسیٰ تاج کی صاحبزادی سے اور حضرت سید حسن دانشمند میرٹھی کی شادی حضرت میر ملک فتح اللہ کی صاحبزادی سے ہوئی۔

مخدوم حضرت سید حسن دانشمند کے جونپور آنے کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ آپ کے اعزا (خاندانِ آفتاب ہند ظفر آبادی) و دیگر سادات زیدی اور خاندان حضرت مخدوم جہانیاں جہانگشت کے خلفا و اولاد جن سے آپ کی برادری

پہلے سے تھی جونپور میں موجود تھے۔ آپ عین جوانی کے عالم میں علم کی پیاس بجھانے نکلے اور حضرت شمس الدین بڑے حقانی اور میر ملک فتح اللہ کی شہرت علم اور خوبیِ درس سن کر جونپور تشریف لائے اور مدرسہ حقانیہ پہنچ کر اس انہماک کے ساتھ تعلیم میں مشغول ہو جاتے ہیں کہ نہ دن کا چین اور نہ رات کی نیند کا خیال کرتے ہیں اور چند ہی دنوں میں استاد کی نظروں میں اس قدر عزیز ہو جاتے ہیں کہ وہ اپنا علم اور روحانیت عطا کر کے اپنا خلیفہ و جانشیں بنا لیتے ہیں۔

اس زمانہ طالب علمی کا ایک واقعہ مشہور ہے کہ ایک شام جب حضرت میر ملک فتح اللہ کی نوکرانی حضرت سید حسن دانشمند کے لیے کھانا لے کر گئی تو اس نے دیکھا کہ آپ کے سامنے تخت سے نیچے شمع دان رکھا ہوا ہے اور آپ پڑھنے میں مشغول ہیں لیکن نیند کا جھونکا بھی آرہا ہے اور بار بار اونگھ سے جب آپ کا سر مبارک شمع کی لو تک پہنچ جاتا ہے تو شمع پیچھے کی طرف کھسک جاتی ہے اور جب آپ ہوشیار ہوتے تو پھر شمع اپنی جگہ خود بہ خود واپس آجاتی ہے اور آپ پڑھنے لگتے ہیں۔ جب یہ منظر نوکرانی نے کئی بار دیکھا تو جا کر میر صاحب کو سارا ماجرا کہ سنایا۔ پھر میر صاحب نے بھی جب یہی ماجرا جا کر دیکھا تو آپ بھی اپنے ہونہار شاگرد کے تصرف باطنی اور ذوقِ علم کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ اس کرامت کے مشاہدے کے بعد دوسری صبح جب حضرت سید حسن دانشمند درس کے لیے تشریف لائے تو میر صاحب نے سبق کے بعد فرمایا کہ ان کی صاحبزادی جس کے لیے وہ ایک اچھے رشتے کے متلاشی تھے انہیں وہ آپ کی زوجیت میں دینا چاہتے ہیں۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ آپ کی تو شادی ہو چکی ہے اور ایک بچی بھی ہے، اس لیے آپ صرف حصولِ علم کی خاطر ان سبھوں کو گھر پر میرٹھ میں چھوڑ آئے ہیں۔ اس پر میر صاحب نے فرمایا کہ خیر کل وہ دونوں مراقب ہوں اور جو مصلحت ہوگی کیا جائے گا۔ چنانچہ دوسرے دن دونوں حضرات مراقب ہوئے تو آپ نے دیکھا کہ آپ کی پہلی زوجہ اور بچے کا انتقال ہو چکا ہے۔ یہ معلوم کرنے کے بعد آپ نے اپنے استاد کے سامنے سر جھکا دیا اور چند دنوں کے بعد تاریخ معینہ پر آپ کی شادی حضرت میر ملک فتح اللہ کی صاحبزادی سے ہوگئی۔

علم دین کی تکمیل و فراغت کے بعد حضرت میر ملک فتح اللہ نے آپ کو اپنے حلقۂ بیعت میں داخل کیا اور تعلیم باطنی کی طرف راغب کر دیا۔ تھوڑے ہی عرصے میں فیوض و برکات سے بہرہ ور ہو کر اپنے وقت کے دوسرے کاملین سے بھی باطنی فیوض حاصل کیے۔ حضرت سید حسن دانشمند کو مندرجۂ ذیل پانچ پیروں سے خلافت و اجازت حاصل ہوئی۔

(1) اپنے استاد حضرت میر ملک فتح اللہ سے سلسلۂ چشتیہ میں (2) اپنے چچا قطب سید محمد افضل بہرائچی سے سلسلۂ سہروردیہ میں (3) حضرت شیخ یوسف علی بخاری سے سلسلۂ قادریہ میں (4) حضرت سید صدر الدین راجو بخاری سے سلسلۂ سہروردیہ میں (5) حضرت نور الحق راجی مانکپوری سے سلسلۂ چشتیہ میں۔

(باقی آئندہ)

❁❁❁

ڈاکٹر سید شاہد اقبال
آستانہ حق، روڈ نمبر-10، ویسٹ بلاک
نیو کریم گنج، گیا-823001 (بہار)

# بنگال کے صوفیاے کرام

بنگال ـــــــ سلطنت دہلی کا ایک دور دراز علاقہ تصور کیا جاتا تھا۔ جنوبی ہندوستان کے ساحلی علاقے سراندیپ میں اسلام سب سے پہلے پہنچا۔ یہ عرب سوداگر ہی تھے جن کے ذریعے اسلام کا پیغام جنوب مشرقی ایشیا کے ممالک انڈونیشیا اور ملیشیا تک پہنچا۔ ان ہی عرب سوداگروں نے بنگال کے جنوبی ساحلی علاقوں تک اسلام کا پیغام پہنچایا۔ چنانچہ اس زمانے میں ایک عارف باللہ، حضرت بایزید بسطامیؒ (متوفی 261ھ) نے چاٹگام (جنوبی بنگلہ دیش) میں قدم رنجہ فرمایا اور بندگان خدا کو اسلام کی دولت سے سرفراز فرمایا۔

بنگال میں مسلمانوں کی اکثریت کی وجہ یقیناً مسلم حکومت کا نتیجہ نہیں۔ کیونکہ اگر اس کی وجہ یہ ہوتی تو صوبہ جات متحدہ اور دہلی میں، جو صدیوں سے مسلم حکومت کا مرکز رہی، مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہوتی۔ بنگال میں جو مسلمانوں کی اکثریت ہے (یہاں غیر منقسم بنگال مراد ہے) اس کا مسلم فتوحات یا مسلم حکومت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

سچ تو یہ ہے کہ ہندوستان میں اسلام کی اشاعت مسلمان بادشاہوں کی تلوار سے نہیں ہوئی بلکہ اُن صوفیاے کرام کے ہاتھوں ہوئی جن کی زندگی کا مقصد ہی تبلیغ اسلام تھا۔ ہندوستان میں صوفیاے کرام نے اسلام کی وہ خدمت انجام دی ہے جو بڑے بڑے جلیل القدر بادشاہوں سے بھی نہ بن پڑی۔ ہندوستان میں صوفیاے کرام کے آستانوں کی اہمیت کسی بادشاہ کے دربار سے کم نہ تھی۔ بلکہ بڑے بڑے بادشاہوں کے سر بھی ان کے آستانوں پر جھکے رہتے تھے۔

اس مقالے میں بنگال (مشرقی بنگال یعنی بنگلہ دیش اور مغربی بنگال) میں قدم رنجہ فرمانے والے چند صوفیاے کرام کے احوال قلمبند کیے جارہے ہیں۔ یقیناً قارئین اسے پسند فرمائیں گے۔

## (۱) حضرت علامہ اشرف الدین ابوتوامہؒ، سُنار گاؤں (بنگلہ دیش)

حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیریؒ (متوفی 782ھ/ 1381ء) کے استاد حضرت علامہ اشرف الدین ابوتوامہؒ بخارا کے رہنے والے تھے۔ وہاں سے عراق گئے اور سلطان غیاث الدین بلبن کے دورِ حکومت (1228ء تا 1281ء) میں ہندوستان تشریف لائے اور دہلی میں رہائش پذیر ہو کر درس و تدریس اور تربیت باطنی میں مشغول ہوئے۔ علمی اور دینی و دنیوی علوم سے آپ کی واقفیت کا شہرہ پورے ملک میں ہوا۔ طالبانِ علم اور ارادتمندوں کا سیلاب اُمنڈ آیا۔ آپ کے مکان پر ہر وقت ہزاروں کا مجمع ہونے لگا۔ رجوعِ عام اور درباری علما کی ریشہ دوانیوں اور حاسدوں کی سازش کے نتیجے میں سلطان دہلی کو خطرہ محسوس ہوا۔ دربار سے سیاسی مصلحت کی بنا پر بنگال چلے جانے کا حکم ہوا اور آپ شاہی حکم کے مطابق مع اہل وعیال دہلی سے بنگال کے لیے روانہ ہوئے۔ جب منیر شریف (ضلع پٹنہ، بہار) پہنچے تو شیخ احمد یحیٰ منیری (والد حضرت مخدوم جہاںؒ) نے بڑی عقیدت اور احترام کے ساتھ استقبال کیا۔ آپ نے چند دن منیر شریف میں قیام فرمایا پھر حضرت مخدوم جہاںؒ کو ساتھ لیا اور بنگال کے سفر پر روانہ ہو گئے۔

حضرت علامہ ابوتوامہ 668ھ/ 1270ء میں بنگال کے شہر سُنار گاؤں میں رونق افروز ہوئے۔ ایک خانقاہ اور مدرسے کی بنیاد ڈالی اور تا حیات (700ھ) درس و تدریس اور رُشد و ہدایتِ خلق پر مامور رہے۔ سُنار گاؤں، مغلیہ دورِ حکومت سے قبل ایک بڑا تاریخی شہر تھا۔ بنگال کے حکمرانوں کا یہ پایۂ تخت بھی رہا ہے۔ آج بھی حضرت ابوتوامہؒ اور ان کے ورثا کے مزارات، مسجدوں اور خانقاہوں کے کھنڈر اس شہر کی عظمتِ رفتہ، ماضی کے شان و شکوہ اور تاریخی اہمیت کا پتا دیتے ہیں۔ ڈاکٹر محمد صغیر حسن معصومی (سابق صدر شعبۂ اسلامیات ڈھاکا یونیورسٹی، ڈھاکا، بعدہٗ ڈائریکٹر اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ اسلام آباد، پاکستان) کے مقالہ بہ عنوان سنار گاؤں کے مطابق یہ جگہ بنگلہ دیش میں نراین گنج کے قریب واقع ہے، جس کو آج کل سرفا گرام کہا جاتا ہے۔ سنار گاؤں 610ھ میں بنگال اور بہار کے ساتھ محمد بن بختیار خلجی کے قبضے میں آیا۔ اس مقام کی سیاسی اور ثقافتی عظمت اس وقت ختم ہو گئی جب بنگال کے آخری خود مختار حکمراں موسیٰ خاں کو شہنشاہ جہانگیر کے دور میں اسلام خاں (گورنر بہار) نے شکست دی۔

حضرت علامہ ابوتوامہؒ کی کئی تصانیف کا پتا چلتا ہے، جن میں ایک قلمی مثنوی بنام حق ہے، جو 15 جمادی الاولیٰ 692ھ کو مکمل ہوئی تھی۔ یہ مثنوی ایشیاٹک سوسائٹی لائبریری، کلکتہ میں موجود ہے اور فہرستِ کتب میں اس کتاب کا نمبر 548 ہے۔ اس مثنوی میں 180 اشعار اور 10 ابواب ہیں۔ (8)

## (۲) خواجہ بایزید بسطامی کا چلّہ، چاٹگام (جنوبی بنگلہ دیش)

آپ کی ولادت شہر بسطام (ایران) میں 126ھ میں ہوئی اور وصال بھی اسی شہر میں 15 شعبان 261ھ میں

ہوا۔ وہیں مدفن بھی ہے۔ حضرت مخدوم شاہ شعیبؒ مناقب الاصفیاء میں تحریر فرماتے ہیں۔ (10) حضرت معروف کرخیؒ جو سارے جہاں کے پیشوا ہیں، آپ ہی کے دسترخوان کے پروردہ حضرت خواجہ بایزید بسطامیؒ جو عارفوں کے سلطان ہیں اور آپ ہی کے گلستان کے خوشہ چین تھے۔ (ص 143)

مخدومنا مولانا اعلیٰ کمال دانشمند نے اپنی تصنیف میں جو سیرت مصطفیٰ ﷺ میں ہے، شیخ ابو طالب مکی صاحب تصنیف قوت القلوب کی ایک تصنیف کے حوالے سے طبقات صوفیہ کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ پانچویں طبقے میں خواجہ معروف کرخیؒ زاہد تھے اور چھٹے طبقے میں خواجہ بایزید بسطامیؒ۔ رسالہ قشیری میں حضرت معروف کرخیؒ کا سنہ وفات 2 محرم الحرام 200ھ مدفن شہر بغداد (عراق) لکھا ہے اور خواجہ بایزید بسطامیؒ کا 15 شعبان 261ھ مدفن شہر بسطام (ایران) تحریر کیا ہے۔ اس طرح جب خواجہ بایزید حضرت معروف کرخیؒ سے متاثر ہوئے تو بلاشبہ وہ حضرت امام علی رضاؒ کے زمانہ میں تھے۔ [ص 148] (9)، (10)

بنگال کی تاریخ تصوف میں خواجہ سلطان بایزید بسطامی کا نام اکثر آتا ہے۔ نصیر آباد قصبے میں جو چاٹگام (جنوبی بنگلہ دیش) سے 5 میل کے فاصلے پر واقع ہے، وہاں ایک پہاڑی پران کا چلہ (اب اسے مزار کی شکل دے دی گئی ہے) اور، اس کے ساتھ ایک مسجد بھی ہے۔ اس پر زائرین کا ہجوم رہتا ہے۔

حضرت جنید بغدادیؒ نے ان کے متعلق فرمایا کہ بایزیدؒ ہم میں اس طرح ہیں، جیسے ملائکہ میں جبریل (5)۔

حضرت خواجہ بایزید بسطامیؒ نے جنوبی بنگلہ دیش اور شمالی برما (صوبہ ارکان) کے علاقے میں تبلیغ دین کا کام کیا اور وسیع حلقہ مشرف بہ اسلام ہوا۔ مقامی روایت کے مطابق جب حضرت بایزید بسطامیؒ بنگال کے جنوبی ساحلی علاقے پر پہنچے تو انہوں نے اپنے لیے ایک چٹائی (جائے نماز) کی جگہ طلب کی تھی، اس وجہ سے اسے چاٹ + گاؤں = چاٹ گاؤں / چاٹ گرام / چاٹگا نگر / چاٹگام کہا جانے لگا۔

بنگال میں ورود مسعود سے متعلق مختلف کہانیاں ہیں، لیکن تحقیق کی روشنی میں یہ بات ثابت ہے کہ نویں صدی عیسوی کے آخر میں چاٹگام کے قصبہ نصیر آباد میں تشریف لائے۔ نصیر آباد کی ایک پہاڑی پر قیام فرمایا اور یہیں آپ کی خانقاہ تھی۔ یہ مقام شہر چاٹگام سے پانچ میل دور شمال کی جانب، گھنے جنگلوں اور وحشت ناک فضاؤں میں گھرا تھا۔ یہاں وحشی جانوروں اور خطرناک درندوں کا بسیرا تھا۔ خبیثوں اور جنوں کا مسکن تھا۔ لیکن قوت ایمان رکھنے والے مومن ہر خطرناک طاقت کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ چنانچہ بلا خوف آپ اس ویران و سنسان پہاڑی پر ریاضت و عبادت میں مصروف رہے۔ کیا آندھی کیا طوفان، ہر حال اور ہر موسم میں یہ چراغ جلتا رہا۔ یہ چراغ آج تک نصیر آباد کی پہاڑی پر آپ کے حجرے میں آپ کی مستقل مزاجی، عزم راسخ اور خدا پرستی کی نشاندہی کرتا ہے۔ یہ وہ چراغ ہے جس سے دین و ایمان کے کتنے ہی چراغ جلے۔ یہ دور کفر و شرک کی تاریکی دور ہوتی رہی۔ قلوب انسانی انوار محمدی اور تجلیات خداوندی سے منور ہو گئے۔

جس پہاڑی پر حضرت سلطان بایزید بسطامیؒ کا آستانہ تھا، اس کے دامن میں ایک تالاب ہے۔ وضو کے لیے اس میں سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں۔ اس تالاب میں بڑی بڑی مچھلیاں اُچھلتی کودتی اور بڑے بڑے کچھوے چلتے پھرتے نظر آتے ہیں۔ ان کچھوؤں کے بارے میں عجیب وغریب قصے اور کہانیاں مشہور ہیں۔

ایک روایت ہے کہ یہ کچھوے دراصل جن تھے۔ حضرت بایزید بسطامیؒ کو عبادت کے دوران ستایا کرتے تھے۔ ایک بار آپ اللہ سے دست بہ دعا ہوئے:

بارالٰہا! یہ جن تیری عبادت کے دوران مخل ہوتے ہیں۔ ان سے نجات دلا! چنانچہ اللہ کے حکم سے جن کچھوے بن گئے۔(5) واللہ اعلم بالصواب!

زائرین روزانہ ہزاروں ہزار کی تعداد میں زیارت کے لیے آتے ہیں۔ اُنہیں کچھوے کو زک پہنچانا منع ہے۔ زائرین اُنہیں پھری (بھنا ہوا چاول) کھانے کے لیے دیتے ہیں۔

## (۳) شاہ جلال الدین مجرد کیانیؒ، سلہٹ (بنگلہ دیش)

شیخ جلال الدین مجرد کیائیؒ بزرگان دین میں ایک ممتاز مقام رکھتے ہیں۔ حضرت شیخ جلال الدینؒ نے 1303ء میں راجا گرو گوبند کی سرکوبی کے لیے 313 مجاہدین کو لے کر سکندر غازی کی فوج کے ساتھ سلہٹ پر حملہ کیا تھا۔ سلہٹ کی فتح کے بعد حضرت شاہ جلالؒ نے اپنے ساتھیوں میں تمام ترفتوحات تقسیم کر دیں اور ہر ایک کو شادی بیاہ کی اجازت دے دی اور خود بھی سلہٹ میں مستقل طور پر سکونت پذیر ہوئے۔(12)

تاریخ کی کتابوں میں سلہٹ کا اصلی نام سری ہٹہ ملتا ہے، جو سر ہٹ سے بنا ہے۔ مسلمان اسے ایک سرحدی مقام کی مناسبت سے سر حد یا سل حد (یعنی سرحدی پتھروں کے ستون) کہتے تھے۔ ایک کتبہ جوڑھا کا میوزیم میں محفوظ ہے، اس میں سلہٹ کے لیے سریہٹ استعمال ہوا ہے۔ سلہٹ نام کے سلسلے میں ایک روایت یہ بھی مشہور ہے کہ حضرت شاہ جلالؒ نے سل یعنی پتھر کو سامنے سے ہٹ جانے کا حکم دیا تھا۔ اس وقت سے یہ مقام سلہٹ کے نام سے مشہور ہوا۔ اسے حضرت شاہ جلال کے نام پر جلال آباد بھی کہا جاتا ہے۔ مسلمانوں کی آمد سے قبل سلہٹ آسام میں کامروپ کی سلطنت کا ایک حصہ تھا۔ مسلمانوں کے دور حکومت میں سلہٹ، کبھی آسام، کبھی بنگال کا حصہ رہا ہے۔(7)

1947ء میں جب ہندوستان کی تقسیم ہوئی تو سلہٹ ضلع، مشرقی بنگال کے حصہ میں آیا، لیکن اس کا ایک سب ڈویژن کریم گنج۔ اب ریاست میگھالہ کا ایک ضلع ہے۔

ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامے میں شاہ جلال مجرد سلہٹیؒ سے اپنی ملاقات کا تذکرہ کیا ہے۔ ابن بطوطہ (1311-1322) بنگال سے گذرا تو شاہ جلالؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہ 746ھ/1347ء میں چین پہنچا تو اسے

شاہ جلالؒ کی وفات کی خبر ملی۔ آپ کا انتقال 745ھ/ 1344ء میں ظہر کی نماز کے آخری سجدے میں ہوا۔ اس وقت آپ کی عمر 150 برس کی تھی۔ اس سے سن پیدائش 595ھ/ 1198 قرار پائی۔ (5)

ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ وہ (شاہ جلال سلہٹیؒ) بدن کے ہلکے پھلکے تھے، قد لامبا تھا اور رخسار پچکے ہوئے تھے۔ ایک غار میں پڑے یاد الٰہی میں مستغرق رہتے تھے اور چالیس سال سے برابر روزے رکھتے تھے۔ دس دن میں ایک دفعہ افطار کرتے تھے۔ ان کے ہاتھ پر اس (پہاڑی) ملک کے اکثر باشندوں نے اسلام قبول کیا۔ اس ملک کے ہندو اور مسلمان سب شیخ کی زیارت کو آتے ہیں اور ان کے لیے تحفے اور نذر لاتے ہیں۔ اس سے فقرا اور مساکین کھاتے ہیں اور شاہ جلالؒ فقط اپنی گائے کے دودھ پر گزارہ کرتے ہیں۔ سلہٹ میں اب بھی لوگ شاہ جلالؒ کے گن گاتے ہیں۔ شمالی مشرقی بنگال اور آسام، میگھالیہ میں اسلام کی اشاعت شاہ جلالؒ ہی کی مرہون منت ہے۔ (5)

حضرت شاہ جلالؒ نے چالیس سال تک ایک غار میں عبادت کی۔ اس کے بعد آپ کے ماموں نے آپ کی ایک کرامت دیکھ کر ایک مٹھی خاک حجرے کے اندر سے لا کر دی اور فرمایا کہ اب تم دنیا کی سیاحت کرو اور جس سرزمین کی مٹی اس مٹی کی طرح بو باس، رنگ اور ذائقہ رکھتی ہو، وہیں یہ مٹی ڈال دینا اور اس جگہ اقامت اختیار کر لینا۔

چنانچہ حضرت شاہ جلالؒ اس ارادے سے روانہ ہوئے اور ملک یمن کے ایک شہر اور دہلی ہوتے ہوئے جہاں آپ کی ملاقات حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیا (ولادت 631ھ۔ وفات 18 ربیع الثانی 725ھ) سے ہوئی اپنے رفقا اور درویشوں کے ساتھ سلہٹ پہنچے۔ (9)،(5)

حضرت شاہ جلالؒ نے اسی زمانے میں دیکھا کہ سلہٹ کی مٹی خوشبو اور رنگ میں اس سے ملتی تھی جو آپ کے ماموں نے آپ کو دی تھی۔ آخر آپ نے اپنے رفقا کے ساتھ سلہٹ میں آباد ہونے کا فیصلہ کیا۔

سلہٹ میں قیام فرمانے کے بعد 33 سال تک شاہ جلالؒ مجرد۔ اس مدت میں آپ کا ابتدائی زمانہ کچھ تو یہاں کے انتظامات کو درست کرنے میں گذرا اور باقی تمام وقت تبلیغ دین اور ارشاد و ہدایت میں بسر ہوا۔ (5)

پروفیسر سید شاہ شمیم الدین احمد منعمی، صدر شعبہ عربی اورینٹل کالج، پٹنہ سیٹی، نے 2002ء میں شاہ جلال سلہٹی کے مزار شریف پر حاضری دی تھی۔ انہوں نے دوران گفتگو راقم الحروف کو بتایا ہے کہ قیام بنگلہ دیش کے بعد اس جگہ شاہ جلال یونیورسیٹی قائم کی گئی ہے۔ یہاں ایک عظیم الشان مدرسہ بھی قائم کیا گیا ہے جہاں تقریباً پانچ ہزار طلبا زیر تعلیم ہیں۔

## (۴) چہل غازی، دیناج پور (شمالی بنگلہ دیش)

چہل غازی کی درگاہ دراصل چالیس غازیوں کا مدفن ہے۔ ڈاکٹر وفا راشدی نے اپنے ایک مقالے میں چہل غازی کا تعارف پیش کیا ہے۔ یہ تحریر رسالہ الرحیم، حیدرآباد، سندھ، بابت جولائی - اگست 1968ء

(ص126) میں شائع ہوئی ہے۔ڈاکٹر وفا راشدی نے ان غازیوں کو شیخ کبار کے لقب سے یاد کیا ہے۔انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ لوگ حضرت بختیار کاکیؒ (569 تا 632ھ/1223ء) کے خلفا میں سے تھے، جنہوں نے تبلیغ و اشاعت کے لیے بنگال تک کا سفر کیا اور وہیں مدفون ہیں۔(11)

مذکورہ چہل غازی کی درگاہ شمالی بنگلہ دیش کے ضلعی صدر مقام دیناج پور سے پانچ کیلومیٹر شمال میں دیناج پور، رنگ پور قومی شاہراہ پر واقع ہے۔یہ شاہراہ بنگلہ دیش کے دارالسلطنت ڈھاکا کو ملاتی ہے۔آج بھی بھی گاڑیوں کے ڈرائیور اپنی اپنی گاڑیاں روک دیتے ہیں اور سلامی دروازہ پر سلامی دینے کے بعد ہی آگے بڑھتے ہیں۔

1950ء میں لیاقت۔نہرو سمجھوتے کے بعد بڑی تعداد میں بہار اور اتر پردیش سے ہجرت کر کے جانے والے مسلمانوں کو چہل غازی کی درگاہ کے اطراف میں بسایا گیا تھا۔

1960ء کے عرصے میں چہل غازی کے درگاہ سے کچھ فاصلے پر جانب شہر دیناج پور گورنمنٹ ڈگری کالج قائم کیا گیا۔اب یہ کالج بنگلہ دیش کا ایک اہم تعلیمی مرکز تصور کیا جاتا ہے۔

ایک اہم واقعہ 1971ء کا ہے۔قیام بنگلہ دیش کی لڑائی جاری تھی۔اس زمانے میں قوم پرست بنگالیوں کے ذریعہ غیر بنگالیوں (بہاری مسلمانوں) کو ہلاک کیا جا رہا تھا۔جب بہاری مسلمانوں کا ایک گروہ چہل غازی کی درگاہ کے احاطے میں داخل ہوا تو قوم پرست بنگالیوں کے ذریعہ ان پر چاروں طرف سے گولیاں چلائی جا رہی تھیں۔لیکن تمام گولیاں درگاہ کی بیرونی دیوار سے ٹکرا کر واپس ہو جاتی تھیں۔مجھے (راقم الحروف) زندہ بچ جانے والے ایک بزرگ نے بعد میں بتایا کہ تمام بہاری مسلمانوں نے چہل غازی کی درگاہ پر اجتماعی دعائیں کیں۔ان لوگوں کو خواب میں بشارت دی گئی کہ اللہ کا حکم نہیں ہے۔چنانچہ سوائے چند کے تمام بہاری مسلمان شہید کر دیے گئے۔(رہے نام اللہ کا!)

## (5) شیخ تقی الدین سہروردیؒ، مہسو شریف، شمالی دیناج پور (مغربی بنگال)

شیخ تقی الدین سہروردیؒ ساتویں صدی ہجری میں مہسو شریف (شمالی دیناج پور) تشریف لائے اور یہیں سکونت اختیار فرمائی۔آپ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کے خلیفہ شیخ احمد دمشقیؒ کے مرید تھے۔آپ جید عالم تھے۔آپ نے امام غزالی کی مشہور کتاب احیاء العلوم کی شرح ملتقط احیا العلوم تصنیف فرمائی۔

آپ کی وفات کا سال معلوم نہیں۔آپ کا مزار مہسو شریف ضلع شمالی دیناج پور (مغربی بنگال) میں ہے۔یہ مقام شمالی دیناج پور کے ضلعی صدر مقام، اسلام پور سے پانچ کیلومیٹر جنوب مشرق میں واقع ہے۔

آپ کے خاص خلیفہ شیخ سلیمان سہروردیؒ مہسوی تھے۔شیخ سلیمانؒ نے شیخ تقی الدین کے زیر سایہ تربیت پائی اور ان کے روحانی فیض سے مستفیض ہوئے۔حضرت شیخ نے اپنے صاحبزادے کی موجودگی میں آپ کو خرقۂ خلافت عطا کیا۔آپ کی وفات 752ھ میں ہوئی اور پیر مرشد کے مزار کے پہلو میں مدفون ہیں۔(1)؛(6)

## (6) مخدوم شیخ حسین غریب ڈھکر پوش، مہسو شریف، شمالی دیناج پور (مغربی بنگال)

حضرت سید شہاب الدین پیر جگجوتؒ (م 666ھ/ 1256ء کچی درگاہ جھلی، پٹنہ) کی تیسری صاحبزادی حضرت بی بی کمال کاکوی تھیں، جن کا مزار مبارک صوبہ بہار کے موضع کاکو (ضلع جہان آباد) میں مرجع خلائق ہے اور جن کی بزرگی اور فیض سے ایک زمانہ فیضیاب ہورہا ہے۔ آپ کی شادی حضرت مخدوم سلیمان لنگر زمینؒ بن شیخ عبدالعزیز منیریؒ بن حضرت امام محمد تاج فقیہؒ سے ہوئی تھی، جن کے صاحبزادے مخدوم عطاء الحق اور صاحبزادی بی بی کمالؒ (ہم نام والدہ) اور نواسے مخدوم شاہ حسین غریب ڈھکر پوشؒ (م 802ھ) اپنے وقت کے صاحب کشف وکرامت بزرگ شمار کیے جاتے ہیں۔ (1)؛(8)؛(9)

شیخ حسینؒ غریب ڈھکر پوش، حضرت علاء الحق پنڈوی کے عظیم المرتبت خلفا میں سے ہیں۔ اپنی تعلیم اور روحانی تربیت کے بعد شیخ حسینؒ نے پورنیا کو مرکز بنا کر ترویج اسلام کا کام شروع کیا اور یہیں شیخ حسینؒ نے ایک خانقاہ تعمیر کی۔ جس زمانے میں بنگال میں راجا کنیش کے مظالم کی چکی بڑی تیزی سے چل رہی تھی اس ظالم نے آپ کے صاحبزادے مخدوم شاہ حسینؒ کو شہید کردیا تھا۔ حضرت سید اشرف جہانگیرؒ کو جب یہ معلوم ہوا تو انہوں نے آپ کو ایک ہمدردانہ اور تعزیتی خط لکھا، اس خط میں تحریر فرمایا:

> جو لوگ اللہ کے راستے پر چلتے ہیں ان کو بہت سی آفات ارضی وسماوی کو سہنا پڑتا ہے اور مختلف تکالیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ امید ہے کہ انشا اللہ تعالیٰ سہروردیہ اور سابقہ صوفیائے کرام کے روحانی فیض سے بہت جلد یہ اسلامی قلمرو بدبخت کافروں سے آزاد ہو جائے گا۔ شاہی فوج یہاں سے روانہ کی جارہی ہے تاکہ وہ مسلمانوں کی مدد کرسکے اور جلد نتائج ظاہر ہوں۔
>
> میرے مخدوم زادے جو کہ گلستان علائی اور خالدیہ خاندان کے ایک مہکتے ہوئے پھول ہیں میں انہیں اس درویش کی حمایت کا مکمل یقین دلاتا ہوں۔ (5)

سفینۃ ابوالحمد حضرت شاہ یتیم اللہ سفید باز کی رو سے معلوم ہوا ہے کہ آپ کا مزار مہسو شریف (شمال دیناج پور) میں حضرت شیخ تقی الدین مہسویؒ کے مزار کے پائیں میں ہے اور یہ بھی اطلاع ملتی ہے کہ آپ کے والد ماجد حضرت حسام الدین ہانسویؒ ہنساروی کا مزار بھی وہیں ہے۔ (1)

## (7) شیخ (اخی سراج الدین) عثمان آئینہ ہندؒ، سعد اللہ پور (مالدہ) مغربی بنگال

آپ کا نام عثمان تھا، ایودھیا کے رہنے والے تھے، اسی لیے آپ کو اودھی بھی کہا جاتا ہے، سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاؒ آپ کو اخی سراج الدین فرمایا کرتے تھے اور حضرت محبوب الٰہی نے یہ بھی اپنی زبان مبارک سے فرمایا تھا: این آئینہ ہندوستان است۔ (3)

اللہ کے فضل وکرم سے ایسا ہی ہوا۔ یہاں رشد وہدایت کے چراغ سے کوچے کوچے کو روشن فرمایا اور آپ کی ذات سے پورے ہندوستان کو ہدایت ملی۔ اس لیے آپ کو آئینہ ہند کہا جاتا ہے۔ آپ محبوب الٰہی کے دسویں خلیفہ تھے۔ حضرت محبوب الٰہی کے سبھی خلیفہ عالی مرتبہ تھے۔ لیکن حضرت شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی اور حضرت شیخ اخی سراج الدین آئینہ ہند کی بات کچھ اور ہی تھی۔ دونوں اکابر سے کثیر تعداد میں لوگوں نے رشد وہدایت پائی۔ شیخ اخی سراج الدین تمام ظاہری و باطنی کمالات سے مزین تھے۔ عشق ومحبت اور ذوق سماع میں بے نظیر تھے۔ عین جوانی کی حالت میں آپ مرید ہوگئے تھے اور لکھنوتی قدیم (بنگال) سے آکر سلطان المشائخ کے حلقہ بگوش ہوئے۔ آپ محبوب الٰہی کی خانقاہ میں رہنے لگے تھے۔ آپ کے پاس کاغذ اور قلم دوات کے سوا کچھ نہ تھا۔ آپ جماعت خانہ کے ایک کونے میں پڑے رہتے تھے اور حضرت شیخ المشائخ کے علوم ظاہری وباطنی سے مستفیض ہوتے رہتے تھے۔(3)

جب آپ کو بنگال کی خلافت ملی اور آپ نے چاہا کہ اپنے اصل وطن کو جائیں تو حضرت محبوب الٰہی کی خدمت میں حاضر ہوکر فرمایا کہ اس علاقے میں شیخ علاء الحق نام کے بڑے عالم وفاضل اور ذی جاہ بزرگ رہتے ہیں، وہاں کس طرح رہ سکتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: فکر نہ کرو، وہ تمہارا خادم ہو جائے گا۔ یہی ہوا کہ اس علاقے میں سب سے پہلے جو شخص آپ کے مرید ہوئے وہ شیخ علاء الحق تھے۔ وہ صاحب کمال ہوکر خلافت سے مشرف ہوئے اور آپ کے جانشیں وسجادہ ہوئے۔ ان کی بدولت آپ کے سلسلہ کو کافی فروغ ہوا اور شہرت ملی۔ جب آپ کے وصال کا دن قریب آیا تو آپ نے لکھنوتی قدیم (بنگال) کے نواح میں، جو آج کل سعد اللہ پور ہے اور جسے بنگال کے لوگ سُدلا پور کہتے ہیں، جو شہر مالدہ سے گیارہ کیلومیٹر دور ہے، اپنا مدفن پسند فرمایا۔ پہلے آپ نے وہاں سلطان المشائخ کے تبرکات وغیرہ جو ساتھ لائے تھے، دفن کرائے اور وصیت فرمائی کہ مجھے ان تبرکات کے پائیں میں دفن کیا جائے۔ آپ کا وصال 785ھ میں ہوا۔ آپ کا مزار قبلہ حاجات بنا ہوا ہے۔(3)

## (8) حضرت مخدوم شیخ علاء الحقؒ، پنڈوا شریف، مالدہ (مغربی بنگال)

آپ کے والد بزرگوار کا نام عمر ابن اسعد لاہوریؒ تھا، جو بادشاہ بنگال کی تمام سلطنت کے وزیر تھے۔ لطائف شرفی میں لکھا ہے کہ آپ کا سلسلہ نسب حضرت خالد بن ولیدؓ سے ملتا ہے۔ آپ کے القاب علاء الحقؒ گنج نبات (مٹھائی کا خزانہ) اور شیخ علاء الحق تل ہیں۔

شیخ اخی سراج الدین کی تعلیم وتربیت سے آپ بلند مقام پر پہنچ گئے اور جس قدر فیوض وحسنات شیخ اخی سراج الدین نے اپنے پیر محبوب الٰہی سے حاصل کیے تھے، وصال کے وقت سبھی شیخ علاء الحق کے حوالے کر دیے اور انہیں اپنا جانشیں بنایا۔ چنانچہ شیخ اخی سراج الدین کے وصال کے بعد مسند رشد وہدایت پر جلوہ افروز ہوئے اور آپ نے ایک جہاں کو فیض یاب فرمایا۔

آپ کے کمالات کا اندازہ اسی بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ محبوب یزدانی حضرت سلطان اشرف جہانگیر سمنانی جیسے شاہباز اور بلند پرواز بزرگ آپ کے مرید اور خلیفہ ہوئے۔ آپ کی خانقاہ کے اخراجات اتنے زیادہ تھے کہ ایک بڑی حکومت بھی اسے برداشت نہیں کر سکتی تھی مگر آپ کا کشف تھا کہ آپ خود ان اخراجات کو پورا کرتے تھے۔ ہزاروں بندگان خدا، خادم و مسافر آتے اور سب کو کھانا ملتا تھا۔ یہاں تک کہ والی بنگال بھی آپ کی دولت اور مقبولیت سے خائف تھا۔ آپ کے کشف و کرامات بے شمار ہیں۔ ہزاروں بندگان خدا نے آپ کے دست مبارک پر بیعت حاصل کی اور کتنے تصرفات دیکھ کر اللہ کے دین میں داخل ہو گئے۔ (3)

ایک لمبی مدت تک اپنی حیات پاک سے فیوض و حسنات کا سرچشمہ جاری کر کے 800ھ/ 1390ء ماہ رجب میں رحلت گزیں ہوئے ——— شیخ علاء الحق پنڈوی کا مزار مبارک مغربی بنگال کے شہر مالدہ سے سواکیلو میٹر دور مالدہ۔ آسام قومی شاہراہ کے پاس پنڈوہ شریف میں ہے۔ آپ کا عرس پاک 23،24،25 رجب المرجب کو پنڈوہ شریف میں روایتی شان و شوکت اور بڑے روحانی انتظام کے ساتھ منایا جاتا ہے۔ (3)

## (9) حضرت مولانا کرامت علیؒ جونپوری، رنگ پور (شمالی بنگلہ دیش)

مولانا کرامت علی جونپوریؒ کے ہاتھ پر بکثرت آدمیوں نے اسلام قبول کیا یعنی بنگال میں مسلمانوں کی اکثریت میں مولانا کی سعی تبلیغ کا بھی حصہ ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ مشرقی بنگال کو مسلمان اکثریتی صوبہ بنانے میں مولانا کرامت علی کی کوششوں کا بڑا دخل ہے۔ الحاج محمد اجمل خاں ایم اے اپنی کتاب سوانح حیات خواجہ معین الدین چشتیؒ میں لکھتے ہیں:

> زوال سلطنت اسلامیہ کے باوجود بلکہ اس کے بعد کثرت سے مسلمان ہونا شروع ہوئے کہ مشرقی بنگال پورا پورا مسلمان ہو گیا ہے۔ یہ کوشش صرف جون پور کے ایک بزرگ کی تھی جنہوں نے تھوڑے ہی دنوں میں ایک کروڑ سے زیادہ غیر مسلموں کو مسلمان بنا دیا۔ آپ کا نام نامی مولانا کرامت علی جونپوری تھا۔ (ص84)(4)

مولانا کرامت علی کی ولادت 8 محرم الحرام 1215ھ کو شہر جون پور کے محلہ ٹولہ میں ہوئی جہاں اب بھی مولانا کے خاندان کے لوگ موجود ہیں۔

مولانا نے سماعت قرآن پاک کی سند بھی مولانا احمد اللہ اناوی سے لی تھی۔ مشاہیر جونپور، میں شاہ عبدالعزیز اور شاہ اسمٰعیل شہیدؒ سے بھی ان کے علمی استفادے کا ذکر ملتا ہے۔ مولانا عبدالباطن صاحب لکھتے ہیں:

> علم دینیہ مولانا قدرت اللہ ردولوی مرحوم سے علم حدیث، مولانا احمد اللہ اناوی سے علم منقولات، مولانا احمد علی چریا کوٹی سے علم تجوید قرآن، قاری سید ابراہیم مدنی اور قاری سید محمد اسکندر سے علاوہ عملاً حاصل کیا۔ (ص13)

حضرت شاہ عبدالعزیز اور شاہ اسمٰعیل دہلوی کی صحبت علمی نے ان کو اگر علم و فضل سے آراستہ کیا تو سید صاحب

کے فیض باطن سے ان میں زہد وقناعت، ایثار وقربانی اور دعوت دین واحیاے سنت کا وہ پرشور جذبہ پیدا ہوا کہ انہوں نے جونپور کی مسند درس وافتا اور امامت، خطابت اور عزت وجاہت کو خیرآباد کہ کر بنگال کے گاؤں گاؤں کی خاک چھانی اور قال اللہ اور قال الرسول کی صداے پرسوز کو اہل بنگال کے کانوں سے اتار کر ان کے دل کی گہرائیوں تک پہنچادیا اور اسی دیار غیر میں یہ مبارک کام کرتے ہوئے جان جان آفریں کے سپرد کی یعنی 3 ربیع الاول 1290ھ بروز جمعہ مشرقی بنگال (بنگلہ دیش) کے شہر رنگ پور میں مولانا کی وفات ہوئی۔

مشاہیر جون پور کے مصنف سید نورالدین نے ان کی تاریخ وفات برو رحمت ساطع النور باد! (1290ھ) لکھی ہے۔ دوسری تاریخ وفات جناب کرامت علی جنتی (1290ھ) ہے۔

مولانا کرامت علی کا مزار شمالی بنگلہ کے شہر رنگ پور کے محلہ منشی پاڑہ میں واقع ہے۔ جنرل ارشاد نے آپ کے مزار پر خوبصورت گنبد اور اس سے ملحق مسجد تعمیر کرادی ہے۔

مولانا کرامت علی کی تبلیغی سرگرمیاں دو حصوں میں منقسم ہیں۔ ایک کا تعلق جونپور اور اس کے گردنواح سے ہے اور دوسرے کا تعلق آسام اور بنگال کے بعض علاقوں سے ہے۔ جونپور اور اس کے گردونواح میں آپ کی اصلاح اور تبلیغ کا دائرہ زیادہ تر مسلمانوں تک محدود رہا مگر بنگال میں مسلمانوں کی اصلاح کے ساتھ آپ نے غیر مسلموں میں بھی دعوت وتبلیغ کا جو وسیع کام کیا وہ کام کوئی حکومت یا ایک پوری جماعت بھی نہ کرسکی۔ افسوس کہ ان کے کارناموں کو ہندوستانی مسلمانوں کی ثقافتی تاریخ میں وہ مقام نہ مل سکا جو انہیں ملنا چاہیے تھا۔

مولانا کرامت علی نے 75 سال کی عمر پائی جس میں تقریباً 51 سال بنگال وآسام اور ان کے قرب وجوار میں دعوت وتبلیغ کا کام کرتے رہے۔ مولانا نے دو درجن سے زیادہ تصانیف چھوڑی ہیں، مگر ان کی للہیت وکسر نفسی تھی کہ اپنی مساعی جمیلہ کا کسی کتاب میں مفصل ذکر نہیں کیا ہے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں:

> فقیر کا حال تو یہ کہ ہندوستان میں کلکتہ اور چاٹگام سے سندیپ تک اور ڈھاکا سے سلہٹ تک سارے شہر اور گاؤں میں جو دیار مشرق میں ہیں ہمیشہ سیر کرتا رہا اور محافظت دین کرتا پھرتا ہے۔ اس کام میں پچاس برس سے زیادہ مدت گذر گئی ——— (مرادالمریدین)۔(4)

❀❀❀

حواشی

(1) آثار کاکو از حمد کاکوی مرتبہ عطا کاکوی، مطبع دی آرٹ پریس، سلطان گنج، پٹنہ: ص92۔

(2) اسلام اور غیر مسلم از محمد حفیظ اللہ ناشر مسلم اکاڈمی، پھلواری شریف، پٹنہ، 1955ء: ص56-155۔

(3) انوار درویش مرتبہ منیر قمر بیتھوی، ناشر ادارہ فیضان درویش، بیتھو شریف، گیا 2000: ص100-98-96۔

(4) انوار محمدی از مولانا کرامت علی جونپوری ناشر صوفی ظفر احمد صدیقی، مطبع نشاط آفسٹ پریس ٹانڈہ، اگست 1996ء: ص46-30۔

(5) تذکرۂ صوفیاے بنگال مرتبہ اعجاز الحق قدسی، مرکزی اردو بورڈ لاہور 1965ء، ص150، 151، 141، 91۔
(6) تذکرۂ علماے بہار (جلد اول) مرتبہ مولانا ابوالکلام قاسمی 1995ء مطبوعہ انیس آفسیٹ پریس، دریا گنج، دہلی-6، ص69۔
(7) تذکرہ شاہ جلال مجرد کیانی از مولانا عبدالجلیل بسمل، 1966ء، مطبع ستارہ پاکستان پریس، ڈھاکا۔
(8) شرفا کی نگری (جلد اول) مولفہ سید قیام الدین، 1995ء، مطبع اسکائی لائن پرنٹنگ پریس، کراچی (پاکستان)، ص49۔
(9) فلاح دین و دنیا مولفہ مولانا محمد علی خاں رامپوری بار دوم، 1971ء، خواجہ پریس، دہلی-6، ص374۔
(10) مناقب الاصفیا، تالیف مخدوم شاہ شعیب فردوسی، مترجم ڈاکٹر محمد علی ارشد، ناشر مکتبۂ شرف، بہار شریف (نالندہ)، 2001ء، ص137-138۔

رسائل

(11) الرحیم حیدرآباد، جولائی - اگست 1968ء، مدیر غلام مصطفےٰ قاسمی، مارچ 1968ء، ص126۔
(بحوالہ مشرقی پاکستان کے صوفیاے کرام (عہد اول کے بزرگان دین) ڈاکٹر وفا راشدی)، ص754-756۔
(12) زبان و ادب (سہ ماہی، پٹنہ) اپریل - جون 1984ء (بحوالہ سلہٹ کے اردو ادیب از سید یوسف حسین)، ص28-29۔

ڈاکٹر زین رامش

شعبۂ اردو، ونوبا بھاوے یونیورسٹی، ہزاری باغ

# نعت پاک

نظام قرآن کہہ رہا ہے وہاں محمدؐ جہاں خدا ہے
دل و نظر کی یہی ضیا ہے وہاں محمدؐ جہاں خدا ہے

یہی عبادت کی ابتدا ہے جہاں خدا ہے وہاں محمدؐ
اور عاشقی کی بھی انتہا ہے وہاں محمدؐ جہاں خدا ہے

صدائے کُن تو صدائے رب تھی متاعِ کُن ہیں رسولِ اکرمؐ
رموزِ رحمت کی کیا ادا ہے وہاں محمدؐ جہاں خدا ہے

ہے میرِ مجلس خدائے تعالیٰ تو شمعِ محفل رسولِ اقدسؐ
یہی تو معراجِ مصطفےٰ ہے وہاں محمدؐ جہاں خدا ہے

زمینِ ملکِ عرب اقدس پہ تیرے ہے میری جاں نچھاور
کہ تو تو اظہار برملا ہے وہاں محمدؐ جہاں خدا ہے

ڈاکٹر محمد احسان اللہ
سابق صدر شعبۂ اردو، اورینٹل کالج، پٹنہ سیٹی

# اسلام پور کی تاریخی حیثیت

یہ ذی شرف مقام جسے اسلام پور کہا جاتا ہے، ضلع نالندہ (ریاست بہار) کا ایک مشہور قصبہ ہے۔ ریاست بہار کے چند اہم مقامات سے تقریباً یکساں فاصلے پر ہونے کے سبب اسے زبردست اہمیت حاصل ہے۔ مشہور تاریخی مقام راجگیر یہاں سے 24 میل کے فاصلے پر جنوب مشرق کی سمت میں واقع ہے۔ بہار شریف شمال مشرق کی سمت میں 25 میل کے فاصلے پر۔ شہر گیا شمال مغرب کی طرف 29 میل کی دوری پر اور شہر پٹنہ جنوب مغرب کی سمت میں 35 میل کے مسافت پر آباد ہے۔ ریاست بہار کے ان تجارتی تاریخی نیز تعلیمی اہمیت کے حامل مقامات کو باہم دیگر ملانے والی مختصر ترین (Shortest) پختہ سڑکیں اسلام پور ہی سے گذرتی ہیں۔

قصبہ اسلام پور تاریخی اعتبار سے ایک قدیم قصبہ ہے۔ اس کی قدامت کو موضوع بنا کر اگر جستجو کی جائے تو کئی نادر اور چونکا دینے والے انکشافات کی توقع ہے۔ اسلام پور سے گیا جانے والی سڑک کے کنارے تقریباً ایک کیلو میٹر کے فاصلے پر ایک بودھ مندر کی شکستہ عمارت ہے، جس کا تذکرہ پٹنہ گزیٹیر میں بھی ہے۔ اسی سڑک کے کنارے اس مندر سے تقریباً دو کیلو میٹر آگے موضع سنڈہ کے قریب ایک باغ کے وسط میں قدیم طرز کا سنگی کنواں اور ایک سنگی لاٹ جسے 1960ء میں محکمہ آثار قدیمہ نے وہاں سے کمہرار (پٹنہ) کے ذخیرہ نوادرات کو منتقل کر دیا، اپنی قدامت کا آپ ثبوت ہیں۔ بودھ مندر کی عمارت اور سنگی لاٹ سے (جو اشوک کی دوسری لاٹوں سے مشابہ ہے اور اس پر پالی زبان میں گوتم بدھ کی تعلیمات کندہ معلوم ہوتی ہیں) اس بات کی واضح نشاندہی ہوتی ہے کہ یہ قصبہ ماضی میں کم از کم اشوک کے عہد میں ضرور موجود تھا۔ خواہ اس کا نام اس وقت کچھ اور رہا ہو۔ نیز یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام پور اور گیا کو ملانے والی سڑک اشوک کے زمانے ہی سے چلی آرہی ہے بلکہ بہت ممکن ہے کہ اسی کی بنوائی ہوئی ہو۔

اس کے علاوہ اسلام پور کے جوار میں چند ایسے مقامات جن کی تاریخی حیثیت مسلم ہے اس کی گذشتہ اہمیت پر

روشنی ڈالتے ہیں۔ کشمیر کا آخری خود مختار بادشاہ یوسف چک زئی جب مغلوں سے شکست کھا کر گرفتار ہوا تو اس کو اسلام پور ہی کے جوار میں نظر بند کیا گیا تھا۔ اسی مناسبت سے اس مقام کو کشمیری چک کہتے ہیں۔ بادشاہ یوسف چک زئی یہیں پیوند خاک ہوا۔ چنانچہ شیخ عبداللہ مرحوم سابق وزیر اعلیٰ جموں و کشمیر اسی گذشتہ مناسبت کی بنیاد پر اپنے دورۂ بہار کے دوران بادشاہ مذکور کی قبر پر فاتحہ خوانی کی غرض سے کشمیری چک تشریف لائے تھے۔ ان کی آمد کے باعث وہ سڑک، جو کشمیری چک کو اکبر سرائے سے ملاتی ہے، شیخ عبداللہ روڈ کے نام سے یاد کی جاتی ہے۔ کشمیری چک اسلام پور کے تقریباً دو میل کے فاصلے پر آباد ہے۔ اس کا پرانا نام بھوک ہے۔ یہاں بعض نشانات اور سکّے ایسے دستیاب ہوئے ہیں جن سے پتا چلتا ہے کہ یہاں بھی گڑھوال راجاؤں کے زیر اثر ایک قلعہ تھا۔ راجا مان سنگھ نے عہد اکبری میں جب اپنی فوج تیار کرنے کی مہم شروع کی تو اس نے اپنی سرگرمیوں کے لیے مانپور سے اسلام پور تک کے علاقہ کو بھی منتخب کیا۔ چنانچہ مانپور تو اسی کے نام سے مشہور ہے اور وہاں محلہ جوڑا مسجد کے پاس پھلکو ندی کے کنارے ایک مٹی کا تودہ ہنوز موجود ہے جسے راجا مان سنگھ کا نام قلعہ بتایا جاتا ہے۔ ہو سکتا ہے اس علاقے سے مان سنگھ کے فوجی تعلقات ہی کے سبب یوسف چک زئی کو کشمیری چک میں نظر بند کیا گیا ہو۔

مزید برآں یہ بھی کہ روایت ہے کہ چودھری ظہور الحق، رئیس اسلام پور کا مسکن، جس میں ان کے ورثا قیام پذیر ہیں اور جو گڑھ کے نام سے مشہور ہے، کسی گڑھوال راجا کا قلعہ تھا۔ چودھری صاحب مذکور کے بزرگوں نے مغلیہ فرماں روا فرخ سیر کے زمانے میں گڑھوال راجا کے ورثا سے خرید کر اپنے تصرف میں کر لیا تھا۔ لیکن اس بات کی کوئی شہادت نہیں ملی کہ چودھری ظہور الحق صاحب کے بزرگوں نے جن لوگوں سے یہ گڑھ خریدا واقعی وہ گڑھوال راجا کے اہل خاندان تھے۔ راقم السطور نے دوران جستجو یہ محسوس کیا ہے کہ یہ خرید و فروخت مسلسل ہوتی رہی ہے، جس کے نتیجے میں اس گڑھ کا پہلا ابتدائی مالک چھپ کر رہ گیا ہے۔ لیکن اتنی بات بہرحال درست معلوم ہوتی ہے کہ یہ گڑھ کسی زمانے میں قلعہ رہا ہوگا اور اس اعتبار سے اس کا پہلا مالک بھی کوئی نہ کوئی راجا ہی ہوگا۔ کیوں کہ جب کبھی مکانات کی نیو کھودی جاتی ہے تو پرانے قلعہ کی دیواریں نمودار ہو جاتی ہیں۔ پھر گڑھ کا لفظ جسے لوگ نسلاً بعد نسل سنتے چلے آئے ہیں اس کی نشاندہی بہرصورت گڑھ کے طور پر ہی کرتا ہے۔

مذکورہ بالا حقائق نیز اسلام پور کے محل وقوع کے پیش نظر یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ یہ قصبہ عہد قدیم ہی سے اہمیت کا حامل رہا ہے۔ جیسا کہ معلوم ہے اشوک کے زمانے میں مگدھ کی راجدھانی پاٹلی پترا (پٹنہ) تھی اور اشوک کے بعد جب برہمن واد کا احیا ہوا اور بودھ مت کو زوال نصیب ہوا تو اس علاقہ کی سیاسی قوت راجگیر (یا راج گرہ یعنی راج گھر) میں سمٹ آئی۔ دونوں صورتوں میں یعنی راجدھانی خواہ پاٹلی پترا میں ہو یا راجگیر میں علاقے پر سیاسی تفوق اور انتظامی کنٹرول رکھنے کے لیے کسی مرکزی جگہ کی ضرورت تھی۔ مزید برآں اشوک کے زمانے میں گیا، راجگیر اور نالندہ کی مذہبی

اور تعلیمی حیثیت مسلم تھی ۔ لہٰذا انہیں باہم دیگر ملائے رکھنے کے لیے بھی کسی ایسی گذرگاہ کی ضرورت تھی جسے مرکزیت حاصل ہو۔ چنانچہ قصبہ اسلام پور کا محل وقوع زبان حال سے پکار کر یہ کہ رہا ہے کہ وہ درمیانی ناکہ (Cross-road) مرکزی جگہ سوائے اس کے اور کوئی نہیں ہوسکتی ۔ مذکورہ بودھ مندر اور سنگی لاٹ کے علاوہ برہمن وادودور کی چند مورتیاں جو اطراف میں پائی جاتی ہیں اس خیال پر مہر تصدیق ثبت کرتی ہیں۔

روایات کے تجزیہ سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ ماضی میں مسلمانوں نے بھی اس قصبے کی اس اہمیت کو محسوس کرلیا تھا کہ اس پر جو بھی قابض رہے گا اسے تمام علاقے پر سیاسی بالادستی حاصل رہے گی ۔ حضرت برہان الدین شہیدؒ کا مزار جو ٹھیک گڑھ کے سامنے ہے کئی باتوں کی نشاندہی کرتا ہے ۔ اس سلسلے میں جو روایات سینہ بہ سینہ چلی آرہی ہیں ان کے مطابق حضرت برہان الدین شہیدؒ فاتح نے اسلام پور میں یہاں کے راجا سے جنگ کی اور قصبہ فتح ہوگیا ، لیکن وہ خود شہید ہوگئے ۔ اب یہ سوال اٹھتا ہے کہ یہ جنگ کب ہوئی ؟ اور حضرت برہان الدین شہیدؒ اس طرف کیسے متوجہ ہوئے ۔ اور یہ کہ وہ کون تھے؟ ان تمام سوالات کے جواب پردۂ خفا میں ہیں ۔ سفینہ یا سینہ کہیں بھی کوئی ایسی روایت نہیں ملتی جو ان باتوں پر کچھ بھی روشنی ڈال سکے ۔ راقم السطور نے اس علاقے میں گھوم گھوم کر ایک ایک چیز کا بغور مطالعہ کیا ہے اور اس سلسلے میں مختلف حضرات سے گفتگو کی ہے ۔ جو کچھ نتیجہ برآمد ہوسکا درج ذیل ہے۔

خانقاہ اسلام پور میں محفوظ حضرت شاہ عبدالقادرؒ کے ترتیب دیئے ہوئے نسب نامے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دیوان شاہ حبیب اللہ قادریؒ اسلام پوری کی ایک صاحبزادی کی شادی عبداللطیف بلخی بن مظفر بلخی بن حسن بلخی بن احمد بلخی بن درویش بلخی سے ہوئی تھی ۔ اس کو سامنے رکھ کر دیوان شاہ حبیب اللہ قادریؒ کا زمانہ آسانی سے متعین کیا جاسکتا ہے ۔ اس کے لیے حضرت مخدومؒ شاہ دولت منیریؒ کی بلخیوں سے وابستگی پر غور کرنا پڑے گا جو اس طرح ہے ۔ حضرت شاہ دولت منیریؒ بن بی بی نعمت بنت رکن الدین بلخی بن درویش بلخی ۔ ان وابستگیوں کو ذیل کے نقشہ میں واضح کیا جارہا ہے۔

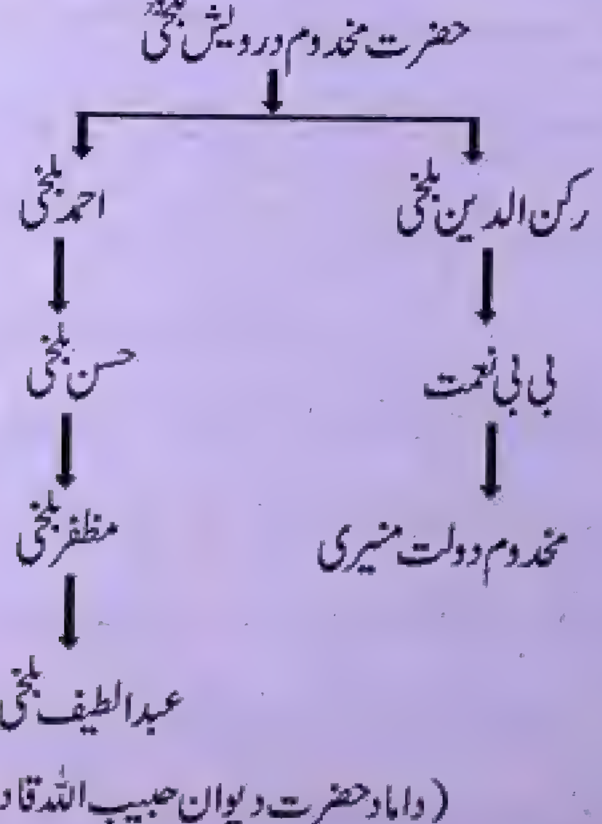

(داماد حضرت دیوان حبیب اللہ قادری اسلام پوریؒ)

اس نقشے سے یہ بات بین طور پر معلوم ہوتی ہے کہ حضرت مخدوم شاہ دولت منیریؒ دسویں صدی ہجری کے بزرگ ہیں اور حضرت دیوان حبیب اللہ قادریؒ کے ہم عصر ہیں۔ لہٰذا یہ بھی دسویں صدی ہجری کے بزرگ ہوئے۔ دوسری بات جو قابل غور ہے وہ یہ کہ حضرت دیوان شاہ حبیب اللہ قادریؒ کی پیدائش اسلام پور میں ہوئی۔ (جس جگہ ان کی پیدائش ہوئی تھی وہ حجرہ ہنوز موجود ہے) ان کے والدین اسی قصبہ میں اقامت گزیں تھے۔ اس طرح اسلام پور میں مسلمانوں کی موجودگی تاریخی طور پر دسویں صدی ہجری میں ثابت ہے اور قیاس یہ ہے کہ اس سے پہلے ہی یہاں مسلمان پہنچ چکے تھے بلکہ سکونت پذیر ہو چکے تھے کیوں کہ حضرت دیوان شاہ حبیب اللہ قادریؒ دسویں صدی ہجری کے بزرگ ہیں اور ان کے بزرگ یہاں پہلے ہی سے آباد تھے۔

یہ قیاس نسب نامہ مرتبہ شاہ عبدالقادرؒ میں مذکور ایک اور خاندان پر غور کرنے سے حقیقت بن جاتا ہے۔ یہ خاندان حضرت مخدوم شاہ ابوسعیدؒ کا ہے۔ آپ کی خانقاہ اور آپ کے خاندان کا مقبرہ گڑھ سے جنوب مشرق کی سمت میں راجگیر جانے والی سڑک کے کنارے واقع تھا۔ قبرستان تو آج بھی موجود ہے۔ حضرت مخدوم ابوسعیدؒ کی اولاد میں ایک بزرگ حضرت یار محمد کو شہنشاہ اورنگ زیب کی طرف سے امامت اور قضا کا محکمہ سپرد تھا۔ اسی خاندان سے متعلق خانقاہ اسلام پور میں ایک محضر نامہ بھی ہے۔ اس محضر نامے کے مطابق 1105 فصلی میں عجب سنگھ پرگنہ راج گیر نے مشائخ کرام کے مکانات کو منہدم کرا دیا اور ہدایت اللہ اور نور محمد کی خانقاہ اور مزارات پر ہل چلوا دیا۔ اس محضر نامے پر شاہ عبدالحکیم، رحمت اللہ بلخی، کمال الدین بلخی، غلام مبارک بلخی وغیرہ کے دستخط ہیں۔ اس پر خادم شرع عزیز اللہ کی 1134ھ کی مہر ہے۔ نسب نامہ مذکور کے مطابق شاہ ہدایت اللہ حضرت یار محمد کے صاحبزادے ہیں اور نور محمد حضرت مخدوم شاہ ابوسعید کے۔ اس تاریخی شہادت کے مطابق حضرت نور محمد بن حضرت مخدوم ابوسعیدؒ کی خانقاہ اسلام پور میں تھی۔ خانقاہ داری کا سلسلہ شاہ ہدایت اللہ کے بعد تک جاری رہا۔ شاہ ہدایت اللہ کے والد حضرت یار محمدؒ اورنگ زیب کے زمانے کے یعنی گیارہویں صدی ہجری کے بزرگ ہیں اور یار محمد اور نور محمد کے درمیان کئی کڑیاں ہیں جن کے پیش نظر حضرت مخدوم شاہ ابوسعیدؒ کا زمانہ نویں صدی ہجری متعین ہو جاتا ہے۔ اس حقیقت کے پیش نظر یہ بات طے ہو جاتی ہے کہ حضرت دیوان شاہ حبیب اللہ قادریؒ کا خاندان بھی دسویں صدی ہجری کے قبل ہی اسلام پور میں وارد ہو چکا تھا۔

اس گفتگو سے یہ بات کھل کر سامنے آ گئی کہ اسلام پور میں مسلمانوں کی موجودگی تاریخی طور پر کم از کم نویں صدی ہجری سے ثابت ہے۔ اب یہ سوال اٹھتا ہے کہ بغیر سیاسی بالادستی حاصل کیے ہوئے مسلمانوں نے یہاں کس طرح بود و باش اختیار کی ہوگی۔ لازماً اس سے پہلے ہی یہ علاقہ فتح ہو چکا ہوگا اور مسلمانوں کے زیر انتظام آ چکا ہوگا۔ اس تسلط کا زمانہ نیز اس کی نوعیت کیا ہو سکتی ہے اس پر ذیل کے سطور میں روشنی ڈالی گئی ہے۔

یہ تاریخی حقیقت ہے کہ بختیار خلجی نے 589ھ مطابق 1193ء میں منیر کو مرکز بنا کر بہار پر کامیاب تاخت کی

تھی۔ اس زمانے میں بہار میں طوائف الملوکی پھیلی ہوئی تھی۔ جگہ جگہ چھوٹے چھوٹے راجا راج کر رہے تھے۔ ان کی حیثیت گویا کہ خود مختار زمینداروں جیسی تھی۔ ہر راجا کے پاس ایک گڑھی ہوا کرتی تھی جس کو مرکز بنا کر وہ اپنے علاقہ پر راج کرتا تھا۔ اسی مناسبت سے ان راجاؤں کو گڑھوال راجا کہا جاتا ہے۔ بختیار خلجی کے لشکر کے سامنے یہ چھوٹے چھوٹے راجا ٹک نہ سکے اور تمام بہار مسلمانوں کے زیر تسلط آ گیا۔

اس تاریخی حقیقت اور گذشتہ گفتگو کو سامنے رکھنے کے بعد قیاساً یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ قصبہ اسلام پور کی وہ اہمیت جو اسے اپنے محل وقوع کی بنا پر حاصل ہے، لشکر اسلام کے سالار کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں رہی ہوگی اور کوئی نہ کوئی دستہ اس علاقہ کی طرف بھی روانہ کیا گیا ہوگا۔ اس قیاس کو سامنے رکھ کر جب حضرت برہان الدین شہیدؒ سے متعلق روایت پر غور کیا جاتا ہے تو بات اس طرح بنتی ہے کہ حضرت برہان الدین شہیدؒ بختیار خلجی کے لشکر سے متعلق تھے اور ان کی سرکردگی میں اسلامی لشکر کا ایک دستہ اس قصبہ پر حملہ آور ہوا۔ یہ قصبہ کسی گڑھوال راجا کا صدر مقام تھا۔ گڑھی کے دروازے پر فیصلہ کن جنگ ہوئی جس کے نتیجے میں مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی، لیکن حضرت برہان الدینؒ خود شہید ہو گئے۔ انہیں گڑھی کے سامنے ہی مدفون کر دیا گیا جہاں آج بھی ان کا مزار موجود ہے۔ اگر اس نتیجے کو تسلیم نہیں کیا جائے تو سوال اٹھتا ہے کہ تاریخ کا یہ دعویٰ کہ بختیار خلجی نے تمام بہار پر اپنا تسلط جما لیا، کس طرح صحیح ہو سکتا ہے۔ اگر تاریخ کا یہ دعویٰ صحیح ہے تو مذکورہ بالا صورت بھی صحیح ہے۔

یہ بحث اس نتیجہ پر پہنچاتی ہے کہ قصبہ اسلام پور بختیار خلجی کے زمانے میں یعنی چھٹی صدی ہجری میں فتح ہوا اور اسی کے ساتھ مسلمانوں کی آمد بھی یہاں لازماً شروع ہو گئی ہوگی۔ قیاس تو یہ کہتا ہے کہ حضرت برہان الدین شہیدؒ کے ساتھیوں میں سے بھی کچھ لوگوں نے اس علاقے پر تسلط قائم رکھنے کے لیے ڈیرے ڈال دیے ہوں گے۔ یہی ڈیرے بعد میں مستقل سکونت کی شکل اختیار کر گئے ہوں گے۔ نیز اس فتح کے بعد ہی اس قصبہ کا نام اسلام پور رکھا گیا ہوگا۔

اس سلسلے کی ایک اور اہم بات جو راقم السطور نے نوٹ کی ہے وہ یہ ہے کہ جس علاقے میں گڑھ ہے نیز جہاں حضرت برہان الدین شہیدؒ کا مزار ہے، اسے بوڑھا نگر کہا جاتا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ یہ دراصل برہان نگر ہے اور کثرت استعمال سے بوڑھا نگر ہو گیا ہے۔ لیکن راقم السطور کی رائے میں یہ روایت دو وجوہ کی بنا پر محل نظر ہے۔ پہلی وجہ سے لفظ نگر جو سنسکرت کا لفظ ہے عام طور پر یہ مسلمانوں نے آبادیوں کے جو نام رکھے ہیں ان میں نگر شامل نہیں ہے سوائے مظفر نگر کے اور یہ بھی کوئی بہت قدیمی شہر نہیں ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ نام یعنی برھان نگر محض ایک محلہ کا نام ہے جب کہ حضرت برہان الدین شہیدؒ نے محلہ نہیں پورا قصبہ فتح کیا تھا۔ لہٰذا پورے قصبہ ہی کا نام برہان نگر رکھنا چاہیے تھا۔ اگر یہ کہا جائے کہ اس محلہ میں ان کا مزار ہے تو پھر یہ سوال اٹھتا ہے کہ اس کے لیے برہان الدین کے ساتھ نگر جوڑنا کچھ عجیب سا معلوم ہوتا ہے۔ برہان پور، برہان گنج وغیرہ ہونا چاہیے تھا۔ ایک محلے کے لیے نگر کا لفظ بہر حال کچھ لگتی ہوئی بات نہیں

معلوم ہوتی۔ پھر یہ کہ وہ حضرات جو اسے برہان نگر بتاتے ہیں، خود بھی عام طور سے بوڑھا نگر ہی کہتے ہیں۔ گویا اصل روایت بوڑھا نگر ہی کی ہے۔ درمیان میں کسی نے وجہ تسمیہ معلوم کرنے کی فکر میں اسے حضرت برہان الدین شہیدؒ سے جوڑ دیا ہے۔ لہٰذا یہ کہنا کہ بوڑھا نگر دراصل برہان نگر ہے درست نہیں معلوم ہوتا۔

بوڑھا نگر اور اس کے اطراف میں گھومنے کے بعد راقم السطور اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ اسلام پور کی پرانی آبادی گنگا سے قریب ہو کر پورب اور دکھن کی طرف راجگیر جانے والی سڑک کے ارد گرد پھیلی ہوئی تھی۔ خانقاہ سے آگے اتر کی آبادی نئی ہے اور مسلمانوں کی آمد کے بعد کی ہے۔ اس خیال کو وہ روایت مزید تقویت پہنچاتی ہے، جس کے مطابق حضرت شاہ سید محمد دولہ محمدی کی خانقاہ راجگیر جانے والی سڑک کے کنارے گڑھ سے دکھن کی طرف واقع تھی جسے جب شہر نے سمیٹ دیا۔ گویا اصل شہر بوڑھا نگر تھا جسے حضرت برہان الدین شہیدؒ نے فتح کیا تھا اور جہاں آپ کا مزار ہے بوڑھا نگر ہے۔ وہ بعد میں مختصر ہو کر گڑھ سے محلہ رہ گیا۔ اور پورے قصبہ کا نام اسلام پور رکھ دیا گیا۔ ممکن ہے اس قصبہ کا قدیمی نام بوڑھا نگر ہی رہا ہو کیونکہ لفظ بوڑھا اس کی قدامت سے گہری مناسبت رکھتا ہے۔ اگر اس بات کو تسلیم کر لیا جائے تو اس قصبہ کا وجود قبل از تاریخ کے عہد ہی سے معلوم ہوتا ہے۔ پھر یہ کہ بوڑھا نگر بڑا نگر کی خرابی بھی ہو سکتی ہے کیونکہ اس قصبے کے نشانات جس دور قدیم سے مل رہے ہیں اس میں آبادیاں چھوٹے چھوٹے دیہاتوں پر مشتمل ہوا کرتی تھیں۔ چنانچہ علاقے کی بڑی آبادی بڑا نگر ہی کہی جا سکتی ہے اور کسی بڑے نگر ہی کو علاقے کے راجا کا صدر مقام ہونے کا فخر حاصل ہو سکتا تھا اور یہ بات معلوم ہے کہ یہ نگر اس علاقہ کے راجا کا صدر مقام تھا۔ اس قصبہ کا قدیمی نام بوڑھا نگر یا بڑا نگر ہی معلوم ہوتا ہے جسے مسلمانوں نے فتح کیا۔

اسلام پور کی مرکزی حیثیت نیز اہمیت کے پیش نظر جس پر مفصل روشنی ڈالی جا سکتی ہے، صوفیائے کرام کی نظریں بھی اس خطے پر پڑیں۔ چنانچہ وقتاً فوقتاً مختلف خانوادے مختلف ظاہری اسباب کی بنا پر اس قصبہ میں وارد ہوئے اور رشد و ہدایت کا فریضہ انجام دیا۔ چنانچہ حضرت مخدوم ابو سعید نویں صدی ہجری میں یہاں اقامت گزیں تھے اور ان کی اولاد حضرت شاہ ہدایت اللہ تک (1134ھ) باضابطہ مقیم رہی اور ان کی خانقاہ کا فیضان جاری رہا۔ دسویں صدی ہجری میں حضرت دیوان حبیب اللہ شاہ قادری اسلام پور میں سلسلۂ قادریہ کے مشہور بزرگ گذرے۔ آپ کا تذکرہ گذشتہ سطور میں بھی آ چکا ہے۔ آپ حضرت مخدوم شمس الدین خضر بدایونی مرید و خلیفہ حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری کی اولاد میں سے تھے اور اسی اعتبار سے آپ کا آبائی سلسلہ فردوسیہ تھا لیکن آپ خود سلسلۂ قادریہ میں مرید ہوئے اور آپ سے یہی نسبت جاری ہوئی۔ اسی طرح حضرت علاء الدین ہمدانی نبیرہ امیر کبیر سید علی ہمدانی مبلغ کشمیر کی اولاد میں ایک بزرگ حضرت سید رفیع الدین ہمدانی ازدواجی سلسلے کی بنا پر اس قصبے میں آئے اور سکونت پذیر ہو گئے۔ آپ کی شادی حضرت دیوان شاہ حبیب اللہ قادری کی صاحبزادی سے ہوئی تھی۔ علاوہ ازیں حضرات بلخیہ بھی یہاں تشریف لائے۔ ان

کی آمد کا پس منظر یہ ہے کہ حضرت عبداللطیف بلخیؒ بن مظفر بلخی کی شادی حضرت دیوان شاہ حبیب اللہ قادریؒ کی دوسری صاحبزادی سے ہوئی تھی۔ اسی بنا پر حضرت عبداللطیف بلخی کے پوتا حضرت کمال الدین بلخی یہاں تشریف لائے اور سکونت اختیار کی۔ اس ازدواجی تعلق کا پس منظر یہ ہے کہ حضرت عبداللطیف بلخیؒ کے والد حضرت مظفر بلخیؒ، حضرت دیوان حبیب اللہ قادری کے مسترشد تھے۔ اس طرح بلخی ہمدانی قادری اور فردوسی حضرات کے باہمی ازدواجی ارتباط سے یہ قصبہ ایک اہم روحانی مرکز بن گیا۔

علاوہ ازیں دوسرے سلاسل کے بزرگ بھی اس خطے میں عہد قدیم ہی سے وارد ہوتے رہے۔ روایت انوار ولایت مرتبہ شاہ عبالقادرؒ، حضرت شاہ سوندھےؒ سلسلۂ زاہدیہ کے قدیم بزرگ تھے۔ آپ کا مزار اسلام پور سے گیا جانے والی سڑک کے کنارے آبادی سے قدرے ہٹ کر واقع ہے۔ حضرت شاہ کمال الدین بلخی اور حضرت ہدایت بلخی اس مزار پر چلہ کشی کیا کرتے تھے۔ راقم السطور کو یہ بھی معلوم ہوا کہ چلہ کشی کا سلسلہ حضرت شاہ ایوب ابدالی تک جاری رہا۔ حضرت شاہ سوندھے کی آمد کب ہوئی معلوم نہ ہوسکا۔ حضرت عثمان غازیؒ ایک مجذوب گذرے ہیں۔ آپ کا مزار اسپتال کے پاس ہے۔ انوار ولایت کے مطابق حضرت شاہ عامل بلخیؒ اپنے پوتے حضرت شاہ ہدایت بلخی کو آپ کی خدمت میں بھیجا کرتے تھے۔

حضر بدیع الدین مدارؒ کے خلیفہ جمال الدین جان من جنتی (بلسہ) نویں صدی ہجری کے مشہور بزرگ ہیں۔ آپ کے خلیفہ حضرت لودی شاہ دیوان اور جمال شاہ دریائی بھی اسلام پور تھانہ میں آسودہ ہیں۔ اس طرح سلسلہ مداریہ کا فیضان بھی اسلام پور میں عہد قدیم ہی سے جاری وساری ہے۔

اسلام پور سے متصل دھمولی نام کا ایک گاؤں ہے۔ یہاں حضرت سید حسن رضا بخاریؒ کا مزار ہے۔ جناب زکی احمد ایوبی فردوسی (مرید حضرت شاہ ایوب ابدالی ثمر، اسلام پوری) جن کا نانیہالی تعلق دھمولی سے ہے، اپنے بزرگوں کی روایت کے مطابق بیان کرتے ہیں کہ حضرت مخدوم سید حسن رضا بخاریؒ بخارا کے رہنے والے تھے۔ بسلسلۂ اشاعت اسلام اس علاقہ میں وارد ہوئے۔ آپؒ اور حضرت شاہ سوندھےؒ کی تشریف آوری ساتھ ہی ہوئی تھی بلکہ آپ دونوں کے ساتھ دو حضرات اور بھی تھے۔ ایک کا مزار منی جنک (متصل دھمولی) اور دوسرے کا مدا تکیہ (متصل دھمولی) میں ہے۔ حضرت مخدوم سید حسن رضا بخاریؒ کی اولاد ایک زمانے تک دھمولی میں قیام پذیر رہی اور 1946ء کے فساد کے بعد منتشر ہو گئی۔

اسلام پور کے قریب ہی ایک اور گاؤں سنڈہ ہے جس کا ذکر گذشتہ سطور میں بھی آچکا ہے۔ پرانے وثیقوں میں جیسا کہ تحریر ہے، اس گاؤں کا نام افضل پور سرنڈہ تھا۔ کثرت استعمال سے سنڈہ رہ گیا۔ جناب ذکی احمد ایوبی فردوسی مذکور کی روایت کے مطابق گیارہویں صدی ہجری میں ایک بزرگ حضرت سید راجےؒ بن میر سید منجنؒ میاں بیگہ سے تشریف لاکر

یہاں سکونت پذیر ہو گئے اور فریضۂ رشد و ہدایت انجام دیا۔ آپ کی اولاد اس گاؤں میں 1946ء تک اقامت گزیں رہی اور فسادات کے بعد منتشر ہوگئی۔

الغرض اسلام پور اور اس کے قرب و جوار کا علاقہ شروع ہی سے صوفیائے کرام کی توجہ کا مرکز رہا اور یہ حضرات وقتاً فوقتاً اس خطے میں تشریف لائے اور حسب موقع سکونت بھی اختیار کی۔ خانقاہ اسلام پور کی عظمت و اہمیت اس اعتبار سے بہت زیادہ ہے کہ صوبہ بہار کے مشہور خانوادوں کی وابستگی سلاسل کے علاوہ نسبی اور ازدواجی تعلق بھی اس اسی خانقاہ سے رہا اور اکثر سلاسل کا فیضان عہد بہ عہد تواتر اور اتصال کے ساتھ سجادگان خانقاہ اسلام پور کو منتقل ہوتا رہا۔ ان حضرات نے علمی و عملی طور پر بھی اپنی خانقاہ کی شان و عظمت کو قائم رکھا ہے۔ چنانچہ جب حضرت ہدایت علی بلخیؒ کا زمانہ آیا تو انہوں نے روحانی اعتبار سے اسے مزید استوار کیا۔ سلسلہ فردوسیہ انہیں نسبی طور پر حاصل تھا ہی، سلسلہ ابوالعلائیہ منعمیہ انہوں نے حضرت مخدوم شاہ حسن علیؒ سے اور سلسلہ ہمدانیہ حضرت عظیم الدین ہمدانیؒ سے اور دوسرے متعدد سلاسل کی اجازت دوسرے شیوخ سے لی اور اپنے نواسہ حضرت سید شاہ ولایت علی ہمدانیؒ کو ان تمام سلاسل کی اجازت مرحمت فرمائی۔ حضرت شاہ ولایت علی نے حضرت مخدوم شاہ یحییٰ علی حسنی پوری سے ان کے تمام سلاسل طریقت بالخصوص منعمی سلاسل میں تعلیم و تربیت اجازت و خلافت حاصل کی۔ حضرت شاہ ولایت علی اپنے نانا اور پیر و مرشد حضرت ہدایت علی بلخیؒ کی مسند سجادگی پر جلوہ افروز ہوئے اور علم و فضل کی وجہ سے جب آپ کی شہرت بڑھی تو صوبہ بہار کے اکثر خاندانی افراد متوجہ ہوئے اور آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے۔ اسی پر بس نہ ہوا، صوبہ بہار کی قدیم اور عظیم المرتبت خانقاہوں کے سجادگان کی نظر انتخاب تعلیم و تربیت کے لئے آپ ہی پر پڑی۔ جناب حضور حضرت شاہ امین احمد زیب سجادہ خانقاہ معظم بہار شریف، مولانا اشرف علی ابن مخدوم یحییٰ علی نوآبادیؒ زیب سجادہ خانقاہ حسنی پور نسہ دیپور، شاہ برہان الدین مظفر زیب سجادہ خانقاہ شعیبیہ شیخپورہ کی تعلیم و تربیت اور ارشاد آپ ہی سے ہوا۔ اس کے علاوہ حضرت مولانا محمد رفیق قادری شہباز پوریؒ (جو کہ حضرت عبدالحق مہاجر مکیؒ اور امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے مجاز و خلیفہ ہیں) حکیم ابوالحسن، الہ مولانا سید سلیمان ندوی، حضرت مولانا فاضل نوآبادیؒ، مولانا وحید الدین زاہدی جیسے صاحبان علم و فضل آپ سے مرید و مجاز ہوئے۔ آپ کے بعد آپ کے بڑے نواسہ حضرت شاہ عبدالقادرؒ مسند سجادگی پر فائز رہے اور رشد و ہدایت کا فریضہ اپنے بزرگوں کی پیروی میں انجام دیتے رہے۔ خانقاہ اسلام پور کے فیضان اور یہاں کے دینی و روحانی ماحول کے پیش نظر حضرت سید شاہ فرزند علی صوفی منیریؒ (حضرت قیصر کے دادا) جن کی شادی حضرت شاہ ولایت علی ہمدانی کی صاحبزادی سے ہوئی تھی، منیر شریف سے نقل مکانی کر کے اسلام پور تشریف لے آئے اور یہیں کے ہو رہے۔ آپ کی آمد سے یہاں کی روحانی فیضان میں علمی و ادبی رنگ بھی داخل ہوگیا جو روز بروز گہرا سے گہرا ہوتا گیا اسلام پور ترقی کے کئی منازل طے کر چکا ہے اور وہ دن دور نہیں جب یہ اس علاقہ کا ایک بڑا نگر بن جائے۔

❁❁❁

حضرت سید شاہ شمیم الدین احمد منعمی
سجادہ نشیں، خانقاہ منعمیہ قمریہ، میتن گھاٹ، پٹنہ سیٹی
صدر شعبۂ عربی، اورینٹل کالج، پٹنہ سیٹی

# آنکھوں سے دل تک: سفرنامۂ حج

(3)

ہماری بس دھیرے دھیرے جدہ ایرپورٹ سے نکل کر شاہراہ پر آرہی ہے۔ شب جمعہ اپنی اختتامی منزلیں طے کررہی ہے، چار بجا چاہتے ہیں۔ 2x2 بس کی آخری نشست پر میں اور حاجی حامد حسن صاحب بیٹھے ہیں۔ میں کھڑکی سے سٹا بیٹھا ہوں۔ شاید اپنے گروپ میں ہم ہی دونوں ایسے عازم حج ہیں جو بالکل اکیلے ہیں۔ حامد حسن صاحب شاید تین چار بار حج کر چکے ہیں۔ خاصہ تجربہ ہے۔ بس والے نے اے سی آن کر دیا ہے اور حامد صاحب عربی میں اسے اس کے بند کرنے کے لیے بار بار سمجھانا چاہ رہے ہیں۔ بس میں دو نوجوان مطوف کے نمائندے بھی سوار ہیں۔ میں بس میں سوار عازمین حج کی آپسی گفتگو کی بھنبھناہٹ سے بے خبر کھڑکی کے باہر دیدہ ریزی میں مصروف ہوں۔ صاف ستھری کشادہ سڑکیں۔ بس دھیرے دھیرے شہر کو چھوڑ رہی ہے۔ شہر کی وسعت اور حدت دکانوں کے بند ہونے کے باوجود بھی ہر طرح سے عیاں ہو رہی ہے۔ رات کو دن میں بدلتی ہوئی بلبوں کی روشنی بجلی کی فراوانی اور خوش انتظامی کی شہادت دے رہی ہے۔ ہماری بس ایک چیک پوسٹ پر پہنچ کر رکتی ہے۔ ڈرائیور اتر کر کچھ کاغذات دکھاتا ہے اور پھر بس آگے بڑھ جاتی ہے۔ لیجیے ہم اس چوراہے پر پہنچ گئے ہیں جہاں سے ایک راہ مکہ کی طرف جاتی ہے اور دوسری راہ مدینۃ النبی ﷺ کی طرف جاتی ہے۔ بس کے دروازے بند ہیں۔ جی چاہتا ہے کہ اتر کر ان دونوں راہوں کی گرد کو لوٹ پوٹ کر اپنے جسم میں ایک کرلوں۔ دل تیزی سے دھڑک رہا ہے اور زبان حال سے کہہ رہا ہے ؎

بر سریر دل شاهم شوکتِ گدا اینست ❁ گردِ کوی معشوقم رتبۂ رسا اینست

ہماری بس اب شہر حرام، مکہ کی راہ پکڑتی ہے اور آگے بڑھنے لگتی ہے۔ 4.30 یا 5 بجنے والے ہیں اور ہم حدود حرم میں داخل ہو رہے ہیں۔ کعبۃ اللہ کو مرکز مان کر تقریباً دس کیلومیٹر کا دائرہ حرم کا درجہ رکھتا ہے اور اس دائرے کے اندر حرم

کی حرمت ہر شخص پر واجب ہے۔ خاص کر حالت احرام میں حرم سے عجیب رشتہ ونزدیکی حاصل ہوتی ہے۔ خاص لباس یعنی ایک تہبند اور چادر خاص انداز میں پہن کر اور میقات سے نیت کر کے ایک انوکھی وضع قطع، چال ڈھال اور سوچ فکر کے ساتھ عازم حج حرم میں داخل ہوا تو مزید انوکھا ہو گیا۔ نیت کے بعد سے وہ نمونۂ بندگی بنتا جا رہا ہے۔ کامل بندگی میں بدن اور جسم بھی معبود کا ہے۔ اپنا اختیار کہاں کہ جب چاہیں ناخن تراش لیں، بال کاٹ لیں یا نوچ لیں، جسم پر بیٹھنے والے کیڑے مکوڑے، مچھر یا مکھی کو مار دیں۔ ہاں جب ضرر کا اندیشہ غالب ہو تو اس نیت سے ہاتھ اٹھائیں کہ کہیں معبود کی ملکیت یعنی اس کے بخشے ہوئے جسم کو کوئی نقصان نہ پہنچ جائے۔ اب وہ معبود کی سرزمین خاص میں پہنچ گیا ہے۔ جو جو حکم اس کے اپنے بدن کے لیے تھا اب سارا حرم بندگی کے نتیجے میں اس کا بدن بن گیا ہے، اس لیے اب حرم پر بھی اس کے بدن کا حکم نافذ ہو گیا۔ نہ حدود حرم کی گھاس نوچ سکتا، نہ پیڑ کاٹ سکتا، نہ پتا توڑ سکتا نہ کسی پرندے اور نہ کسی درندے یہاں تک کہ حلال جانوروں تک کا شکار حرام ہو گیا۔ شکار تو شکار رہا، کسی شکار کرنے والے کو کسی طرح کی مدد پہنچانا، اشارے اور کنایے سے بھی حرام ہو گیا۔ جملہ مخلوقات کے لیے ہر طرح سے بے ضرر ہو گیا تو معبود کی نگری میں داخلے کے لائق ہوا۔ اور اس بات کا مجاز ہوا کہ کہے لبیک اللھم لک لبیک۔

میرے دل نے مجھ سے سرگوشی کی کہ احرام اور کفن کی مشابہت پر کبھی غور کیا ہے؟ بغیر سلا کورا سفید کپڑا پہنا کر ۔ ۔۔۔ عزا و اقربا اور دوست و احباب نے قبر کے حوالے کر دیا۔ اس اعتقاد کے ساتھ کہ اب اپنے حشر کی طرف روانہ ہو ۔۔۔ ۔۔۔ فقط کیا فرق ہے! بس اتنا ہی کہ میت اپنے پیروں پر نہیں چلتی، عازم خود چل رہا ہے۔ نیا سلا کورا سفید کپڑے کا احرام، بدلی بدلی شکل، آئینہ دیکھے تو بندگی کا یہ روپ دیکھ کر چھپی ہوئی فرعونیت کا کلیجہ منھ کو آ جائے۔ دور و قریب کے رشتہ دار، احباب و مخلصین کچھ اپنے کچھ پرائے سب مل کر الوداع کہنے آئے ہوئے ہیں۔ ہاتھ ہلا رہے ہیں۔ ہر ملتا ہوا ہاتھ ان کے اس اضطراب کو ظاہر کر رہا ہے جو میت پر مٹی ڈالتے ہوئے مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ خالی ہاتھ، نئی ڈگر، عجیب سی سنسنی۔ سب سے بچھڑنے کا احساس، جہاز گویا قبر ہے یا برزخ کہ لیجیے اور اب حدود حرم کی طرف بڑھتا ہوا قدم، جہاں چہار طرف سے عازمین حج آ رہے ہیں گویا مردے اپنے اپنے حشر کی جانب بڑھ رہے ہیں۔ پھر حدیث شریف یاد آئی موتوا قبل ان تموتوا۔ قبل اس کے کہ موت تمہارا گلا دبا دے خود ہی اپنے نفس کو موت کا ذائقہ چکھا دو۔ عقلمندی اور دانشمندی کا تقاضا یہ ہے کہ ہم ہر آنے والی یقینی ذمہ داری سے بحسن وخوبی عہدہ برآ ہونے کے لیے مشق اور ریہرسل کرتے ہیں۔ تو پھر موت سے زیادہ یقینی کیا چیز ہے؟ اس کی آمد سے پہلے ریہرسل اور مشق کیوں نہیں ــــــ احرام پوش عازم حج کا بے ضرر ہونا بھی اسی راز سربستہ کا حصہ ہے۔ کہیں مردہ بھی کسی کو ضرر پہنچاتا ہے! وہ تو سب کے لیے بے ضرر ہو چکا ہے ــــــ حدود حرم میں داخلے سے پہلے کہیں من ربک (تیرا رب کون ہے؟) کی منزل آئی تو کہیں ما دینک (تیرا دین کیا ہے؟) کی منزل آئی۔ اس سے آگے بڑھے تو جھنڈوں کی دنیا میں قدم رکھا۔ ہر قوم اپنے اپنے جھنڈے تلے حشر میں جمع ہوگی۔ جذبہ

ایر پورٹ پر سب اپنے اپنے جھنڈے تلے جمع ہوئے اور اب حدودِ حرم میں قدم رکھنے والے ہیں۔ حدودِ حرم کی نشاندہی کے لیے بڑے بڑے بورڈ لگے ہوئے ہیں۔ جابجا تختیوں پر کلمات مقدسہ نظر آتی ہیں۔ جدہ کی ترقی اور جدید عمارتیں پیچھے چھوٹ گئیں۔ حرم کا بارعب سناٹا، رات کا آخری پہر، نمودار ہوتی ہوئی صبح صادق، اونچی نیچی پہاڑیاں اور ان پر حدودِ حرمت حرم کی گواہی دیتی ہوئی سنہری جھاڑیاں۔ حامد حسن صاحب نے مجھ سے کہا کہ انہیں پہاڑیوں کے درمیان جبل النور بھی نظر آئے گا۔ جبل النور وہ پہاڑ ہے جس کی چوٹی سے قریب ہی غارِ حرا ہے۔ سراپا انتظار اور مجسم شوق بنا میں مصروف شکوہ ہوں کہ کاش دونوں کھڑکیوں نے بیک وقت حدودِ حرم کا نظارہ کر پاتا۔ دائیں جانب کی کھڑکی سے سٹا بیٹھا ہوں اور بے چینی ہے کہ بائیں جانب کا منظر سے محروم رہا جاتا ہوں۔ کچھ پہاڑ ایسے بھی لگے جو شاید مٹی کے تودے ہیں۔ واللہ اعلم! دھیرے دھیرے ہم مسجد حرام کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ اب تو میں کھڑکی کے اندر ہوں، لیکن میرا جذبۂ شوق کھڑکی سے باہر نکل چکا ہے۔ شاید کوئی منارہ نظر آ جائے، شاید ایک جھلک کسی زاویے سے مسجد حرام کی دیکھنے میں آ جائے۔ آبادیاں شروع ہوگئی ہیں۔ فجر کی اذان ہو چکی۔ کئی محلوں اور گلیوں سے گذرتے ہوئے ایک ذرا کنارے کر کے بس رک گئی۔ سامنے کشادہ میدان سا ہے اور سائے۔ ایک مکان سے ملحق کشادہ صحن میں چند لوگ فجر کی سنت ادا کر رہے ہیں۔ ڈرائیور اترا اور آگے بڑھنے سے پہلے بس کا دروازہ مقفل کر گیا۔ بعض ضعیف خواتین وحضرات کو شکوۂ استنجا پریشان کر رہا ہے لیکن یہاں نہ خروج کی اجازت ہے اور نہ نزول کی۔ بس صبر تحمل کے ساتھ نماز کو ضائع ہوتے ہوئے دیکھتے رہے۔ پتا چلا کہ ہم لوگ مسجد حرام سے کچھ قریب ہی ہیں اور سامنے ہمارے مطوف (معلم) کا دولت کدہ ہے، جہاں ڈرائیور اور اس کے نمائندے ہمارے کاغذات وغیرہ جمع کر رہے ہیں اور دفتری کارروائیاں چل رہی ہیں۔ بس میں بیٹھے بیٹھے مسجد حرام سے تھوڑے فاصلے پر فجر کی جماعت ختم ہوگئی۔ باوجود بعض عازمین حج کے احتجاج اور جز بز ہونے کے نہ کسی کو اتر کر طہارت کی اجازت ملی اور نہ نماز پڑھنے کا موقع۔ اللہ الصمد! حدودِ حرم میں پہلی فرض نماز کے ہم مکلف بھی ہوئے تو عذرِ قانونی سے قضا ہوئی یا کرادی گئی فالعیاذ باللہ! پوری بس اس نظام پر برس رہی ہے۔ حامد حسن صاحب اپنے ماضی کے تجربات کی روشنی میں مطوف کے جفاؤں کا ایک دفتر کھولے ہوئے ہیں، لیکن میں تو حضرت اکبر دانا پوری کے اس مقطع میں کھویا ہوا ہوں ؎

ہوگا بڑے بڑوں کا ہنگامہ روزِ محشر ۞ اکبر قبول ہوگا کیوں کر سلام تیرا

کچھ اور بسیں بھی آ کر رک گئی ہیں، لیکن کسی بس سے کسی کو اترنے کی اجازت نہیں ہے۔ میرے دل میں خیال آیا کہ اکثر ہندوستان کی عدالتوں میں زیر سماعت قیدیوں کو بند گاڑیوں میں لایا جاتا ہے۔ انہیں اترنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ بس کھڑکیوں سے لگے بیٹھے یا کھڑے ہوتے ہیں۔ ہم بھی حشر کی عدالت میں زیر سماعت قیدی ہیں۔ پتا نہیں کب پیشی کے لیے پکار ہو اور ہم لبیک کہتے ہوئے حاضری درج کرائیں۔

لگ بھگ گھنٹے بھر کے بعد ڈرائیور واپس پلٹا تو اس کے ساتھ دو تین شخص تھے جو دو تین بڑے بڑے کارٹن

سنبھالے ہوئے تھے۔ پھر بس کا دروازہ کھلا۔ ڈرائیور کے ساتھیوں نے تمام عازمین حج کو ایک ایک پولی تھین تھمانا شروع کیا گویا کہ رہے ہوں کہ فجر کی قضا ہونے کا غم مت کرو ناشتہ حاضر ہے۔ اس میں ایک سیب، چند روٹیاں اور پکی ہوئی دال تھی۔ پتا چلا کہ مطوف آنے والے حجاج کو آنے کے ساتھ کھانا بنانے یا تلاش کرنے کی زحمت سے بچانے کے لیے ایک وقت کا ناشتہ یا کھانا دیتا ہے۔ فالحمدللہ علی ذلک! اب بس پھر آگے بڑھی اور کئی گلیوں سے گذرتے ہوئے اس مقام کی تلاش میں ہے جہاں ہماری قیام گاہ ہوتی ہے۔ شاید بس والا بھی اس جگہ کو تلاش کرنے میں پریشانی محسوس کر رہا تھا۔ بہر حال تھوڑی دیر بعد سڑک سے کچھ اونچائی پر چڑھ کر ایک گلی میں بس مڑی اور ایک بلڈنگ کے سامنے رک گئی۔ چند ثانیے بعد دروازہ کھلا اور اب جب دھوپ نکل آئی تو باہر نکلنے کی اجازت ملی۔ لبیک اللّٰھم لبیک لبیک لاشریک لک لبیک ان الحمد والنعمة لک والملک لا شریک لک۔ باہر نکلے تو بس کی چھت سے سامان اترنے کی باری آئی۔ بس پر جدہ میں جس طرح سامان چڑھایا گیا وہ حسن ترتیب اور سلیقہ یہاں بالکل رخصت ہو گیا اور سامان اتارنے والے نے چھت سے سامانوں کو اس بلڈنگ کے مین گیٹ پر پھینکنا شروع کیا۔ خیر کسی طرح سامان کی خیریت مناتے اپنے سامان کو پہچان کر ہم بلڈنگ میں داخل ہوئے تو بتایا گیا کہ ہر عازم حج کا نام اس کے لیے مقرر کمرے کے دروازے پر چسپاں ہے۔ چنانچہ تلاش کرتے ہوئے دوسری منزل کے ایک کمرے پر اپنا نام دیکھا تو دروازہ کھولا۔ یہ ایک لمبا کمرہ تھا جس میں لوہے کے چھ بیڈ مرتب لگے ہوئے تھے۔ یعنی مجھے ملا کر چھ عازمین کو اس کمرے میں رہنا تھا۔ بلڈنگ کئی منزلہ تھی اور اس کی دیکھ بھال کے لیے تین چار بنگلہ دیشی جوان مقرر تھے۔ سامان لے کر کمرے تک پہنچے اور دروازے سے قریب ایک گوشے کا بیڈ اپنے لیے منتخب کر کے سامان رکھا۔ پھر دروازے سے باہر نکلا تو پتا چلا کہ بالکل متصل ایک باورچی خانہ ہے جس میں ریفریجریٹر، گیس چولہا اور واش بیسن وغیرہ موجود ہے۔ اس کے بعد بیت الخلا ہے لیکن انگریزی طرز کا۔ پھر غیر انگریزی بیت الخلا کی تلاش کرنے پر ایک گوشے میں بہت مختصر سی جگہ میں وہ بھی مل گیا۔ واپس کمرے میں آئے تو بقیہ عازمین حج بھی جو اس کمرے میں میرے ساتھی بننے والے تھے پہنچ چکے تھے۔ تعارف ہوا۔ یہ سلیمان صاحب ہیں حاجی پور ٹاؤن تھانے کے بغل کے رہنے والے ہیں۔ ان کے ساتھ ان کے چھوٹے بھائی اور بھاوج ہیں۔ اور دوسری فیملی میں مجھولی ضلع ویشالی کے رہنے والے خاں صاحب اور ان کی اہلیہ ہیں۔ سیدھے سادے لوگ ادھیڑ عمر پار کر کے ضعیفی کے دروازے پر قدم رکھ رہے ہیں۔ اب بھوک بھی لگ رہی ہے اور رات بھر کی بے خوابی سے پیدا ہوئی تھکان بھی پریشان کر رہی ہے چنانچہ مطوف صاحب کے تحفے سے کچھ کھایا اور جو بچا اسے ڈسٹ بن میں ڈالا۔ حاجی حامد صاحب کو بھی اتفاق سے بغل والے کمرے میں ہی جگہ مل گئی ہے۔ ان سے مل کر اپنے بستر پر آئے اور لیٹے تو اٹھنے کو جی نہ چاہا چنانچہ کچھ دیر میں آنکھ لگ گئی۔

(جاری)

محمد شفیع الرحمٰن شفیع

مدیر

# سائنس ہماری ضرورت ہے

سائنس کو گمراہی کی طرف لے جانے والا علم سمجھا جاتا ہے۔ مدارس کے نصابی کتب میں سائنس کی عدم شمولیت کے سبب خواہ مخواہ اس سے تعصب کا رجحان پایا جاتا ہے۔ یہ تعصب ان بعض الظن اثم کی طرف لے جاتا ہے اور نام نہاد علماے دین سائنس کی تعلیم سے دور رہنے کی تلقین کرتے ہیں۔ یہ رویہ قرآنی اور اسلامی ہدایت تعلیمات کے بالکل خلاف ہے۔ ماضی میں علماے اسلام نے سائنس میں بھی علمی امامت فرمائی ہے اور ان کی بصیرت سے مستفید ہونے والے غیر مسلم سائنس دانوں نے آفاق میں موجود اجسام و عناصر کی پوجا اور پرستش کی جگہ ان پر بشری ملکیت و اختیار حاصل کرنے کی سعی کر کے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے وحدہ لاشریک لہ ہونے کو ثابت کیا ہے۔ حیوانی و غیر حیوانی اجسام و عناصر کا جب جب سچا علم حاصل ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ پر یقین کامل اسی طرح ہو جاتا ہے جس طرح سورج کے طلوع ہوتے ہی ظلمت غائب اور صبح کی روشنی واضح ہو جاتی ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے چیونٹی کی خاصیت معلوم ہونے پر بے اختیار ربنا ما خلقت هذا باطلا فرما کر انسانوں کے حق میں اللہ تعالیٰ کی عام رحمت کا شکر ادا کیا تھا۔ ہمیں بہت افسوس ہے کہ حیوانات، نباتات، جمادات کا شکر ادا کیا تھا۔ ہمیں بہت افسوس ہے کہ حیوانات، نباتات، جمادات اور غیر مرئی گیسوں سے واقفیت کی محرومی کے سبب ہم ہاتھی کی شناخت میں لگے سات اندھوں کی مثال دہرانے کے سوا اور کچھ بھی سمجھنے اور سمجھانے سے قاصر رہ جاتے ہیں۔ ہماری تمنا ہے کہ ہمارے مسلم سائنس داں حضرات انوارِ مخدوم کے قارئین کو عام سائنسی معلومات سے روشناس کرائیں۔ جہاں اصطلاحی، تکنیکی و تجرباتی پیچیدگیاں ہوں ان سے گریز کرتے ہوئے اوسط پڑھے لکھے آدمی کو سائنس سے واقف کرانے کی کوشش کی جائے۔ ذیل میں Tata Mcgrow Hill Publishing Ltd., New Delhi سے 1980ء میں شائع شدہ کتاب Scientific contents: English for Technical Students کے چند چھوٹے چھوٹے مضامین سے منتخب ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے۔ یہ صرف مسلم سائنس دانوں کو برانگیختہ کرنے کی جسارت ہے۔ مترجم سائنس سے بالکل ناواقف ہے۔ کہیں کہیں غیر سائنسی ترجمہ بھی ہو گیا ہوگا۔ معذرت کے ساتھ ایک بار اور عرض ہے کہ سائنسی امور سے عام واقفیت کی چیزیں قارئین کے سامنے لانے میں مسلم سائنس داں حضرات ہمارا تعاون فرمائیں۔

## 1. سائنس دانوں کو محتاط ہونا چاہیے:

انگلینڈ کے سلطان چارلس دوم (1660-85ء) اپنے زمانے کے سائنس میں بڑی دلچسپی رکھتے تھے۔ جہاز رانی سے متعلق تجربات میں ان کی خاص رغبت تھی۔ ایک بار جب ارکان انجمن شاہی (Fellows of the Royal Society) کی نشست جاری تھی، چارلس نے ان کے سامنے یہ مسئلہ رکھا:

اگر آپ پہلے پانی بھرے برتن کو وزن کریں اور اس کے بعد پھر اس میں ایک زندہ مچھلی ڈال کر وزن کریں تو دونوں حال میں وزن مساوی ہوگا۔ لیکن جب آپ پانی بھرے برتن کو وزن کریں اور اس کے بعد اس میں ایک مردہ مچھلی ڈال کر وزن کریں تو پانی بھرے برتن کے وزن سے مردہ مچھلی کے ساتھ وزن میں مردہ مچھلی کے وزن کے برابر اضافہ ہو جائے گا۔ اس کا سبب کیا ہے؟

کوئی بھی شخص اس کا جواب فوراً نہ دے سکا۔ بہر حال، مسئلہ بادشاہ نے رکھا تھا اور اس کا جواب دیا جانا تو لازمی تھا۔ انجمن کی عزت داؤں پر لگی تھی۔

کچھ دیر تک ارباب دانش مسئلے پر بحث کرتے رہے۔ اسی درمیان ایک رکن کو اسکول میں سیکھا ہوا ایک سنہری اصول یاد آ گیا۔ وہ اصول دراصل ایک لاطینی مقولہ تھا کہ کسی بیان کے Cursit کی تحقیق سے پہلے اس کے on sit پر غور کرو۔ یعنی اس پر بحث کرنے کے لیے کہ کوئی خاص شے کیوں واقع ہوتی ہے، عقلمندی اسی میں ہے کہ پہلے اس کا تیقن کر لیا جائے کہ وہ شے دراصل اسی طرح واقع ہوتی ہے۔ اس لیے بڑی جرأت کے ساتھ اس رکن نے مشورہ دیا کہ پانی کے برتن میں زندہ اور مردہ مچھلی کے وزن میں فرق کے سبب پر غور کرنے سے پہلے مناسب ہے کہ اس بات کا یقین حاصل کر لیا جائے کہ واقعی کوئی فرق ہے بھی یا نہیں۔

یہ جرأت مندانہ بیان سائنس دانوں اور درباریوں کے لیے حیرت انگیز ہی نہیں بلکہ حد سے تجاوز کرنے کے مترادف تھا۔ وہ لوگ نہایت خوفزدہ ہو گئے، کیوں کہ یہ ان کی سمجھ سے باہر تھا کہ کوئی بادشاہ سے سوال کر دے، کیوں کہ وہ تو (ان کے خیال میں) غلطی کر ہی نہیں سکتا تھا۔ ایک رکن نے اعلان کر دیا کہ بادشاہ کے بیان پر شک کرنا بھی غداری ہے اور برملا یہ کہنے کی جسارت کہ بادشاہ نے غلط بیان دیا، اس سے بھی بھیانک ہے۔ کئی ارکان تو اچھل اچھل کر کہنے لگے کہ ان لوگوں کو تو کئی برسوں سے یہ علم ہے کہ بادشاہ نے جو کچھ بھی فرمایا ہے وہ بالکل درست ہے۔ بے فائدہ بحث میں ایک لمبا وقت گذر گیا۔ پھر ارکان نے مشورہ دیا کہ وہ خود سے دیکھ تو لیں کہ دراصل کیا ہوتا ہے۔ اب پانی بھرے ایک برتن کو وزن کیا گیا۔ پھر اس میں ایک زندہ مچھلی ڈال کر وزن کیا گیا۔ مچھلی کے ساتھ وزن بغیر مچھلی کے وزن سے زیادہ ٹھہرا۔ زندہ مچھلی کو پانی سے باہر نکال کر مرنے دیا گیا۔ مرنے پر اسے پھر سے پانی میں ڈال کر وزن کیا گیا۔ مردہ مچھلی کے ساتھ پانی والے برتن کا وزن ٹھیک اتنا ہی ٹھہرا جتنا اس مچھلی کے زندہ ہونے کی صورت میں ہوا تھا۔ آخر میں ارکان نے باور کیا کہ بادشاہ نے ظریف الطبعی کے سبب ان کو چکر میں ڈال دیا تھا۔

## 2. سائنس کا مفہوم:

انگریزی کے لفظ Science کا متبادل عربی کا لفظ علم ہے جو یکساں معنی میں فارسی اور اردو زبانوں میں مستعمل ہے۔ اس لفظ کا استعمال بہر حال ایک خاص مفہوم میں ہوتا ہے یعنی طبعی اشیا کی فطرت، ان کی حرکت اور تغیر علم۔ سورج صبح

میں طلوع ہوتا ہے اور شام میں غروب ہوتا ہے۔ سورج اور چاند میں گرہن بھی لگتا ہے۔ موسم گرما میں گرمی اور موسم سرما میں سردی ہوتی ہے۔ جاندار اشیا پیدا ہوتی، نشو ونما پاتی اور مرجاتی ہیں۔ یہ سب چیزیں کس طرح واقع ہوتی ہیں؟ وہ اسی طرح کیوں واقع ہوتی ہیں؟ سائنس انہی سوالوں کے منطقی جواب تلاشنے کی کوشش کرتا ہے۔

سائنسی مطالعے میں سب سے اہم اعمال میں ایک باشعور مشاہدہ ہے، کیوں کہ جو چیزیں بادی النظر میں یکساں نظر آتی ہیں بغور دیکھنے پر درحقیقت مختلف ہوسکتی ہیں۔ طب کے ایک پروفیسر کا واقعہ ہے جو ایسے طلبہ کو پہلا درس دے رہا تھا جو ڈاکٹر بننا چاہتے تھے۔

اس پروفیسر نے طلبہ کو آگاہ کیا کہ اگر وہ اچھے ڈاکٹر بننے کے خواہاں ہیں تو ان کے لیے دو چیزیں بڑی اہم ہیں۔ اول اشیا کا غور سے باشعور مشاہدہ کرنا اور دوم ناگوار خاطر اشیا سے برگشتہ نہیں ہونا۔ اس پروفیسر کے سامنے بدبودار گندے پانی سے بھرا ایک برتن تھا۔ اس نے درس جاری رکھتے ہوئے کہا کہ میں پہلے اس پانی میں ایک انگلی ڈالوں گا اور پھر منہ میں۔ جب میں یہ کام کرلوں تو تم لوگ بھی ٹھیک میری طرح یہی عمل دہراؤ گے۔ اس کے مطابق اس نے ایک انگلی پانی میں ڈال دی اور پھر ایک انگلی منہ میں ڈالی۔ پانی کے ناگوار خاطر ہونے کے باوجود طلبہ ایک ایک کرکے آئے۔ پہلے پانی میں انگلی ڈالی اور پھر منہ میں۔ آخر میں پروفیسر نے تبصرہ کیا: شرفا، میں آپ لوگوں کو ایک اہم خوبی کے اپنا لینے پر مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ آپ ناگوار خاطر پانی سے برگشتہ نہیں ہوئے۔ لیکن دوسری خوبی آپ میں سے کسی میں نہیں ہے یعنی چیزوں کو ہوش مندی سے مشاہدہ کرنا۔ اگر آپ شعوری طور پر بغور مشاہدہ کرتے تو ضرور دیکھ لیتے کہ میں نے پانی میں کوئی اور انگلی ڈالی تھی اور منہ میں کوئی اور۔

اس کہانی سے یہ مقصد واضح ہوجاتا ہے کہ اس مشاہدے کی بڑی اہمیت ہے کہ درحقیقت کیا واقع ہوتا ہے اور اس بات کی کوئی اہمیت نہیں ہے کہ ہمارے خیال میں کیا واقع ہونے والا ہے...

سائنس کا ایک نظام عمل ہے۔ وہ کسی بیان کی صداقت کو زیادہ سے زیادہ ممکن طریقوں سے جانچ کیے بغیر اسے قبول نہیں کرتا ہے۔ اس عمل میں سب سے پہلے محتاط مشاہدے کی ضرورت پڑتی ہے۔ زیر تفتیش کسی واقعہ یا شے کے مشاہدے کے بعد ایک ممکنہ بیان کی تشکیل ہوتی ہے جسے نظریہ (Hypothesis) کہہ سکتے ہیں۔ اگر یہ تشریح کام کرے یعنی اگر نتائج قبل کے مشاہدے کے مطابق ہوں تو مستقبل میں ایسے ہی نتائج کی پیشین گوئی ہوسکتی ہے۔ اس طریقۂ کار کو تجرباتی توثیق (Experimental Verification) کہتے ہیں۔ اگر ایسی پیشین گوئیاں سچ ثابت ہوجاتی ہیں تو عارضی طور پر اس تشریح کو مسلمہ سمجھا جاتا ہے۔ تشریح یا (Hypothesis) جو تجرباتی توثیق کے بعد عارضی طور پر مسلمہ ہوجائے اسے نظریہ کہتے ہیں۔

تفتیش کا یہ شعوری نظام مستقبل کے علم کے حصول کا عمدہ طریقہ ہے۔ یہ اصول زینہ بزینہ آگے بڑھتا ہے یعنی

ہونے والی شے کا مشاہدہ، hypothesis کی تشکیل اور تجربوں سے ان کی جانچ۔ اگر آپ کے تجربات اشارے دیں کہ آپ کا قدم سیدھی راہ پر ہے تو آپ اگلے مناسب اقدام کے لیے عمل پیرا ہیں۔

### 3. Microbes:

ہماری دنیا بہت بڑی اور نہایت دلچسپ و حیرت انگیز ہے۔ اس کے باشندے مختلف شکل اور قد کے جاندار ہیں۔ کچھ عظیم الجثہ مثلاً آدمی، ہاتھی اور دوسرے بڑے جانور۔ کچھ چھوٹی جسامت کے جاندار مثلاً چیونٹی اور شہد کی مکھی۔ ایک جاندار مائکروب ——— صرف خوردبین سے نظر آنے والی اور ظاہری نگاہوں سے اوجھل جاندار بھی ہیں۔

سترہویں صدی عیسوی میں Antony Van Leeuweoohock نامی ایک غیر معروف ان پڑھ ڈچ نے یوں ہی تفنن طبع کے طور پر خوردبین سے دیکھنا شروع کیا اور inadvertently اس نے Microbes کی دنیا کو آشکار کر دیا۔ ان ناقابل اعتبار خورد ترین جانداروں میں بے حد دلچسپی نظر آئی اور تبھی سے سائنس داں ان کا تفصیلی مطالعہ کرتے آ رہے ہیں۔

Microbes اپنی جسامت diametre میں انچ کے پچیس ہزارویں حصے کے برابر ہوتی ہیں۔ چھوٹی سی اور ظاہراً اندرونی ساخت سے بیگانہ۔ ان کا ظہور آسان ہے۔ کچھ چھڑ کی شکل میں ہوتی ہیں اور ان کو bacilli کہتے ہیں، کچھ گول شکل میں Cocci کہلاتی ہیں اور کچھ Spiral thread کی شکل میں نظر آنے والی Spirilli نام کی ہوتی ہیں۔

ان کی نسل کی شرح افزائش حیرتناک ہے۔ ہر بیس منٹ پر ایک نسل پروان چڑھتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں کہا جا سکتا ہے کہ صرف ایک دن میں ایک مائکروب سے کئی دس لاکھ (millions) کی تعداد وجود میں آ جاتی ہے۔ ان کی تولید عموماً طور پر سب سے آسان پر ہوتی ہے۔ مائکروب خاص قد اور عمر کو پہنچتے ہی دو میں بٹ جاتی ہے۔ اس میں جنسی مشینری (Sexual Machinery) کا مکمل فقدان ہوتا ہے۔ تولید کے لیے دو جداگانہ جنسوں کی ضرورت نہیں پڑتی۔ یہ واقعی دلچسپ ہے۔

مائکروب کی زندگی بے حد لچکی ہوتی ہے۔ اس کے اندر قدرت نے مختلف آب و ہوا والے حالات میں زندہ رہنے کی قابل ذکر قوت عطا کی ہے۔ یہ قطب پر انجمادی حرارت کی حالت میں اسی طرح زندہ ہے جس طرح گرم آبی چشموں میں۔ یہ کسی بھی مخالف ماحول میں قوت برداشت میں بے نظیر ہے۔ عام کھولتے ہوئے پانی میں گھنٹوں تک اس کی زندگی کو خطرہ لاحق نہیں ہوتا۔ 120°c درجہ حرارت پر 2.1 کیلوگرام فی مربع سینٹی میٹر بخار (بھاپ) میں بھی یہ پندرہ منٹ تک جی لیتی ہے۔ سردی برداشت کرنے میں تو اور کمال ہے۔ -190°c درجہ حرارت میں بھی مہینوں تک توانا رہتی ہے اور حالت میں فرق نہ ہو تو برسوں تک زندہ رہ سکتی ہے۔

قدرت نے مائکروب کو برسوں عام غنودگی میں رہنے کی صلاحیت عطا کی ہے، جہاں اس کے خلیے موٹی پرت سے ڈھک جاتے ہیں۔ ایسی حالت میں ان کو Spores کہتے ہیں۔ ناموافق حالات میں یہ غیر متحرک (خوابیدہ) رہتی ہے اور حالات موافق ہوتے ہی متحرک ہو جاتی ہے۔ Louis Pasteur نے تعجب کے ساتھ یہ دریافت کیا کہ کچھ Spores انگور کی بیل پر ساٹھ برسوں تک خوابیدہ رہتے ہیں یہاں تک کہ انگور کے رس میں جڑ پکڑ کے پھر سے متحرک ہو جاتے ہیں۔

زمین کی سطح پر ایسی جگہیں بھی ہیں جہاں آدمی کا زندہ رہنا ناممکن ہے، لیکن کوئی ایسی جگہ نہیں ہے جہاں مائکروب زندہ نہ رہ سکے۔ زندگی کی بہتر شکل ایسے جانداروں میں سمجھی جاتی ہے جو amphibians ہوتے ہیں یعنی زمین پر اور پانی میں دونوں صورتوں میں زندہ رہ سکتے ہیں، لیکن مائکروب تو triphibians ہوتی ہے یعنی وہ گہرے سمندروں میں اسی سہولت کے ساتھ جی سکتی ہے جس طرح ایوریسٹ کی چوٹی پر یا کسی بھی طرح کی آب وہوا میں۔ اس کا وجود نادر ترین آب وہوا میں بھی باقی رہتا ہے مثلاً زمین کی سطح سے بہت نیچے بھی۔ یہ تو آدمی، جانور، پرندے، کیڑے مکوڑے اور پودوں کے جسموں کے اندر بھی زندہ رہتی ہے۔

مائکروبس زندگی کے دائرے میں بڑی اہم ہوتی ہیں۔ یہ مردہ اشیا کو زندہ اور اس کے برعکس، زندہ کو مردہ میں تبدیل کرتی ہیں۔ مثلاً انہیں کی مدد سے پودے فضا سے Nitrogen حاصل کر پاتے ہیں جو ہر شکل زندگی کا جز و اساسی ہے۔ یہی مائکروبس ہیں جن کی وجہ سے پودے اور جانور سڑ گل کر مٹی بن جاتے ہیں۔ یہ کہنے میں مبالغہ نہیں ہوگا کہ اگر مائکروبس غائب ہو جائیں یا عمل بند کر دیں تو خود زندگی کا چرخ بالکل مر کر ٹھہر جائے۔

مائکروبس بڑی خوش خوراک ہوتی ہیں اور دنیا کی کسی چیز کو کھا سکتی ہیں۔ یہ سادہ، مرکب زندگی کی شکل اور نہایت پیچیدہ زندگی کی شکل پر زندگی بسر کرتی ہیں۔ یہ تو اپنی خوراک بالکل مختلف چیزوں سے حاصل کرتی ہیں مثلاً Carbon dioxide، Oxygen، Sunlight، Plants یہاں تک کہ اینٹ اور پتھر سے بھی۔

عام طور پر ہم لوگ مائکروبس کو بری شے سمجھتے ہیں۔ ہم ان کو زیادہ تر وسیلۂ امراض سمجھتے ہیں، لیکن درحقیقت انہوں نے انسان کی عام خوش حالی میں بڑا تعاون پیش کیا ہے، کیوں کہ دس میں سے صرف ایک موجب مرض ہوتی ہیں، مگر نو دوست ہوتی ہیں۔ ان کے بغیر تو آدمی زندہ ہی نہیں رہ سکتا ہے۔ آنتوں میں بھی مائکروبس رہتی ہیں۔ اگر وہاں پر یہ نہ ہوں تو خود نظام ہاضمہ کا عمل ختم ہو جائے۔ امراض سے نجات دلانے والے ٹیکے اور محافظ حیات ادویہ مثلاً Pencillin سب کی سب مائکروبس کے تحفے ہیں۔

مائکروبس حیرت انگیز کیمیاگر ہیں اور ہماری غذاؤں میں بڑی تبدیلیاں لاتی ہیں۔ یہ دودھ کو دہی، مکھن اور پنیر بناتی ہیں تو پھلوں کے رس کو شراب اور چینی کو الکوحل، ماکولات و مشروبات میں عمدہ ذائقہ اور کچھ نادر عطریات کی پیداوار

مائکروبس کی مدد پر منحصر ہے۔ یہاں تک کہ جس مٹی میں ہماری غذا پیدا ہوتی ہے وہ بھی ان کا ہی عطیہ ہے۔ یہ لوہے کی زنگ اور Manganese کو چٹ کر جاتی ہیں اور Pig-iron ore، ochre اور manganese ore کا انبار پیدا کر ڈالتی ہیں جو بعد میں لیپ، اسپات اور بے شمار صنعتی پیداواروں کی صنعت میں استعمال ہوتے ہیں۔

سچ مچ مائکروبس زمین پر ہر طرح کی زندگی کے اجزائے لاینفک ہیں۔

4. کیڑے مکوڑے:

زمین پر موجود جاندار مخلوقات میں سب سے زیادہ تعداد کیڑے مکوڑوں کی ہے۔ ان کی کچھ قسمیں آدمی کے لیے بے حد مفید ہیں۔ مثلاً شہد کی مکھیاں جن سے ہم شہد اور موم حاصل کرتے ہیں، نیز ریشم کے کیڑے جن سے ہمیں ریشم ملتا ہے۔ بہر حال، دوسری قسمیں بہت مضر ہیں اور بالخصوص فصلوں کو بہت نقصان پہنچاتی ہیں۔ ٹڈیاں غالباً سب سے زیادہ خطرناک ہیں کیوں کہ یہ زیادہ تر کسی بھی سبز پودے کو کھا جاتی ہیں اور جب یہ کئی دس لاکھ (millions) کی تعداد میں کسی کاشت کردہ زمین پر آبستی ہیں تو بہت جلد اسے ویران کر جاتی ہیں۔ کچھ ملکوں میں یہ کسانوں کی سب سے بڑی دشمن ہیں۔ گھر کی مکھیاں دوسری تکلیف دہ مخلوق ہیں۔ یہ ہمیں نہ صرف گھر میں اور گھر سے باہر ستاتی ہیں بلکہ بیماریاں بھی پھیلاتی ہیں۔

سائنس دانوں نے کیڑے مکوڑوں کے مطالعہ میں بڑی محنت کی اور کافی وقت لگایا ہے۔ اس کے لیے بڑے محتاط اور صبر آزما مشاہدوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان کی دریافتوں کے نتیجے میں اب ہم محنت کش شہد کی مکھیوں اور چیونٹیوں کے بارے میں بہت کچھ جانتے ہیں۔ یہ ایسے معاشرے میں رہتی ہیں جو کئی طرح سے ہم سے زیادہ منظم اور منصوبہ بند ہیں۔ بہر حال سائنس دانوں کے ذریعہ کیڑوں مکوڑوں کے نقصان سے آدمی، جانور اور فصلوں کی حفاظت کے لیے کی گئی کوششیں ان کا قیمتی تعاون ہے۔

کیڑوں کی نسل میں اس تیزی سے افزائش ہوتی ہے کہ ان سے مکمل نجات ناممکن ہے۔ مثال کے طور پر ٹڈیاں کروڑوں کی تعداد میں گذرتی ہیں۔ زہریلے گیس یا سفوف ہوائی جہازوں سے گرا کر ان کو برباد کیا جا سکتا ہے، لیکن کچھ بچ نکلتی ہیں اور بہت جلد کئی دس لاکھ پیدا کر لیتی ہیں، جو آدمی کے لیے ضروری غذا کو کھا جاتی ہیں۔ حالیہ برسوں میں اب انسانوں نے بہت حد تک ان پر قابو پا لیا ہے کیوں کہ ان کے خطروں سے بچنے کے لیے زود عملی کا طریقہ اپنایا جاتا ہے۔

مخصوص خطرناک کیڑوں مکوڑوں سے نجات کے لیے سائنس دانوں کے ذریعہ استعمال کیا جانے والا طریقہ کسی خاص علاقے کے لیے یوں ہوتا ہے کہ ان کے دشمنوں کو تلاش کر کے ان کو برباد کیا جاتا ہے۔ یہ دشمن پرندے ہو سکتے ہیں یا خود دوسرے کیڑے مکوڑے بھی۔ اگر ان کی تعداد میں اضافہ کر دیا جائے تو وہ ان کیڑوں مکوڑوں کو ختم کرنے میں کامیاب ہو جائیں جو پھل والے پیڑوں اور سبزیوں کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ Ladybird، a small round beetle عام طور پر سیاہ دھبوں کے ساتھ لال، بھورے رنگ کی greenfly کو ختم کرتی ہے جو ہمارے گلاب کے پودوں کو برباد کرتی ہے۔

کپڑے کی دیمک ایک اور کیڑا ہے۔ ہمارے گھر میں بہت نقصان پہنچاتی ہے۔ یہ اونی اشیا پر انڈے دیتی ہے اور جب چھوٹے چھوٹے بچے کیڑے جنم لیتے ہیں تو وہ کپڑوں کو کھا کر ان میں سوراخ کر کے برباد کر دیتے ہیں۔

ہر شخص تتلیوں کی تعریف کرتا ہے، جن میں کچھ تو حد سے زیادہ خوبصورت ہوتی ہیں، جبکہ دیمک سے اس کی بدصورتی کے سبب بڑی نفرت پائی جاتی ہے۔ لیکن بدصورت چیزیں بھی دلچسپ ہو سکتی ہیں اور کچھ دیمک تو تعجب خیز مخلوق ہیں۔ ایک قسم ایسی ہے جو پرانے بھورے پتے سے اس قدر مشابہ ہے کہ جب تک وہ حرکت نہ کرے اس کا پتا ہی نہیں چلتا۔ اس طرح یہ اپنے دشمنوں سے بچتی ہے۔ کچھ کیڑے اس پتے کے رنگ کے ہوتے ہیں جس پر وہ ٹھہرتے یا آرام کرتے ہیں۔ شہد کی مکھیوں کو جس قدر ہم جانتے ہیں، یہ ڈنک مارتی ہیں اور یہ اپنی حفاظت کے لیے نہیں ہے بلکہ ڈنک مارنے کے بعد شہد کی مکھی خود مر جاتی ہے۔ تو یہ ڈنک نہیں ہے بلکہ خوف ہے جو اس کی حفاظت کرتا ہے۔

ایک بہت ہی چھوٹا مگر خوفناک کیڑا ہے جس کو Antlion (چیونٹی شیر) کہا جاتا ہے۔ یہ عمدہ بالو یا دھول میں ایک سوراخ بناتا ہے اور اس کی نچلی سطح پر انتظار میں لیٹ جاتا ہے۔ جب کوئی دوسرا کیڑا، مثلاً معمولی چیونٹی، دوڑتا ہوا آتا ہے اور متجسس ہو کر کنارے پر رک کر دیکھتا ہے، تو بالو کھسک جاتا ہے اور وہ لازماً گر جاتا ہے۔ اسے یقینی بنانے کے لیے کہ یہ شکار کیڑا بچ نہ نکلے antlion اپنی گھات سے باہر دوڑ کر آتا ہے اور پیر مار مار کر بالو اس پر ڈال دیتا ہے۔ اس کے بعد وہ اس بدنصیب چھوٹی مخلوق کو گھسیٹ کر اپنے سوراخ میں لے جا کر اسے کھاتا ہے۔ اس سوراخ کے کنارے پر پھسلنے سے کوئی بچ نہیں سکتا ہے۔

کوئی یہ شکوہ نہیں کر سکتا ہے کہ دنیا غیر دلچسپ ہے۔ اگر ہم کچھ نہ کریں اور صرف کیڑوں مکوڑوں کا مشاہدہ کریں تو سبز روشنی والے جگنو سے لے کر اپنے گھونسلوں والی چھوٹی چیونٹیوں تک یا آدمی سے زیادہ اونچی دیوار تعمیر کرنے والی چیونٹیوں تک تو ہمارا ایک لمحہ بھی ناگوار نہیں گذرے گا۔

ان سطور میں جو ہلکی پھلکی باتیں آئی ہیں ان پر غور کرتے ہی ہمیں اللہ جل شانہ و عم نوالہ کے احسانات کو صحیح دل سے تسلیم کرتے ہوئے اس کا شکر ادا کرنے کا موقع نصیب ہوگا اور ہم بھی پکار اٹھیں گے سبحانک لاعلم لنا الاماعلمتنا۔

❁❁❁

کل قیامت کے دن جو کام نہ دے خواہ نماز و روزہ ہی کیوں نہ ہو دنیا ہے اور جو کام آجائے وہی آخرت ہے۔ (حضرت مخدوم جہاںؒ)

## نئی کتابیں

کتاب: مسند فقر و ارشاد
(تاریخ خانوادۂ کریمیہ تعیمیہ سلون)
مرتب: ڈاکٹر سید ظہیر حسین جعفری
ناشر: ساقی بک ڈپو، دہلی
سال اشاعت/ قیمت: 2003ء/ Rs. 500/-

ضلع رائے بریلی یوپی کا قصبہ سلون گیارہویں صدی ہجری میں قائم ہوئی خانقاہ کریمیہ کی وجہ کر شمالی ہندوستان کی تاریخ میں بلا شبہ زندۂ جاوید ہو گیا ہے۔ خانقاہ کریمیہ کی علمی و روحانی عظمت و برکت پر اجماع ہے بہار و بنگال سے اس خانقاہ اور خانوادے کا رشتہ کئی طرح سے رہا ہے۔ خانقاہ سلون میں سلسلہ چشتیہ کا جو چراغ روشن ہے وہ حضرت شیخ نور قطب عالم پنڈوی چشتی صاحب ولایت پنڈوہ ضلع مالدہ بنگال کا مرہون منت ہے۔ آپ ہی کے خلیفۂ نامدار حضرت شیخ حسام الدین مانکپوری کی اولاد میں ایک عظیم الشان بزرگ حضرت شاہ عبدالکریم مانکپوری نے خانقاہ سلون کے بانی مبانی حضرت شاہ پیر محمد سلونی (م 1099ھ) کو مالا مال فرما کر اس خانقاہ کی بنیاد ڈالی تھی۔ خانقاہ کریمیہ سلون کے روحانی منبع و ماخذ حضرت شاہ عبدالکریم حسامی مانکپوری ہی سے بہار کے چھپرہ کا محلہ کریم چک منسوب اور آباد ہے جہاں ان کی اولاد میں کئی نامور حکیم اور مشائخ کرام گذرے ہیں۔ اس کے علاوہ پٹنہ کے مشہور محلہ کرجی میں حضرت شاہ پیر محمد سلون بانی خانقاہ سلون کے ایک ممتاز خلیفہ حضرت شاہ معز الدین کورجوی کی خانقاہ عرصے تک آباد رہی تھی۔ اور اسی خانقاہ کے ذریعہ سلون کی خانقاہ کے فیوض و برکات پھلواری شریف کے مشہور خانوادۂ مجیبیہ میں بھی پہنچے ہیں۔ بہار میں مختلف مقامات پر آباد خاندان پیر دمڑیا بھی خانوادۂ سلون کا ممد ہے۔

ڈاکٹر سید ظہیر حسین جعفری کی یہ کوشش بلا شبہ قابل تعریف ہے انہوں نے اپنی اس کتاب میں قدیم و جدید مختلف اشخاص کے مضامین بڑی خوبی سے یکجا کر دیئے ہیں۔ ان کے مطالعہ سے خانقاہ سلون کی تاریخی، سماجی، روحانی علمی اور ملی تاریخ پر روشنی پڑتی ہے۔ ارباب خانقاہ سلون کی تالیفات کا تعارف گو تشنہ ہے لیکن مفید ہے۔ مختلف قلمکاروں کے مضامین ہونے کی وجہ کر بعض باتوں کی تکرار بھی کھلتی ہے اور تضاد بیانی بھی سامنے آتی ہے مثلاً قیس کردوی نے ص:43 پر حضرت شاہ پیر محمد سلونی کا سال پیدائش 994ھ تحریر کیا تو ص:51 پر احمد حسین جعفری صاحب نے 996ھ لکھا ہے۔ یہی حال حضرت شاہ پیر محمد سلون کے نسب نامے کا بھی ہے۔ صفحہ:43، 51، 145 اور 171 پر آپ کا نسب نامہ الگ الگ لوگوں نے لکھا ہے اور سب کو سامنے رکھنے پر تضاد بیانی پریشان کرتی ہے۔ کتاب خوبصورت ہے اور ترتیب اور تزئین بھی قابل داد ہے لیکن کمپوزنگ کی بعض غلطیاں پروف ریڈنگ کی جانب تن آسانی کی کا اشارہ کر رہی ہیں۔ ہاں یہ درست ہے کہ خواجہ حسن ثانی نظامی صاحب کی اس ہندی بولی کی مستی قاری کو بھی مست کر دیتی ہے:

کوو آئی سکھر پنہار کنوا ناوا منڈ چلا۔

شمیم منعمی

| | | |
|---|---|---|
| کتاب | : | کن فیکون (مثنوی) |
| شاعر | : | اسلم بدر |
| ناشر | : | نزہت پبلی کیشن، جمشید پور |
| سال اشاعت | : | مئی 2004ء |
| صفحات/ قیمت | : | 190/ 300/روپے |
| ملنے کے پتے | : | 1. مکان نمبر 38 روڈ نمبر 7، آزادنگر، جمشید پور۔ 2. آزاد کتاب گھر، سا کچی، جمشید پور۔ 3 ادارہ تمثیل نو، قلعہ گھاٹ، دربھنگہ |

کن فیکون قرآنی فقرہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی قدرت تخلیق آفاق و کائنات ظاہر ہے۔ یہ اہم حقیقت راز، معما اور چیستاں بن کر گونا گوں متضاد تشریحات کی شکل میں محدود رہی ہے، کیوں کہ مشاہدات و تجربات کے بعد اس واقفیت تک رسائی بشری استعداد سے پرے ہے، اور جو کچھ ممکن ہے وہ منطق کی اصطلاح میں تصور ہے۔ یقینی صورتحال یعنی تصدیق تک پہنچ محال ہے۔ کرۂ ارض سے وابستہ کرۂ آب، کرۂ ہوا، خلا، افلاک، ستاروں اور سیاروں کا علم جس حد تک بھی انسان نے حاصل کیا ہے وہ مشاہدات پر زیادہ اور تجربات پر اس قدر کم مبنی ہے جسے شاذ کہا جائے گا۔ تصور سے آگے توجہ کے لائق ایک منزل قیاس کی ہے۔ اس کی وجہ سے کبھی خوش فہمی اور کبھی کج فہمی کی کیفیت میں اصل کے کھو جانے کا خدشہ بنا رہتا ہے۔ دونوں انتہا سے نجات مل جائے تو بھی خالص ظن ہے۔ اسی وجہ سے انسانی حد تک علوم ظنی ہوتے ہیں۔

انسان فطرۃً متجسس واقع ہوا ہے اور اپنی حد تک نواح وحوالی میں موجودات کو جاننے کی پوری کوشش کرتا ہے۔ اسی فطری تجسس کے سبب اب تک واقفیت کے بہت سارے خزانے ہماری دسترس میں ہیں۔ جناب اسلم بدؔر کی شخصیت میں علم (سائنس) کا طالب اور شاعر دونوں اپنی اپنی بھرپور متغائر خصائص کے ساتھ جلوہ گر ہیں۔ علم کو شاعری سے جدا وسیلہ درکار ہے اور شاعر اپنی تمام ترجیحات کو شعر کے قالب میں ڈھالنا چاہتا ہے۔ شاعری کو اطمینان حاصل ہوتا ہے تو علم کو گھٹن محسوس ہوتا ہے اور علم ابہام وایہام سے پاک ہونا چاہتا ہے تو شاعری مجروح ہوتی ہے

شاعری میں علوم کے بیانیہ کے لیے مثنوی ہی مناسب ساخت ہے۔ جناب اسلم بدؔر نے بڑی مہارت کے ساتھ تکوین آفاق کے سلسلے میں اب تک رائج مذہبی، فلسفیانہ اور علمی (سائنسی) نظریات کا خلاصہ پیش کرنے کی بڑی ماہرانہ کوشش کی ہے۔ اس کوشش کے بارے میں خود فرماتے ہیں:

(i) بعض اشعار بھاگتی دوڑتی زندگی کی روزمرہ مصروفیتوں اور Real time سے ٹکرا گئے۔ نتیجتاً خود بھی زخمی ہوئے ہیں اور مجھے بھی زخمی کیا ہے۔

(ii) ...ابتدا/تخلیق کے موضوع پر خامہ فرسائی (شاعری) کرنے اور بھرام و گل اندام یا زہر عشق لکھنے میں جو فرق ہے وہ اس قدر واضح ہے کہ عیاں راچہ بیاں۔ پانچ مختصر اور مروج بحروں میں مختلف ابواب کی تخلیق ہوئی ہے... یہ پانچ بحریں پانچ مختلف ساز (یا ایک ہی ساز کے پانچ مختلف تار) ہیں جنہیں الگ الگ چھیڑیے تو جدا جدا Notes کی لہریں ابھریں گی، لیکن جب ہم آہنگ ہو کر ایک ساتھ بج اٹھیں گے تو ایک مکمل راگ یا

ایک طویل Symphony فضائے ذہن میں تیرنے لگے گی۔

مثنوی فیکون پر خود مثنوی نگار کا یہ تبصرہ بالکل واضح ہے۔ علم (سائنس) کی تشریح کے لیے ایک بحر کام نہ آسکی تو پانچ بحروں کی گنجائش نکالی گئی، مگر شاعرانہ مہارت سے شعری ہم آہنگی برقرار رکھنے کی کوشش پوری طرح کامیاب ثابت ہوئی۔ میں نے پوری مثنوی کے ایک ایک شعر کو پڑھا اور اسی طرح کے تجربات سے گذرا جن کا شاعر نے دعویٰ کیا ہے۔

میں شاعر اور دانشور دونوں کو مبارکباد پیش کرتا ہوں کہ مختلف مذاہب اور بہت سارے فلسفیوں کے خیالات ونظریات اور علمی تحقیقات ومشاہدات کا ایک ایسا شامہ بنا کر پیش کیا ہے جس کے لیے ہر عالم ودانشور قاری انہیں داد دے گا۔ اسلام اور قرآن شریف کا واضح موقف پیش کر کے علمائے اسلام کو لب کشائی سے بچا لیا ہے۔

ترتیب، املا، ہم آہنگی، خود سے اختلاف اور عربی الفاظ نیز فقروں کے تلفظ میں لغزشوں کی فہرست بھی لمبی ہے۔ اس فہرست کی یہاں گنجائش نہیں ہے، اگر اللہ کی توفیق شامل حال رہی تو شاعر کو بھیج دی جائے گی تا کہ آئندہ تصحیح کر لی جائے۔

پوری مثنوی کے 51 عناوین 12 نادر معلومات افزا تصاویر، ڈاکٹر شکیل الرحمٰن، سید احمد شمیم، حیدر قریشی اور کرامت علی کرامت کے قابل قدر آرا اور تجزیات شاعر کے مقام وفن کو مزید سمجھنے اور سمجھانے کی دعوت دیتے ہیں۔ کاغذ بہت ہی عمدہ، کور بڑا ہی دلکش اور طباعت بہت ہی رنگین ہے۔ کتاب کا ظاہر اس قدر جاذب نظر ہے کہ قیمت کوئی زیادہ نہیں لگتی ہے۔ شعری مجامیع میں یہ ایک دیدہ زیب مرقع ہے جس سے ہر عوامی اور ذاتی کتبخانے کی زینت میں اضافہ ہوگا۔ احباب کے لیے یہ عمدہ تحفہ بھی ہوسکتا ہے۔

شفیع

| | | |
|---|---|---|
| کتاب | | صحیفہ حمد کا |
| شاعر | : | اجمل نقشبندی |
| ناشر | : | حنا پبلی کیشنز، نئی دہلی |
| سال اشاعت | : | 2000ء |
| صفحات/ہدیہ | : | 80 / دعائے خیر |

جناب محمد بدرالدین اجمل نقشبندی شہرآہن، جمشید پور کے مشہور شاعر سعودی عرب سے وابستہ رہے ہیں۔ ان کے چار مجامیع نعت شریف شائع ہو چکے ہیں اور پانچواں مجموعہ چار سال قبل زیر طبع تھا۔ زیر تبصرہ مجموعۂ کلام میں حمد وثنا کے ساتھ مناجات نیز قرآن شریف کی پانچ معروف چھوٹی سورتوں، دو کلمات شہادت اور تین آیات کے منظوم ترجمے شامل ہیں۔ ابتدا میں پروفیسر واصل عثمانی اور نسیم سحر نے حمد اور شاعر کے فن پر روشنی ڈالی ہے۔ مجموعۂ کلام کا نام حسب ذیل شعر سے لیا گیا ہے

وادیٔ دل میں اگر پھوٹے شگوفہ حمد ● قریۂ جاں میں اتر آئے صحیفہ حمد کا

بڑے تکلف کے ساتھ مجموعۂ کلام کو ترجمے، حمدیے، ثنائیے، دعائیے اور مدحیے کے ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے، مگر ترجمے کے علاوہ کسی باب کے ذیل میں خالص اسی سے وابستہ منظومات نہیں ہیں۔ حمد سے ثنا کو الگ باب میں رکھنا بھی سمجھ سے باہر ہے۔ بلغ العلی بکمالہ پر تضمین، حی علی الصلوۃ اور زائرین عمرہ و زیارت سے

کومد حیے کے زیرعنوان لانا بھی بالکل غیر منطقی ہے۔ یہی حال حمدیے کے زیرعنوان منظوم نمبر 6، 11، 16، 18 اور 23 کا ہے کیوں کہ ان کا تعلق مناجات، شکایت روزگار اور زیارت کعبہ سے ہے۔

بہرحال 80 صفحات میں سے 51 صفحات پر تین سو سے کچھ زیادہ اشعار میں شعری خوبیاں موجود ہیں۔ اظہار جذبات میں روانی اور برجستگی بھی ہے۔ نمونے کے طور پر صرف دو شعر ؎

روشنی، تیرگی، حیات، ممات ۞ تیری قدرت کے استعارے ہیں
نام لیتے ہی روشنی پھیلی ۞ ذہن میں خوشبوؤں کے دھارے ہیں

جا بجا فنی خامیاں بھی ہیں مثلاً ؎

فضل تیرا ہے ہر جز و کل پر ۞ لطف سب پر ہے صبح و شام ترا

پہلے مصرع میں جزْ بہ معنی سوا کا استعمال ہوگیا ہے۔ یہاں جُزْوُ متضادِ کل آنا چاہیے تھا۔ اسی طرح:

نیت ثنا تعوذ سے بسم اللہ سے شروع ۞ سجدے بھی ہیں قیام بھی ہیں اس میں ہیں رکوع
قبلہ بھی ہے ضروری ہے لازم خشوع خضوع ۞ سب سے عظیم تر ہے خدا ہی کی بارگاہ
حی علی الصلوٰۃ و حی علی الفلاح

اس بند میں (1) تعَوُّذ بدل کر تعَوُذ ہوگیا ہے۔ (2) خشوع سے 'ع' وزن سے باہر ہے۔ (3) بارگاہ کا قافیہ الفلاح لایا گیا ہے۔

اس مجموعۂ کلام کا تعلق عبادت سے ہے۔ ثواب یقیناً ہوگا اور خدا کی مرضی بھی حاصل ہوسکتی ہے، مگر سب سے قیمتی بات یہ ہے کہ اس کا ھدیہ صرف دعائے خیر ہے۔ جو لوگ یہ ہدیہ ادا کرسکتے ہوں شاعر سے مجموعۂ کلام طلب کرسکتے ہیں۔

شفیع

کتاب : شکیل الرحمٰن اور مولانا رومی کی جمالیات
مرتب : محمد صدیق نقوی
ناشر : صفدر پبلی کیشنز، ہاؤسنگ پیٹ، ادونی (A.P.)
سال اشاعت : 2003ء
صفحات/ قیمت: 248/ 300 روپے
تقسیم کار : زالی دنیا پبلی کیشنز، 358A، بازار دہلی گیٹ، دریا گنج، نئی دہلی-110002

جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، یہ ڈاکٹر شکیل الرحمٰن کی مشہور کتاب، مولانا رومی کی جمالیات پر، بہ شمول مرتب، 23 بیش بہا تنقیدی مقالات کا مجموعہ ہے۔ شروع میں پروفیسر انیس امام اور ڈاکٹر عبدالمنان طرزی کی رباعیات و قطعات تاریخ طبع کتاب نیز کاوش بدری، ڈاکٹر عبدالمنان طرزی، علیم صبا نویدی اور پروفیسر انیس امام کی شعری تقریظ ہے۔ سب سے پہلے مرتب کی جانب سے ابتدائیہ اور پیش لفظ کے 12 صفحات ہیں۔ پیش لفظ میں مقالات کا تعارف قاری کے لیے حسب ذوق

انتخاب قرأت میں معاون ہے۔ مرتب فرماتے ہیں: "مولانا رومی کی جمالیات پر بائیس اہل قلم حضرات نے اپنی تنقیدی بصیرت کی روشنی ڈالی ہے۔۔۔ مولانا روم کی جمالیات کے ذریعہ بلند اخلاقی اور مذہبی معیارات کو عوام تک پہنچانے کی کامیاب ترین کوشش ہے۔ مولانا رومی کا فلسفۂ حیات، جس کی بنیاد جمالیاتی فکر پر مبنی ہے، یہ درس دیتا ہے کہ کائنات کا جمال زندگی کے جمال میں مضمر ہے اور زندگی کا جمال فکر کے جمال پر منحصر ہے۔ ہمارے اکثر نقادوں نے مولانا رومی کی جمالیات کے حوالے سے شکیل الرحمٰن کے اس نقطۂ نظر کی وضاحت کی ہے۔" ان مقالہ نگاروں میں منظور الامین، ڈاکٹر عتیق احمد صدیقی، پروفیسر سلیمان اطہر جاوید، پروفیسر ماجدہ اسد، اقبال انصاری، پروفیسر علیم اللہ حالی، پروفیسر محمود عالم، ڈاکٹر اختر یوسف، ڈاکٹر رضوان احمد اور ڈاکٹر ممتاز احمد خاں، وغیرہ کے نام شامل ہیں۔ تمام مقالات اپنی اپنی جگہ کافی اہم ہیں۔ تنقید و تبصرے میں اختلاف کی بڑی گنجائش ہوتی ہے، مگر اس سے قبل پورے مقالے کو سنجیدگی سے پڑھنا اور مفہوم پر دیانت داری کی نظر رکھتے ہوئے توثیق و تردید کا عمل قابل قبول ہوتا ہے۔ مرتب نے ایک اہم کارنامہ انجام دیا ہے تاکہ قارئین ان مقالات کو دلچسپی سے پڑھ سکیں اور جمالیات کی مزید تشریح ہو سکے۔

آخر میں ایک تاریخی دستاویز کی شکل میں مرتب کے ذریعہ ڈاکٹر شکیل الرحمٰن کا Interview بھی شامل ہے جو ہمارے سامنے (ڈاکٹر شکیل الرحمٰن) کے نکات و افکار کو سمجھنے کے لیے بہت اہم ہیں۔ کمپوزنگ، کاغذ، طباعت اور سرورق عمدہ ہے۔ کتاب کے دونوں جانب تصاویر کا اہتمام بڑا جاذب نظر ہے۔

تبصرہ

اهل قلم حضرات سے گزارش ہے کہ اپنے مضامین (خوشخط ورق کے صرف ایک جانب) یا کمپیوٹر سے کمپوز کرا کے ارسال فرمائیں۔

نوائے مخدوم میں اشاعت کے لیے اسلامیات کے ساتھ ساتھ طبی، سائنسی، تاریخی، عمرانی اور کسی بھی علمی مضمون کا معتدل اور متوازن خیالات پر مشتمل ہونا لازمی ہے۔ اختلافی موضوعات سے گریز اور اتحاد بین المسلمین، اکرام مسلم نیز احترام انسانیت کی پاسداری بھی ضروری ہے۔ (ادارہ)

# مکتوبات

مخدوم کا شمارہ نمبر:5-4 (جو انوارِ مخدوم کا پہلا شمارہ بھی ہے) میرے سامنے ہے۔ صوری اور معنوی دونوں اعتبار سے شمارہ بے حد کامیاب ہے۔ مشمولات معیاری، علمی اور بصیرت افروز ہیں۔ جنابحضور سید شاہ امین احمد ثبات وشوق فردوسی کا گوشہ بے حد اہم ہے اس لیے کہ اس سے قبل تک قاری آپ کی شاعرانہ عظمت سے واقف نہیں تھا۔ ان کے کلام کا ضائع ہونا ایک عظیم نقصان ہے۔ کاش بقیہ کلام بھی دستیاب ہوسکتا!

دیگر مضامین میں قرآن فہمی کی ایک جھلک میں سورۃ الانشراح کی تفسیر اور مختلف مفسرین کے حوالے سے الفاظ کی تشریح بہت ہی عالمیانہ انداز میں کی گئی ہے اور اس کے لیے مصنف قابل مبارکباد ہیں۔ امید ہے یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ حضرت مخدوم جہاں کے مکتوبات کی اشاعت کا سلسلہ بھی جاری رہنا چاہیے۔ محمد شفیع الرحمٰن صاحب نے بڑے خلوص سے اداریہ لکھا ہے۔ خدا کرے توسیعِ علم کی کوششیں بارآور ہوں۔

حضرت مخدوم کی فقہی بصیرت پر مفتی مطیع الرحمٰن رضوی صاحب کا مضمون بصیرت افروز ہے۔ شمیم منعمی صاحب کا سلسلہ وار سفرنامۂ حجاز بے حد دلچسپ اور موثر ہے۔ دراصل دماغ سے لکھی ہوئی تخلیق اور دل سے لکھی ہوئی تحریر میں فرق ہوتا ہے۔ شمیم صاحب نے دل کو رہنما کیا ہے اسی لیے قاری پڑھتے ہوئے خودگم ہو جاتا ہے۔ مگر اس قدر مختصر کیوں؟ تشنگی بڑھانا چاہتے ہیں؟ یا ''دیتے ہیں بادہ ظرف قدح دار دیکھ کر''؟

شفیع مشہدی

F-1, Grand's Pallavi Court, Judges Court Road, Patna-800004, Ph: 2301979

انوارِ مخدوم (چوتھا اور پانچواں) شمارہ موصول ہوا۔ سرورق دیکھ کر ہی طبیعت مسرور اور مرعوب ہوئی۔ عجب عالمانہ شان ہویدا ہے۔ تبرکات کا اہتمام اور تزئین جتنی داد دی جائے کم ہے۔ نظر ہٹتی نہیں۔ کیوں کر ہٹے جب دل مانتا ہی نہ ہو کہ اس کے انوار سے لمحہ بھر بھی محرومی ہو۔ نام کا انتخاب انوارِ مخدوم رسالہ کے شایانِ شان ہے۔ تمام احباب نے تہ دل سے تعریف وتوصیف کی اور آپ سبھوں کو مبارکباد بھی۔

مندرجات حسب توقع بہت معیاری، فکرانگیز اور بے حد مفید ہیں۔ آپ کا مضمون قرآن فہمی کی ایک جھلک سورۃ الانشراح کی روشنی میں سابقہ شمارہ میں مطبوعہ سے جدا اور اعلیٰ ہے۔ قرآن فہمی کی ایسی تعلیم عصر حاضر کا تقاضا ہے جب کہ عموماً اسلوب، ذہن اور عقل کو متاثر کرتے ہیں اور قلب ہنوز تشنہ اور شاکی رہ جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ذوق وشوق کا وہ عالم نہیں ہوتا جتنی کہ کوششیں کی جارہی ہیں۔ یہ الفاظ دگر حال بے حال ہی رہتا ہے اور فکر وعمل پر وہ اثرات مرتب نہیں ہو پاتے جو روحانی تقویت میں ممد ومعاون ثابت ہوسکیں۔

آپ نے اپنے مضامین میں جس طرح مفسرین اور مفکرین کی آرا کو سمیٹا ہے اس کی جامعیت بہت متاثر کرتی ہے۔ اس سے مضمون بہت دلپذیر بن گیا ہے۔ صفحہ 26-25 پر خصوصاً آپ کا دل دھڑکتا نظر آتا ہے۔ کیا جوش ہے! کیا صدائے دل ہے کہ بازگشت معدوم نہ ہو پائے گی۔ صفحات کی تنگ دامنی پیش نظر نہ ہوتی تو شاید ایک کتاب مکمل ہوجاتی۔ آپ کا مسکراتا ہوا چہرہ اور لبوں سے نکلتے ہوئے شگفتہ الفاظ کو یاد کرتا ہوں تو ہماری اُنسیت حدِ ادب سے گذرنے لگتی ہے لیکن جب یہ مضمون خاص کر یہ صفحات دل سے گذرے تو بہت خائف ہوا شاید اس کا رعب ہی ایسا ہے کہ مؤدب ہوگیا۔ اس اعتراف کا اعادہ کروں تو تکرار نہ ہوگا کہ آپ سبھوں کی کاوش نے ہمیں بڑی عزت اور یقیناً دیگر قلمکاروں کو روایتی اسلوب سے گریز کرتے ہوئے صفحۂ قرطاس پر نوک قلم سے لہو ٹپکانے سے پہلے اپنے دل کو زخمی کرنے کی جہد کرنا پڑے گی۔

محترم شفیع صاحب نے اپنے اداریہ میں جس خلوص دل سے ہمیں اور ہمارے احباب کو دعاؤں سے نوازا ہم سب از حد ممنون و مشکور ہیں اور آپ سبھوں کے لیے بھی ہم نے جزائے کثیر کی دعا کی۔ دراصل جو کچھ بھی ہو رہا ہے اور جو ہوتا ہے سب کچھ فضل الٰہی، حضور ﷺ کی نظر عنایت، مخدوم جہاں کا فیضان، تمام شیوخ اعلیٰ مرتبت کی توجہ خصوصی اور آپ سبھوں کی دعاؤں ہی کے طفیل ہے۔ جناب شفیع صاحب کا اداریہ بہت معصومیت کے ساتھ شمشیر برہنہ کی طرح ہماری غفلتوں پر لپکتا جھپکتا ہوا نظر آتا ہے۔ ان کی مناجات قدر یہ جو شب قدر میں موزوں ہوئی اس رات کی تجلیات سے پرنور ہے۔ عقل کی کاوش ہوتی تو تعریف کرتا۔ لیکن قلم کسی اور کے ہاتھ میں ہو تو یہی کہ سکتے ہیں کہ حضرت جی غمسکار!

جناب محترم مفتی محمد مطیع الرحمن رضوی کی کاوش بعنوان مخدوم جہاں کی فقہی بصیرت مکتوبات و ملفوظات کی روشنی میں بہت قیمتی اور گرانقدر ہے۔ ایسی فضا میں جب کہ صوفیائے کرام پر اس حوالے سے شک وشبہ کا برملا اظہار ہوتا ہے یہ ان تمام لاعلم حضرات کے لیے سندی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ کیا خوب کہ مفتی صاحب اس نہج پر مزید کاوشیں کریں کیوں عبادت میں حسن ادا اور اس کے تقاضے سے اکثریت لاعلم ہے اور لاعلمی کی وجہ سے افادیت سے محروم بھی۔

حضرت حاجی سید شاہ عطا حسین منعمی فانیؔ کا مضمون مولود شریفی کا دوسرا حصہ بہت ذوق وشوق سے زیر مطالعہ رہا۔ معلومات کے اعتبار سے بہت قیمتی ہے اور اسلوب کے لحاظ سے کمال درجہ کی چاشنی لیے ہوئے ہے۔

محترم مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری صاحب کا مضمون مخدوم جہاںؒ اور پھلواری شریف بہت قیمتی معلومات سے مزین اور اس علاقہ سے تعلق رکھنے والے یقیناً اس کی بے حد پذیرائی کریں گے۔ وقت اور فاصلے نے حقائق کو دھندلا دیا ہے۔ ایسے میں یہ کاوش بجھ یوں ہے جیسے — گئی رُتوں کی بھیڑ میں ہوں چپکے چپکے روتا ہوں (نگار صہبائی مرحوم)

اعلیٰ مرتبت مولانا طیب عثمانی ندوی کی کاوش تصوف کی حقیقت مکتوبات و ملفوظاتِ مخدوم جہاںؒ کے تناظر میں معرکۃ الآراء ہے۔ بہت جامع انداز میں اس موضوع کی تشریح وتوضیح کی گئی ہے۔ یہ انہیں کا حصہ۔ اور وہ تمام حضرات اور خاص طور پر عوام جو علم تصوف کے حصول سے گھبراتے ہیں، فراہم کردہ یہ مستند معلومات ان کی تشفی اور اطمینان کا باعث بنیں گے۔ یقیناً تصوف کمال حسن کے ساتھ اتمام سنت کا نام ہے۔ لیکن لوگوں کو کچھ اور سمجھا دیا گیا ہے۔

جناب ڈاکٹر سید محمد انصاری کا مضمون مخدوم جہاں کے صوفیانہ افکار اور اس کی دوسری قسط (جس کا شدید انتظار تھا) ذوق وشوق سے پڑھا گیا۔ ایسی کاوش وقت کا تقاضا تھا۔ تربیت کا فقدان ہے لہٰذا ایسی اصطلاحات کی تشریح از حد ضروری ہے ورنہ مکتوبات اور ملفوظات پڑھتے جایئے اور بسا اوقات قاری اپنی لاعلمی کی وجہ کر الجھ کر رہ جاتا ہے۔ اُمید ہے کہ ڈاکٹر صاحب اپنی کوششوں سے ہمیں نوازتے رہیں گے۔

عزت مآب سید شاہ شمیم الدین صاحب اب تک ہمیں ساتھ ساتھ رکھے ہوئے ہیں۔ یوں گھر بیٹھے ہم حج کر رہے ہیں بلا سے خاک دوا اُڑایا کریں۔ شاہزادہ کی ولادت پُر سعادت پر سوچتا ہی رہ گیا کہ ٹیلیفون پر مبارکباد دوں گا۔ لیکن ہائے یہ تساہلی! خط کے ذریعہ ہی سہی۔ خوشی کی بات ہے کہ حضرت کے لیے بچہ سے بھی کھیلنے کے دن آگئے۔ انسان تین وقتوں میں عجب حرکتیں کرتا ہے۔ اول تنہائی میں، دوئم آئینہ کے سامنے اور سوئم بچہ سے کھیلتے ہوئے۔ سوچتا ہوں کہ شمیم بابو اُس وقت کیسے لگتے ہوں گے۔

ڈاکٹر امتیاز صاحب کا مضمون ابن بطوطہ کا سفرنامۂ چین و اندلس معلومات کے لحاظ سے دلچسپ اور مفید ہے۔ قارئین میں بہت سراہا گیا۔ شومئ قسمت، یہ سلسلہ اتمام کو پہنچا۔ اُمید ہے کہ ڈاکٹر صاحب ایسی کاوش کو ترک نہیں کریں گے۔

امیر خسروؔ دہلوی کے ایک شعر کی شرح میں ڈاکٹر سید حسن عباس کی بہت پُرمغز اور گرانقدر کاوش ہے۔ پڑھ کر بہت

مسرور اور متحیر ہوا۔ کیسے کیسے لوگ تھے۔

جنابحضور سید شاہ امین احمد ثباتؔ وشوقؔ فردوسیؒ کے روحانی اور علمی مرتبہ کو جان کر سر فخر سے اونچا ہوگیا۔ ہماری معلومات بس تاریخ سلسلۂ فردوسیہ کی حد تک تھیں۔ اس احسان کا کیا بدل ہوسکتا ہے سوائے ہر قلمکار کے لیے جزائے کثیر کی دعا۔ اردو زبان جس میں جنابحضورؒ کے بقول کم کم جہد کی ہے لیکن اُسے پڑھ کر حضرت کے حسنِ ادا، روزمرہ کے محاورے کی برجستگی اور بول چال کی زبان کو مدھ بھرے انداز میں شعر کے قالب میں ڈھال دینا ایسے ہی استادِ وقت کا طرۂ امتیاز رہا ہے۔ صفحہ 300 پر شعر 41 ملاحظہ فرمائیے:

اس صنم کے دیکھنے کی بھی مناہی ہوگئی ❁ کیسی قسمت کی برائی یا الٰہی ہو گئی

بول چال کا یہ لفظ مناھی الٰھی کے ساتھ مربوط ہو کر کیسا شان والا بن گیا۔ ورنہ...

محمد شرف الدین فردوسی
Karachi, Pakistan

اپنے چھوٹے صاحبزادے عزیزی خاتم رضا ایڈوکیٹ، پٹنہ ہائی کورٹ کے توسط سے مخدوم کا تین شمارہ پہلے ملا تھا۔ چوتھا اور پانچواں شمارہ انوارِ مخدوم کے نام سے شائع ہوا اور مجھ تک پہنچا جس میں اپنا خط پڑھ کر خوشی ہوئی کہ آپ نے اس ناچیز کی آراء کو قابل اشاعت سمجھا۔ نامِ جریدہ میں انوار کا اضافہ معنی خیز بھی ہے اور معقول بھی۔ اس شمارہ کو آپ نے جنابحضور شاہ سید امین احمد ثباتؔ وشوقؔ فردوسی رحمۃ اللہ علیہ نمبر کے نام سے شائع کر کے جہاں سلسلہ مخدومیہ کو تقوین وتقدیس فرمائی ہے وہیں ہم جیسے خادمانِ ادب کی تشنگی کو بھی سکون بخشا ہے۔ سید شاہ امین احمد کس قدر بلند پایہ شخصیت کا نام ہے اس کا صحیح اندازہ ادبی طور پر، اس خاص نمبر سے بخوبی ہوجاتا ہے۔

اب تک میں ادبی طور پر تین ہی شوقؔ سے واقف تھا (1) شوقؔ قدوائی (2) نواب مرزا شوقؔ اور (3) شوقؔ نیموی۔ اور تینوں ہی شعراء بالخصوص مثنوی نگار تھے۔ شوقؔ نیموی کے ساتھ ساتھ شوقؔ فردوسی بھی سرزمین بہار سے وابستہ تھے۔ یہ جان کر دوہری خوشی ہوئی کہ شوقؔ فردوسی اردو کے لمرلگو اور فارسی کے ثباتؔ فردوسی مثنوی نگار تھے۔

شوقؔ کو مختلف مضامین میں مختلف حضرات نے سجادہ نشینی کے مختلف نمبروں سے یاد کیا ہے۔ مثلاً ڈاکٹر سید شاہ علی ارشد شرفی نے انہیں بیسواں سجادہ نشین (صفحہ:203)، ڈاکٹر وصی اختر نے اپنے مضمون (صفحہ:243) میں اکیسواں، جناب متین عمادی نے اپنے مضمون (صفحہ:304)، بائیسواں اور جناب ایس. مشہدی نے اپنے مضمون (صفحہ:290) میں تیسواں سجادہ نشین قرار دیا ہے۔ ان تمام حضرات کے مضامین پڑھنے کے بعد مجھ جیسا کم علم جو سلسلۂ سجادہ نشینی سے بالکل نابلد ہے، طے کرنے سے قاصر ہے کہ آخر کون سا نمبر صحیح اور قابل قبول ہوسکتا ہے۔ ویسے 20، 21، 22، اور 23 نمبر کی تفریق سے ان کی بزرگی اور ادبی پوزیشن میں کوئی نمایاں فرق نہیں آتا، پھر بھی آپ اس معمہ کو حل کر دیتے تو بہتر تھا۔

اتنا ضخیم اور کارآمد شمارہ نکالنے کے معوبت وجانفشانی کے صلہ میں مبارکباد کا لفظ کافی چھوٹا پڑتا ہے لیکن مجبوری ہے ایک گدائے ادب کی جھولی میں اس کے سوا ہوتا بھی کیا ہے؟! اپنی بات سے مکتوبات تک کا سفر میں نے تقریباً بیس دنوں میں طے کیا، سچ جانیے ہر جگہ سے بس یہی صدا بلند ہوتی محسوس ہوئی کہ جا اینجا است ـــــــ تفصیل کے لیے دفتر چاہیے۔

؎ کوئی تقدیس کرے کوئی پڑھے تسبیحیں ❁ علم آدم کو فرشتوں سے بڑھا دیتا ہے

آپ کا یہ ارشاد کافی معنی خیز اور دور رس ہے لیکن آج کا علم آدم کو فرشتوں سے بڑھاتا نہیں بلکہ عزازیل کو ابلیس بھی بنا دیتا ہے۔ آج کا علم امریکی روپ اختیار کر کے پوری انسانیت کے لیے باعث تشویش ہو رہا ہے۔ وہ علم جس سے آدم مسجود ملائک ہے سچا علم ہے اس سلسلے میں آپ نے ساری باتیں واضح کر دی ہیں علم سینوں میں ہوتا ہے نہ کہ لکھی ہوئی سطروں میں ——— بڑا ہی معنی خیز اشاراتی جملہ ہے۔ پروفیسر عبدالمغنی اور جناب ایس شفیع مشہدی نے شوق بہاری کی اردو شاعری سے ——— کی ہے جو مختصر بھی ہے اور تشنہ بھی۔ صحت اور وقت نے ساتھ دیا تو انشاء اللہ شوق بہاری کی 48 غزلوں کو سامنے رکھ کر تفصیلی گفتگو کروں گا۔ جناب ایس شفیع مشہدی کی طرح مجھے بھی اپنی فارسی نادانی کا افسوس ہے۔ زبان کا زمانہ ہوتا ہے اور جس زمانے میں ہماری پرورش و پرداخت ہوئی، اس زمانے میں فارسی کی بساط الٹ چکی تھی۔ آج کے بچے تو ہمیں اس لیے بھی نادان گردانے لگے ہیں کہ ہمیں ہندی نہیں آتی۔

خدا کرے انوار ہر سو ضیاء بار رہے آمین!!

پروفیسر راحت حسین
Prof. Rahat Hussain, Retd. Professor (Urdu), B.U. Muzaffarpur, Vidhayak Colony, Rampara, Katihar

سہ ماہی انوار مخدوم کا مشترکہ شمارہ (جناب حضور سید شاہ امین احمد رحمۃ اللہ علیہ آیت ثبات و شوق فردوسی نمبر) جنت نگاہ بنا۔ صورتی اور معنوی دونوں لحاظ سے ع زیب دیتا ہے اس جس قدر اچھا کہیے سرورق پر مرقوم جناب حضور کے فارسی کے نعتیہ اشعار صاحبان ذوق کے قلب و روح کی طہارت، تازگی اور توانائی کا سامان فراہم کرتے ہیں نہایت روح پرور اور ایمان افروز اشعار ہیں۔ یہ بار بار پڑھنے پر بھی سیری نہیں ہوتی۔ آپ کی مناجات قدرے بھی بہت پُرسوز پُر درد اور رقت انگیز ہے۔ مولا کریم اس کو شرف قبولیت بخشے۔ آمین!

دیگر مضامین و مشمولات میں حضرت سید شاہ سیف الدین صاحب کی تفسیر سورۂ الم نشرح بہت ہی عمدہ اور معلومات افزا ہے۔ انہوں نے اپنے موضوع کے..... اور ناعلیہ پر حتی القدور بھر پور روشنی ڈالی ہے۔ یقیناً اس سے قرآن فہمی کی راہیں ہموار اور استوار ہوں گی۔ ان سے درخواست ہے کہ اس نورانی سلسلہ کو جاری رکھیں۔ مکرمی سید شاہ شمیم الدین احمد منعمی نے لڑکیوں کی پرورش و پرداخت کی افادیت سے متعلق حدیث پاک کی شرح بڑے دل نشیں پیرائے میں کی ہے۔ اصلاح معاشرہ کے سلسلہ میں اس مضمون کی احادیث کی اشاعت تحریر و تقریر کے ذریعہ بکرار ہونی چاہیے۔ حضرت مخدوم جہاں رحمۃ اللہ علیہ کی فقہی بصیرت کے موضوع پر حضرت مفتی محمد مطیع الرحمٰن کی تحریر تو بڑی اہمیت و افادیت کا کیا کہنا۔ حضرت مفتی صاحب نے بڑے سلیس اور نفیس انداز میں حضرت مخدوم جہاں کے فقہی ارشادات و فرمودات کو فقہ حنفی کی معتبر اور مستند کتابوں سے مستحکم اور مدلل کیا ہے۔ حضرت مخدوم جہاں کے احوال و مصارف سے متعلق مولو وشرفی بہت ہی اہم اور قابل قدر تذکرہ ہے۔ اس کی اشاعت عام ہونی چاہیے تاکہ نئی نسل ان کے حالات و مقامات سے روشناس ہو سکے۔ ترجمۂ مخ المعانی بھی مکمل ہو جانے کے بعد کتابی شکل میں آنا چاہیے۔ مخدوم جہاں اور پھلواری شریف کے تعلقات پر مولانا سید شاہ بلال احمد قادری نے بڑا گرانقدر مضمون تحریر فرمایا ہے۔ تاریخی اور تحقیقی دونوں لحاظ سے اس کی اہمیت مسلم ہے۔

حضرت سید شاہ شمیم الدین منعمی کا سفرنامۂ حج کی دوسری قسط بھی بڑے ذوق و شوق سے پڑھی۔ ہر زائر حرم کو اسے بار بار پڑھنا چاہیے تاکہ سفر حج میں پیش آنے والی کن دشواریوں سے وہ بچ سکے۔ ڈاکٹر امتیاز احمد کی تحریر ابن بطوطه کا سفرنامۂ چین و اندلس بہت ہی دلچسپ ہے اس کے مطالعہ سے ذہنی افق روشن ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر سید حسن عباس نے حضرت امیر خسرو کے ایک شعر کی مختلف شرحوں سے متعلق اہم معلومات فراہم کی ہیں۔ مولانا طیب عثانی نے حضرت مخدوم جہاں رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات و ملفوظات کے حوالے سے تصوف کی

حقیقت کی بڑی خوش اسلوبی سے اُجاگر کیا ہے۔ جناب ڈاکٹر امجد رضا خاں نے ابھی اپنا مقالہ بڑی محنت سے لکھا ہے۔ اور اپنے موضوع کے لیے وہ پورا پورا انصاف کیا ہے۔

جنا بحضور کے احوال و مقامات علم و فضل اور علمی و ادبی کارناموں سے متعلق تمام اہل قلم حضرات نے اپنے اپنے ذوق و ظرف کے مطابق جمع کر لکھا ہے۔ لیکن اس کے باوجود اس منبع برکات اور مقبول بارگاہ شخصیت کا ابھی ادنیٰ حق بھی نہیں ادا ہو سکا ہے۔ میری تجویز ہے کہ حیات ثبات مؤلفہ حضرت سید شاہ نجم الدین احمد فردوسی کو علحدہ کتابی شکل میں خانقاہ معظم کی طرف سے شائع کرا کر مفت تقسیم کرایا جائے۔ یہ جنا بحضور کی خدمت میں بہترین خراج تحسین اور نذرانہ عقیدت ہوگا۔ لیکن موجودہ صورت میں بھی اس نمبر کو ہم دستاویزی حیثیت کا حامل کہہ سکتے ہیں۔

پروفیسر فاروق احمد صدیقی

Professor F.A. Siddiqui, Professor's Quarters, L.S. College Campur, (Near Pani Tanki) Muzaffarpur-842001

## تعریف و توصیف کا حامل مشترکہ شمارہ انوارِ مخدوم

سہ ماہی انوارِ مخدوم کے قارئین کرام گذشتہ شمارے کی خواندگی کے بعد منتظر رہے ہوں گے کہ دیکھیں چوتھا کا شمارہ کیسے تحائف لے کر آتا ہے۔ مشترکہ شمار (5-4) کا سرورق مایۂ ناز منظوم تخلیق سے آراستہ ہے۔

عظیم العطایا جزیل الکرم۔ مُزیل الخطایا کفیل الامم پوری سطر میں دونوں شعر عربی میں

برآل و بر اصحاب و احباب ہم۔ بر آں قبۂ سبز و ابواب ہم۔ قارئین کرام کا آئینہ بصیرت آبِ روانِ خیر و برکت سے دھل کر مصفا ہو سکتا ہے۔ اب آیئے صفحات دروں کے تعارف کی باتیں ہو جائیں۔ خوان پر نعمت سے آگے بڑھیں تو اداریہ سے خانقاہ مخدوم جہاںؒ کی روحانی و تعلیمی سرگرمیاں تک گلستانِ سدا بہار کے گل بوٹے مشام جاں کو معطر کرتے محسوس ہوں گے۔ 320 صفحات پر مشتمل یہ مشترکہ سہ ماہی چالیس عنوانات اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے۔ صفحہ 5 پر اداریہ اپنی بات بہ نظر غور سے پڑھیں اور اپنے تاثرات کا جائزہ لیں ؎

کوئی تقدیس کرے کوئی پڑھے تسبیحیں ۞ علم آدم کو فرشتوں سے بڑھا دیتا ہے

علم غیب کی خبر دیتا ہے اور معراج والا بنا دیتا ہے۔ صفحہ 10 پر ایمان کی صداقت پڑھ کر مکتوبات صدی کی ایک جھلک آپ دیکھ لیں گے۔ 91 اشعار پر مشتمل مدیر محترم کی تخلیق مناجات قدریہ پیش نظر ہوگی۔ اس میں مدیر انوارِ مخدوم کی آرزوؤں اور تمناؤں سے ہم قارئین کی خواہشات جڑی ہوئی ملیں گی۔ صفحہ 19 سے قرآن فہمی کی ایک جھلک حضرت سید شاہ محمد سیف الدین فردوسی (سجادہ خانقاہ معظم) کی بلیغ تفسیر سے آسودگی حاصل کرنے کی راہ کھلتی نظر آئے گی۔ صفحہ 33 پر زمزمۂ توحید تلوک چند محروم کی دلنشیں تخلیق پڑھ کر محسوس ہوگا کہ وحدت کا دائرہ اپنی فہم کی پرواز سے کس قدر عظیم و خوش رنگ ہے۔ صفحہ 35 ڈاکٹر سید شاہ علی ارشد شرفی کا ترجمۂ تفسیر زاهدی، سکون قلب و نظر کا باعث ہے۔ ترجمہ آئندہ شماروں کے لیے بھی آپ کے اسپ طلب کو مہمیز کرتا محسوس ہوگا۔ انوار حدیث عنوان کے تحت سید شاہ شمیم الدین احمد منعمی یہ باور کرانے میں صادق القول نظر آئیں گے کہ اسلام کی آفاقی تعلیمات کا یہ سبق دور حاضر میں بھی کتنا ضروری ہے۔ حضرت مفتی محمد مطیع الرحمٰن رضوی نے صفحہ 41 پر مخدوم جہاں کی فقہی بصیرت مکتوبات و ملفوظات کی روشنی میں پیش کی ہے اور آئندہ شماروں میں بھی قارئین کرام سے ملیں گے۔ ڈاکٹر سید شاہ علی ارشد شرفی نے ترجمۂ مخ المعانی کے تحت صفحہ 51 پر ترجمہ کی طرف رغبت دلانے میں دلنشیں انداز اپنایا ہے۔ مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری نے مخدوم جہاں اور پھلواری شریف کے تحت قارئین کو گرانقدر معلومات فراہم کی ہیں۔ صفحہ 84 کے آخر میں حبیبہ شرف کی نعت پاک سے متعلق قلب قارئین کو دھڑکنے کے انداز کا ایک

تحریری منظر دکھانے کی سعی کی ہے۔ موت برحق ہے۔ خوش نصیبوں کو ایسی موت ملتی ہے۔ مولانا طیب عثمانی ندوی کی تحریر تصوف کی حقیقت مخدوم جہاں کے مکتوبات کی خواندگی سے رغبت دلاتی محسوس ہوتی ہے۔ ڈاکٹر عبید محمد انصاری نے مکاتیب کی روشنی میں مخدوم جہاں کے صوفیانہ افکار پر جنبش قلم کی دوسری کوشش کو اول سے زیادہ سنوارا ہے۔ حضرت سید شاہ شمیم الدین احمد منعمی کا آنکھوں سے دل تک: سفرنامہ حج دلکش اور زور قلم کا مظہر ہے۔ صفحہ 100 پر حضرت سید محمد شوکت کی نعت شریف کا آخری شعر۔

تم ہند میں بھی ہو کے شوکت طیبہ ہی میں گویا رہتے ہو ❁ جنت میں تمہیں لے جانے کو یہ جذبہ تمہارا کافی ہے

بہت پیارا ہے اور ہر نعت گو کے دل کی آواز جیسا ہے۔ صفحہ 101 پر ڈاکٹر امتیاز احمد نے شوقین قاری کو کتب خانہ میں ابن بطوطہ کو تلاش کرنے سے بچالیا ہے۔ امید ہے سلسلہ آئندہ شمارے میں ذوق مطالعہ کو دعوت خواندگی دے کر تشنگی دور کرے گا۔

ڈاکٹر سید محمد عباس نے صفحہ 110 پر حضرت امیر خسرو سے متعلق اچھی معلومات فراہم کی ہیں۔ حضرت خسرو کے طفیل حضرت جامی کو کسی قدر رکھنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ مضمون مذکورہ ڈاکٹر صاحب کے کثرت مطالعہ کی خبر دیتا ہے۔

صفحہ 115 سے جناب حضور سید شاہ امین احمد ثبات وشوق فردوسی کے سوانح حیات (1832-1902) سے متعلق حضرت سید شاہ نجم الدین احمد فردوسی کی تالیف دیگر مضمون نگاروں کی تخلیقات کو قارئین انوار مخدوم کے روبرو لانے کی سعی مستحسن شمار ہوگی۔ کلام ثبات و شوق کی منظوم تخلیقات در زبان اردو و فارسی شائع فرما کر یہ واضح کر دیا گیا ہے تخلص ثبات وشوق سے ایک ہی شاعر کی کاوش زبان اردو و فارسی میں آشکارا ہے۔ تخلیقات سید شاہ امین احمد فردوسی کے انتخاب کی روشنی میں دونوں زبانوں میں تخلیق کار کو قادر الکلام کہنا بے محل نہ ہوگا۔

صفحہ 202 پر محمد شفیع الرحمن شفیع کا فارسی میں کا منظوم خراج عقیدت نذر ثبات، ڈاکٹر سید شاہ علی ارشد شرفی بہ عنوان جناب حضور کے علمی کارنامے، حضرت سید شاہ عبد القادر اسلام پوری، حضرت شاہ محمد اکبر داناپوری، حضرت سید شاہ محمد سیف الدین فردوسی، ڈاکٹر سید شمیم احمد گوہر قادری ابوالعلائی، قادر الکلام شاعر جناب ناوک حمزہ پوری، ڈاکٹر محمد وصی اختر، ڈاکٹر محمد سلمان رضوی، ڈاکٹر امجد رضا خاں امجد کی تخلیقات و تاثرات نے انوار مخدوم کو مزید رونق عنایت فرمائی ہے۔ جناب حضور شوق بہار کا اردو کلام صفحہ 265 تا 287 قاری کو مزید دعوت خواندگی دیتا نظر آتا ہے۔ پروفیسر عبد المغنی، جناب الیس شفیع مشہدی، جناب احمد یوسف ذکر ثبات کے ساتھ ذکر ایک شجر سایہ دار کا میں سکون کی سانس لیتے نظر آتے ہیں۔ آپ نے جناب امین احمد شوق کی غزلیات اور تضمینات بر غزل حافظ شیرازی عنوان کے تحت سعی احسن کو قاری کے روبرو کیا ہے۔ مگر جناب متین عمادی نے حضرت شاہ امین احمد فردوسی شوق کی غزل گوئی ——— ایک جائزہ عنوان دے کر قاری کو اپنی طرف متوجہ کیا ہے۔ جناب متین نے مشکل ردیف میں حضرت شوق کے دو اشعار پیش کیے ہیں۔ درج ذیل اشعار کے علاوہ اشعار اچھے اور قادر الکلام ہونے کی دلیل کے طور پر پیش کیے جا سکتے ہیں۔ انوار مخدوم میں جس قدر نمونے ہیں کیا وہ کم ہیں؟

ہوا ہے یہ بحر شعر سا ادھر سے نیچا ادھر سے اونچا ● کہ جیسے دریا کا ہو کنارا ادھر سے نیچا ادھر سے اونچا

جو جسم پہنچا زمیں کے نیچے تو روح پہنچی فلک کے اوپر ● ہے کچھ عجب آخرت کا رشتہ ادھر سے نیچا ادھر سے اونچا

جناب شوق اپنی شاعری کی روشنی میں واقعی مستند اور پرگو شاعر تھے۔ اصناف اشعار کے تناظر میں آپ کو اچھا فنکار شمار کیا جائے گا۔ پروفیسر عبد المغنی، شفیع مشہدی اور احمد یوسف بھی حضرت شوق وثبات کی منظوم تخلیقات کے معترف ہیں۔ مخدوم میں ان مختلف اشعار واصناف کی جھلک پیش کی گئی ہے۔ زیر مطالعہ شمارہ میں مکتوبات ایسے اہل قلم کے ہیں جن کی تخلیقات کم گرانقدر نہیں ہیں۔ مجموعی اعتبار سے انوار مخدوم وقیع اور قابل تعریف وتوصیف ہے۔ مواد وضخامت، ترتیب وتزئین ہر اعتبار سے معیاری شمارہ تسلیم کیا جائے گا۔

سید فیاض الرحمن شارق
Behind Old Bar Association, City Court, Patna City, Patna-800008

جناب جمال احمد فردوسی

مہتمم جامعۃ الشرف، خانقاہ معظم، بہار شریف

# خانقاہ مخدوم جہاں کی تعلیمی وروحانی سرگرمیاں

جامعۃ الشرف کے معزز نام سے خانقاہ معظم کے زیر اہتمام چھ ادارے قائم ہیں اور سب کے سب اپنے اپنے مشن پر رواں، دواں روحانی، ادبی اور تعلیمی خدمات پوری ذمہ داری کے ساتھ انجام دے رہے ہیں، جن کا اجمالی خاکہ مندرجۂ ذیل ہے:

(1) جامعۃ الشرف (2) جامعۃ الشرف پبلک اسکول

(3) جامعۃ الشرف نرسری اسکول (4) جامعۃ الشرف کوچنگ سنٹر

(5) جامعۃ الشرف برانچ پہاڑی پر (6) جامعۃ الشرف برانچ شیخپورہ

مندرجہ بالا اداروں کی تفصیلات:

## (1) (الف) جامعۃ الشرف:

یہ ادارہ شعبۂ تحفیظ وقرأت کے لیے خاص ہے۔ اس میں بچوں کو دینیات، حساب، انگریزی اور جنرل سائنس کے علاوہ اردو زبان وادب کی بھی تعلیم دی جاتی ہے۔ اسی کے زیر اہتمام ایک ذیلی مگر اہم شعبہ ناظرہ قرآن پاک کی تعلیم بھی ہے جس میں قرآن کے صحیح پڑھنے کا طریقہ بتایا جاتا ہے۔

## (ب) شعبۂ ناظرہ:

اس میں درجہ اطفال سے ختم قرآن کریم تک باقاعدہ چار سالوں یعنی: اطفال، درجہ اول معہد، درجہ دوم معہد، درجہ سوم معہد تک کی تعلیم ہوتی ہے جس میں دینی مبادیات کے ساتھ عصری علوم کی ابتدائی کی تعلیم ہوتی ہے۔

واضح رہے کہ مندرجۂ بالا دونوں شعبوں میں پڑھانے والے اساتذہ کی تعداد 6 ہے۔ اسی طرح پڑھنے والے طلبہ کی تعداد 156 ہے۔ خوشی کی بات ہے کہ حسب معمول گذشتہ سال نومبر 2003ء میں بھی حسب طلبۂ کرام شعبۂ حفظ سے فارغ ہوئے۔

(1) محمد شبلی (2) محمد شہباز قریشی ضلع شیخپورہ (3) محمد رضوان (4) محمد جنید (5) محمد مرتضیٰ ضلع گریڈیہ (6) محمد فرقان، بہار شریف۔

حضرت مخدوم جہاںؒ کے عرس 5 شوال المکرم 1424ھ جیسے مشہور تاریخی دن کی شب میں فارغین حفاظ کرام کے لیے جلسۂ دستار بندی کی عظیم الشان تقریب خانقاہ معظم کے زیر اہتمام منعقد ہوئی جس میں مذکورہ فارغ تمام طلبہ کی جنابحضور سید شاہ محمد سیف الدین فردوسی اور دیگر مشائخ کے مبارک ہاتھوں سے دستار بندی ہوئی۔ اس عظیم تقریب میں سید

شاہ شمیم الدین احمد منعمی، ڈاکٹر علی ارشد شرفی، پروفیسر علاء الدین احمد فردوسی، سابق وائس چانسلر، ہمدرد یونیورسیٹی، جناب کمال احمد جعفری، اردو پروگرام اکیز یکیوٹیو، آکاشوانی، پٹنہ، جناب سید شاہ صہیب احمد عثمانی کے علاوہ علما و مشائخ نے اپنے مفید، قیمتی اور نہایت ہی مؤثر خطاب سے سامعین کو مستفید کیا۔

اس تقریب کے جلسۂ عام کو خطاب کرتے ہوئے جنا بحضور سید شاہ محمد سیف الدین فردوسی مدظلہ نے فرمایا کہ اس پرآشوب دور میں ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلمان اپنے مسائل، مصائب اور آلام کا صحیح حل کتاب وسنت میں تلاش کریں اور حضرت مخدوم جہاں کے مکتوبات وملفوظات کے علاوہ قرآنی دعاؤں اور مناجات جو انبیا، صحابہ اور بزرگوں سے ثابت ہیں، کے ذریعہ خدائے تعالیٰ کی رضا اور اس کا قرب تلاش کریں۔ اور اپنے بچوں کو قرآن پاک کی تعلیمات سے مزین کرنے کے بعد عصری علوم سے بھی کماحقہ ضرور واقف کرائیں تاکہ وہ زمانے کے چیلنج کو قبول کر سکیں۔

13 جولائی 2004ء کو مدرسہ ہذا کے طلبہ کے تمام مضامین کے باضابطہ امتحانات ہوئے۔ یہ امتحانات ششماہی تھے۔ خدا کے فضل سے نتائج بہت اچھے آئے۔ پھر ان بچوں کا سالانہ امتحان ستمبر کے اواخر میں ہوگا۔ انشاء اللہ!

## (2) جامعۃ الشرف برانچ بڑی پہاڑی، بہار شریف:

یہ ادارہ ایسے محلے میں واقع ہے جہاں غریب اور نادار مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد بستی ہے۔ اس ادارے کے قیام سے قبل وہاں کوئی اسلامی درسگاہ نہ تھی، چنانچہ اس ادارہ کے قیام کے بعد وہاں کے مسلم بچے اور بچیوں میں تعلیم کے شوق میں کافی اضافہ ہوا۔ فی الحال اس ادارے میں تقریباً سو طلبہ وطالبات زیر تعلیم ہیں، اس کے نصاب تعلیم کو سرکاری اسکول سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ دینی علوم میں سے قرآن کریم اور دینیات کی تعلیم کا خاص خیال رکھا گیا ہے تاکہ بچوں کا اسلامی اور دینی مزاج فروغ پاتا رہے۔

## (3) جامعۃ الشرف شیخپورہ برانچ:

حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحیٰی منیری کے چچازاد بھائی اور مرید خاص حضرت مخدوم شیخ شعیبؒ کی سرزمین شیخپورہ میں وہاں کے یتیم، غریب، نادار اور نہایت مفلس بچوں اور بچیوں کی تعلیم وتربیت کے لیے یہ ادارہ قائم ہے۔ ماشاء اللہ یہ ادارہ اپنی تعلیمی خدمات کی وجہ سے کافی مقبولیت اور شہرت حاصل کر چکا۔ اس وقت اس ادارے میں 61 طلبہ وطالبات علمی اور دینی فیض حاصل کر رہے ہیں۔

## (4) جامعۃ الشرف نرسری اسکول (خانقاہ محلہ بہار شریف)

یہ ادارہ بھی غریب اور نادار مسلم بچے اور بچیوں کے لیے قائم کیا گیا ہے۔ تین سال کی قلیل مدت میں اپنے بلند معیار تعلیم وتربیت اور خاص اسلامی تہذیب اور ثقافت کی وجہ سے پورے شہر بہار شریف میں باعث رشک بن چکا ہے۔ اس کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ یہ مفت قیمتی تعلیم فراہم کرتا ہے اور اس میں 80 فیصد یتیم، نادار، غریب اور مفلس بچوں اور بچیوں کے داخلے ہوتے ہیں۔ داخلے کے وقت جگہ کی کمی کی وجہ سے بہت سارے غریب والدین اور گارجین کو

مایوسیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور مجبوراً سینکڑوں درخواستوں کو نامنظور کرنا پڑتا ہے۔ فی الحال اس ادارے میں 180 طلبہ وطالبات زیر تعلیم ہیں۔ اسی طرح 7 اساتذہ دینی اور علمی خدمات انجام دے رہے ہیں اور اس میں درجہ نرسری سے لے کر درجہ I تک کی مکمل تعلیم .C.B.S.E نصاب کے مطابق ہو رہی ہے چنانچہ اسی نصاب تعلیم کے مطابق مئی 2004ء کے اوائل میں طلبہ وطالبات کا فرسٹ ٹرمنل امتحان ہوا جس میں بچوں، بچیوں نے اپنی تعلیمی محنت ولیاقت کا بھرپور ثبوت دیا۔

## (5) جامعة الشرف پبلک اسکول:

خدا کے فضل سے یہ ادارہ روز افزوں ترقی کی طرف گامزن ہے۔ اس نے غریب، یتیم، نادار اور بالکل مفلس بچوں کے لیے مفت تعلیم فراہم کرنے کے علاوہ اپنی اعلیٰ کارکردگی، بہترین تعلیمی وتربیتی معیار کی وجہ سے اس پورے خطہ بلکہ شہر اور بیرون شہر کے عوام وخواص کے درمیان کافی شہرت ومقبولیت حاصل کر چکا ہے۔ امسال فروری 2004ء ہی سے یہ اسکول کرایہ کی نئی بلڈنگ میں منتقل ہو چکا ہے جو اسکول کے لیے نہایت موزوں اور ہر اعتبار سے بہتر اور خوبصورت ہے اور تعلیم حاصل کرنے والے بچوں اور بچیوں کے لیے بہت پرکشش بھی چنانچہ ہر ایک دیکھنے والا اسے دیکھ کر متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا ہے اور سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ عمارت نہایت حساس اور پرفتن مواقع کے لیے ایک محفوظ قلعہ کی مانند ہے۔ اس میں تعلیم دینے والے اساتذہ بھی قابل اور باصلاحیت ہونے کے ساتھ ساتھ اچھے کردار اور اخلاق کے حامل ہیں۔ ان خصوصیات کی بنا پر طلبہ کے مقابلے میں طالبات کی درخواستیں زیادہ تعداد میں موصول ہوئیں اسی وجہ سے داخلے میں طالبات کو ترجیحات میں رکھا گیا ہے۔ ابھی کے تازہ امتحان سہ ماہی میں پورے اسکول میں طلبہ کے مقابلے میں طالبات نے زیادہ اچھے نمبرات حاصل کیے ہیں۔ ابھی اسکول انتظامیہ کے لیے سب سے اہم مسئلہ یہ ہے کہ غریب، نادار اور یتیم بچیوں کی گنجائش کیسے نکالی جائے۔ کیوں کہ مستقبل میں ہونے والے جدید داخلے میں پورے بہار شریف میں مسلم لڑکیوں کے لیے کوئی اسکول موجود نہ ہونے کی وجہ کر بچیوں کی درخواست آنے کی زیادہ امید ہے جب کہ اسکول کے طول و عرض اس سے زیادہ گنجائش کی اجازت قطعاً نہیں دیتے۔ واضح رہے کہ یہ ادارہ درجہ II سے لے کر VII تک قائم ہے۔

## (6) جامعة الشرف کوچنگ سنٹر:

یہ کوچنگ شہر کا بالکل منفرد اور یکتا تعلیمی ادارہ ہے جو غریب، نادار اور مفلس طلبہ وطالبات کو بہار بورڈ کے مطابق مفت انگلش میڈیم تعلیم فراہم کرتا ہے اور اسکول کے جملہ مضامین کی بہترین تیاری کراتا ہے۔ یہ بالخصوص ان شوقین بچے اور بچیوں کے لیے ہے جو پڑھنے لکھنے میں ترقی تو کرنا چاہتے ہیں مگر ان کے غریب والدین اور گارجین انہیں پڑھانے اور کوچنگ کرانے کی صلاحیت واہلیت نہیں رکھتے۔ وہ اپنی غربت وافلاس کی وجہ سے معذور، شکستہ اور رنجور ہیں، ایسے لوگوں کی معاونت کے لیے یہ قائم کیا گیا تھا مگر افسوس کی بات یہ ہے کہ جگہ کی قلت اور امیدواروں کی کثرت کی وجہ سے انتظامیہ کو مجبوراً موجودہ جگہوں سے زائد درخواستوں کو نامنظور کرنا پڑتا ہے۔ یہاں انتظامیہ کے لیے پریشان کن بات یہ ہے کہ لڑکوں کے مقابلے میں لڑکیوں کی درخواستیں برائے داخلہ زیادہ موصول ہوتی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بچیوں کے لیے یہ سب سے بہتر اور اخلاقی وتربیتی ہر اعتبار سے بہت زیادہ مامون ومحفوظ ادارہ ہے۔

مختصر یہ کہ خانقاہ معظم کے زیر اہتمام چلنے والے تمام مندرجۂ بالا اداروں میں 9 سو سے زاید طلبہ وطالبات اپنی علمی پیاس بجھا رہے ہیں، جن کے جملہ مصارف کی ذمہ داری خانقاہ معظم سے متعلق اصحاب خیر پر ہے۔ اللہ تعالیٰ ان محسنین کی عمر، کاروبار اور اہل وعیال میں اضافہ وبرکت عطا فرمائے آمین!

**بزم مخدوم:**

مسرت کی بات یہ ہے کہ طلبہ میں دینی اور دنیاوی شعور بیدار کرنے کے لیے بزم مخدوم کے نام سے ماہ جون کے اخیر میں ایک انجمن قائم کی گئی ہے۔ اس میں طلبہ کی دلچسپیوں میں اضافہ کرنے کے لیے اساتذہ اور بالخصوص اسکول کے پرنسپل بھی کافی جدوجہد کا مظاہرہ کررہے ہیں۔ طلبہ کی تقریری مشق کے لیے یہ انجمن بزم مخدوم بہت مؤثر ثابت ہوئی ہے اور مستقبل قریب میں اس انجمن سے ایک اچھی امید ہے۔ یہ انجمن ہر ہفتہ جمعرات کے روز منعقد ہوتی ہے جس میں تمام اساتذہ کی موجودگی میں بچوں اور بچیوں کا تقریری مظاہرہ ہوتا ہے۔

**بزم توحید:**

تقریری مشق کے علاوہ تحریری مشق کے لیے ایک انجمن کی ضرورت محسوس ہورہی تھی۔ چنانچہ جولائی کے پہلے ہفتے میں جملہ اساتذہ کی موجودگی اور چنیدہ طلبہ وطالبات کے سامنے اس انجمن کی تجویز سامنے آئی جس میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ طلبہ وطالبات کی تحریری مشق کے لیے اس انجمن کا ہونا ضروری ہے، جس میں طلبہ وطالبات مختلف موضوعات پر تحریری طور پر اپنے مافی الضمیر کو ادا کرسکیں اور اپنی خوابیدہ صلاحیتوں کو جاگر کر کے قوم وملت کا نام روشن کرسکیں۔

**جسٹس ہائی کورٹ پٹنہ کی حاضری:**

جناب سید شاہ نیر حسین، جسٹس پٹنہ ہائی کورٹ حضرت مخدوم جہاں کے مقدس مزار پر اچانک حاضر ہوئے پھر خانقاہ معظم میں حضرت مخدوم جہاں کے زیب سجادہ سے ملاقات کی۔ مختصر گفتگو کے بعد انہوں نے خانقاہ معظم کے زیر اہتمام قائم شدہ جملہ روحانی اور تعلیمی مراکز کا دورہ کرنے کے بعد اپنی دلی مسرت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ خوشی کی بات یہ ہے کہ یہ خانقاہ مخدوم جہاں کے تصور خدمت خلق کو عملی جامہ پہنانے کی حتی الوسع کوشش کررہی ہے اور انہوں نے یہ بھی کہا کہ اس خانقاہ نے علمی اور سماجی اعتبار سے بہت ترقی کی ہے اور ملک وقوم کی بقا میں اس کا عظیم کردار ہے بالخصوص خانقاہ معظم نے ایک عظیم علمی، روحانی اور ادبی سہ ماہی رسالہ انوارِ مخدوم نکال کر مخدوم جہاں کی قیمتی تعلیمات کو فروغ دینے کی جو زبردست کوشش کی ہے اس کی تعریف کے لیے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں۔

**عید میلاد النبی ﷺ:**

یوم میلاد النبی ﷺ کے پُر مسرت موقع پر خانقاہ معظم کے جامعۃ الشرف ہال میں ایک عظیم الشان جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے جناب حضور نے فرمایا کہ مسلمانوں کے تشخص کو تباہ کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلمان سیرت طیبہ کو اپنا آئیڈیل بنائیں اور جوش کے بجائے ہوش سے کام لیں۔ اسی کے ساتھ انہوں نے فرمایا کہ تمام گارجینوں کو چاہیے کہ اپنے بچے اور بچیوں کی سیرت وکردار سازی کے لیے وقت اور پیسے کی قربانی دیں۔

❁❁❁

# SARAH FASHIONS

Manufacturer
of
Kids Wear

22A, Royd Street, Kolkata-1

# ARISTO COLOUR CHEM

Manufacturer of
P.V.C. Paints

85 Z1/C, Topsia Road,
Kolkata-39,

June - 2004

The Anwar-i- **MAKHDOOM** Quarterly-6

Maktabah-i-Sharaf, Khanqah Hazrat-i-Makhdoom-i-Jahan, Biharsharif- 803101(India)

## مال وجائداد کے باعث اطاعت حق سے گریز مت کرو!

سلطان الاولیاء **حضرت محی الدین شیخ عبدالقادر جیلانی** نے ارشاد فرمایا:

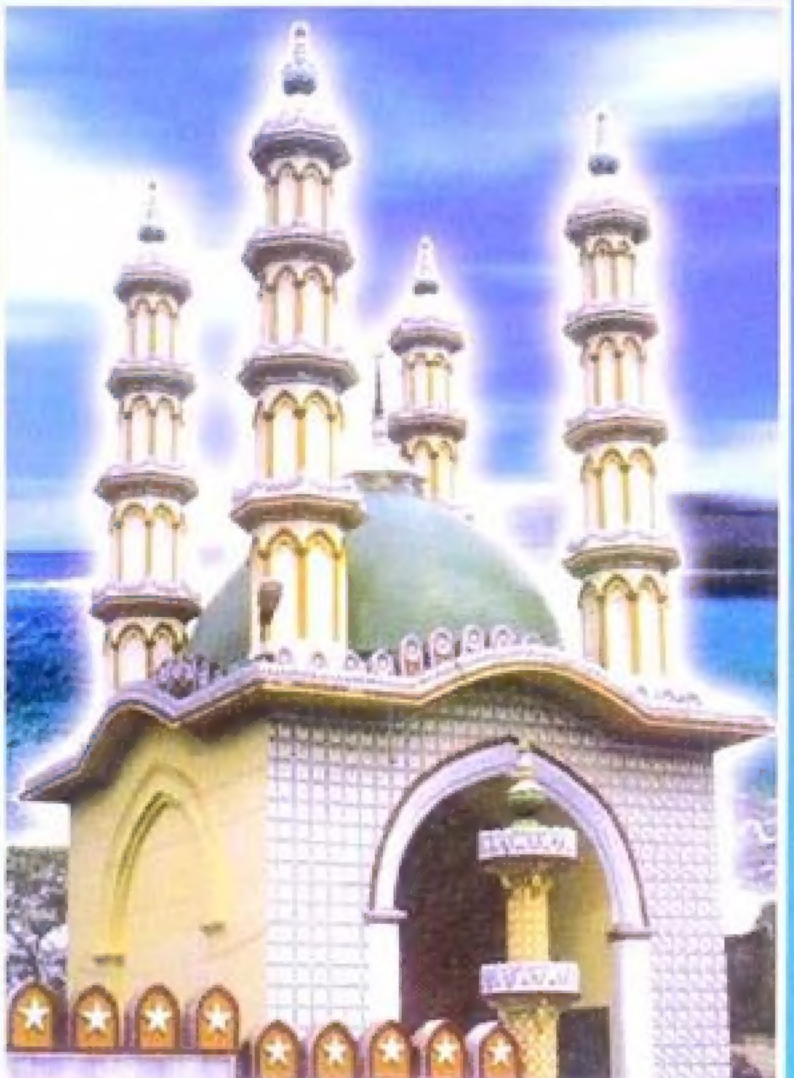

جب اللہ تعالیٰ تجھے مال وجائداد عطا کرے اور تو اس مال کے باعث خدا تعالیٰ کی عبادت واطاعت ست روگردانی کرے، تو خدا تجھے دنیا وعقبیٰ میں اپنے قرب سے دور کردے گا اور ممکن ہے کہ غفلت ومعصیت کے باعث وہ مال وجائداد تجھ سے چھین لے اور تجھے محتاج وپریشان کردے منعم سے غافل ہو کر سراسر نعمت میں محو ومشغول ہو جانا ہی شرک ہے اور شرک خدا کے نزدیک ناقابل معافی جرم ہے اور اگر تو مال ودولت کو معبود ومقصود نہ بناتے ہوئے حمد وثنا اور ذکر وعبادت میں مشغول رہے گا تو اللہ تعالیٰ اس مال کو تیرے لئے برکت وراحت کا باعث بنائے گا اور اس میں روز بروز اضافہ ہوتا چلا جائے گا مال تیرا خادم ہوگا اور تو اپنے رازق وپروردگار کا خادم۔ پھر تو دنیا میں خدا کی گونا گوں نعمتوں سے محفوظ وفیض یاب ہوگا۔ اور عقبیٰ میں کدا کی طرف سے معزز و محترم ہو کر جنت الماویٰ میں صدیقین، شہدا اور صالحین کا جلیس وہم پایہ ہوگا۔

(فتوح الغیب)

نیک خواہشات کے ساتھ

**راجگیر پلاسٹک انڈسٹریز**

توپسیا، کولکاتا

Design & Printed at : Commercial Urdudunya, Kolkata-46. Phone : 22855260/31048723.

Published From Maktabah-I-Sharaf, Khanaqah Hazart-i-Makdoom-i-Jahan, Biharsharif, Nalanda (Bihar)